جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد مبین کیفیؔ، چریاکوٹی نے مرتب کیا

جس پر

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم-اے

شعبہ اردو - لکھنؤ یونیورسٹی نے نظر ثانی کی

جلد [illegible]

۱۹۳۵

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الٰہ آباد

جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد مبین کیفیؔ، چریاکوٹی نے مرتب کیا

جس پر

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم-اے

شعبۂ اردو - لکھنؤ یونیورسٹی نے نظر ثانی کی

دوسری جلد

۱۹۳۵

ہندستانی اکیڈیمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

Published by
The Hindustani Academy
ALLAHABAD

PRICE { Unbound Copy Rs 8/
Bound Copy Rs 8/8

Printed by
Onkar Prasad Gaur at the K. P. Press
ALLAHABAD

فہرست

دیباچہ

ہندوستانی اکیڈیمی صوبہ متحدہ نے اردو شاعروں کے کلام کا انتخاب شائع کرنے کا ارادہ کیا اور انتخاب کا کام مولوی محمد معین صاحب کیفی چریا کوٹی کے سپرد کر دیا ۔ موصوف نے کئی سال کی محنت میں یہ انتخاب تیار کرکے اُس کو چھ جلدوں میں ترتیب دیا ۔ اِس کے بعد اکیڈیمی کی جانب سے ہر جلد کے لئے ایک ایڈیٹر مقرر ہوا چنانچہ اس دور کی دوسری جلد پر نظر ثانی کرنے کی ذمہ داری مجھے سپرد کی گئی نظرثانی کرتے وقت میں نے زیادہ تر حذف و ترمیم سے کام لیا شعرا کے حالات و سنین وغیرہ میں مولف کتاب کی تحقیق پر اعتماد کر کے صرف غیر ضروری باتیں حذف کردیں ، عبارت میں لفظی ترمیم کردی ، بیان کی ترتیب میں ضروری تغیر کر دیا ، اور بعض شعرا کے حسب وصفات کلام از سر نو لکھے ۔ کلام کے انتخاب میں بھی زیادہ تر حذف سے کام لیا ۔ جو اشعار ذوق سلیم پر گراں معلوم ہوئے ان کو نکال دیا ، جن شاعروں کے کلام کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں یا جو اپنے زمانے کے اعتبار سے اس دور میں شامل نہیں ہو سکتے انہیں خارج کر دیا ۔ اس کانٹ چھانٹ کے بعد کتاب کی ضخامت نصف کے قریب رہ گئی پھر بھی یہ جلد تقریباً ہزار صفحوں پر مشتمل ہے

کتاب کے مسودے میں سے جہاں بہت کچھ حذف کر دیا گیا ہے وہاں تھوڑا سا اضافہ بھی کیا گیا ہے ۔ حضرت میر سے مجھکو جو دلی عقیدت اور ان کے کلام کی میری نظر میں جو وقعت ہے اس نے مجھے مجبور کیا کہ اس شاعر اعظم کے جو بلند پایہ اشعار نظر انداز ہو گئے ہیں انہیں انتخاب میں شامل کر دوں ، مگر اس کام کے لئے ضروری تھا کہ میر کے سارے دیوانوں کا شروع سے آخر تک بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے ۔ افسوس ہے کہ میری کم فرصتی نے اس کا موقع نہ دیا اور صرف ردیف الف میں کوئی سوا سو اشعار اضافہ کرنے کے بعد مجھے یہ خیال ترک کر دینا پڑا ۔

سودا کے قصیدے اور ہجویں ، میر کی مثنویاں اور واسوخت ، میر حسن کی مثنوی سحرالبیان ، ان چیزوں کے جو انتخابات اس کتاب میں شامل ہیں ان کا تعداد زیادہ تر میں ہوں میر تقی میر کے حالات اور مقدمہ کتاب جس نے ' خصوصیات دور ' کی جگہ ' خلاصۂ دور ' کا عنوان تجویز کیا ہے یہ دونوں چیزیں بھی میں نے از سر نو لکھی ہیں ۔ ان کے علاوہ شعرا کے حالات و ملخصات مولف کتاب کی محنت کا نتیجہ ہیں ۔

کتاب کے مسودے پر نظر ثانی کرتے وقت میں نے کتابت وغیرہ کی بہت سی غلطیوں پر نشان لگا دئیے تھے اور ترتیب وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتیں کر دی تھیں ۔ لیکن افسوس ہے کہ نہ سب غلطیوں کی تصحیح ہوئی اور نہ کل ہدایتوں پر عمل کیا گیا بہر حال میں نے مطبوعہ نسخے پر ایک سرسری نظر ڈال کر غلطیوں کی فہرست بنادی ہے جس کے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ فہرست کتاب کے آخر میں لگا دی گئی ہے ۔ ناظرین اس کو دیکھ کر غلطیوں کی تصحیح کر لیں ۔ چند غلطیاں جن کی اس فہرست میں گنجائش نہ تھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں ۔

۱ — میر کی ایک غزل کے پانچ شعر جو صفحہ ۴ میں موجود ہیں صفحہ ۴۸ ۴۹ میں مکرر درج ہو گئے ہیں ۔

۲ — مندرجہ ذیل شعر صفحہ ۴۶۹ اور صفحہ ۴۷۱ دونوں میں درج ہے —

بے وفائی نہ تیری جی ہے فدا ۔ قہر ہوتا جو باوفا ہوتا ۔

۳ — ذیل کا شعر صفحہ ۴۷۲ میں بھی موجود ہے ۔
اور صفحہ ۴۷۶ میں بھی —

بے وفا تم نہ کچھ نہیں تقصیر ۔ مجھ کو اپنی وفا ہی راس نہیں

۴ — صفحہ ۴۴ میں تیسرے شعر کا دوسرا مصرع یہ ہونا چاہئے

ع اپنا تھا نہ ولے قابل دیدار نہ تھا ۔

۵—صفحہ ۱۷۱ میں پہلے شعر کا پہلا مصرع یہ ہونا چاہئے —

ع جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے -

۶—صفحہ ۳۹۹ سطر ۶ میں لفظ 'مثنوی' کے بعد یہ عبارت چھپنے
سے رہ گئی ہے —

" سحرالبیان ہے ۔ نقادان سخن کی متفقہ رائے ہے کہ اُردو
شاعری اس مثنوی "

۷—اصل کتاب میر کے حال سے شروع ہوتی ہے ۔ اس لئے جس
صفحے پر میر کے حالات کی ابتدا ہوئی ہے اسی سے کتاب کے
صفحوں کا شمار شروع ہونا چاہئے تھا ۔ مگر میر کے حالات جن
صفحوں میں ہیں اُن پر " خلاصہ دور " کے سلسلے میں
حروف ابجد لکھ دئے گئے ہیں ۔ اس سے حالات میر مقدمہ
کتاب کا جزو معلوم ہونے لگے ہیں حالانکہ وہ اصل کتاب میں
شامل ہیں ۔

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اس
کتاب پر نظر ثانی کرنے میں بہت سا وقت صرف کیا اور بہت کچھ
حذف و اضافہ کیا پھر بھی یہ انتخاب ایسا نہ ہوا جیسا میرا جی چاہتا
تھا ۔ میرا یہ کہنا مؤلف کتاب کی محنت کو کم کر کے دکھانا یا اُن کے
مذاق سخن پر حرف رکھنا نہیں ہے بلکہ صرف اس اختلاف مذاق کی
طرف اشارہ کرتا ہے جو دو آدمیوں میں فطرتاً موجود ہوتا ہے ۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب

کوہ منصوری ۴ جولائی سنہ ۱۹۳۵ع

سودا، انشا اور مصحفی کا مرہون منت ہے - مثنوی کی تکمیل
میر - اثر - حسن اور مصحفی کے ہاتھوں ہوئی رباعیاں بھی
اس دور کے متعدد شاعروں نے خوب خوب لکھیں - مگر خواجہ میر درد
نے اس صنف سخن کی طرف خاص توجہ کی -

اس دور میں مرثیے کو بھی اچھی خاصی ترقی ہوئی -
متعدد شعرا ایسے گزرے جنھوں نے اپنی عمر اسی صنف شعر کی
خدمت میں صرف کردی - ان میں سکندر، مسکین، گدا،
افسردہ، احسان کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں - ان کے
علاوہ میر اور سودا کے سے باکمال شاعروں نے بھی اس صنف کی
طرف خاص طور پر توجہ کی اور بہت بہت سے مرثیے تصنیف
کیے - سودا نے مرثیے کو شعر کی مشکل ترین صنف کہہ کر اس
کی عظمت مسلم کردی - مرثیہ دوسرے اصناف سخن سے اس قدر
الگ اور مقدار میں اتنا زیادہ ہے کہ وہ اپنا انتخاب علیحدہ
چاہتا ہے اس لیے مرثیے اس جلد میں شامل نہیں کیے گئے ہیں -

بعض اصناف سخن جو اردو میں موجود ہی نہ تھے ان
پر اس دور کے شعرا نے پہلے پہل طبع آزمائی کی - واسوخت اور
مسمط کی بعض صورتیں میر نے اردو شاعری میں داخل کیں -
ہجو گوئی کا راستہ میرضاحک اور مرزا سودا نے دکھایا - ریختی
کی ایک نئی صنف رنگین اور انشا نے ایجاد کی -

اصناف سخن کے علاوہ اس دور میں شاعری میں بعض خاص
کیفیتیں بھی پیدا کی گئیں - میر نے محبت اور انسانیت کا
بلند ترین معیار پیش نظر کردیا اور غم و حسرت کے دریا بہا دیے -

درد نے صوفیانہ خیالات شاعرانہ انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیے ۔ حسن نے منظر کشی اور سیرت نگاری کے بہترین نمونے پیش کیے ۔ جرأت نے معاملہ بندی کا کمال دکھایا انشا اور رنگین نے ظرافت اور ہزل کو شاعری میں جگہ دی ۔ انشا نے مشکل زمینوں میں شعر کہنے کی ابتدا کی ۔ اور ایک نہایت مفید بات یہ ہوئی کہ ایہام گوئی متروک ہوگئی یعنی اردو کے قدیم شاعروں کے یہاں شعر کی بنیاد اکثر کسی خیال پر نہیں بلکہ کسی لفظ یا کسی صنعت پر ہوتی تھی ۔ یہ طریقہ اس دور میں ترک کردیا گیا ۔

زبان کی اصلاح اور توسیع کے لحاظ سے بھی یہ دور بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ مکروہ اور مہمل لفظوں سے زبان کو پاک کرنا محاوروں میں تراش خراش کر کے ان کو سڈول بنانا ، نظم کی زبان سے زوائد یعنی بھرتی کے لفظوں کو نکال دینا ، اور زبان کی صحت و فصاحت کا معیار قائم کرنے کی کوشش کرنا اس دور کے شعرا کا شاندار کارنامہ ہے ۔ یوں تو کچھ زمانے کے بعد کچھ لفظ فطرتاً اور لزوماً متروک ہو ہی جاتے ہیں ، اور کچھ محاوروں کی شکل خود بخود بدل جاتی ہے ۔ لیکن اس دور کے شعرا نے اپنے ارادے اور کوشش سے زبان کو درست کیا ۔ بے شمار فارسی ترکیبوں ، محاوروں اور مثلوں وغیرہ کا خوبصورتی سے ترجمہ کر کے زبان کو وسعت دی ۔ اپنے فطری سلیقے اور غیر معمولی قدرت بیان کی بدولت اظہار خیال کے ہزاروں اسلوب پیدا کردیے ۔ اور اردو کو اس قابل بنادیا کہ اس میں باریک سے باریک خیال اور نازک سے نازک جذبات ادا کیے جاسکیں ۔ اس سلسلے میں میر ۔ سودا ۔ درد اور قائم کے جذبات خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ان

دور میں ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ جو تھوڑی بہت خالص
ہندی تشبیہیں - استعارے - تلمیحیں وغیرہ اس دور کے ابتدائی
شاعروں کے یہاں نظر آجاتی تھیں آگے چل کر وہ بالکل مفقود
ہوگئیں اور انداز بیان اور پرواز خیال دونوں میں فارسی شاعری
کی تقلید ہونے لگی -

شاعری اور زبان کی ترقی کے ساتھ خیالات میں نزاکت
اور بیانات میں تکلف کا پیدا ہو جانا ضروری ہے - اس دور کے
شعروں کا بیان ابھی تدریجا اتنا صاف اور بے تکلف نہیں ہے
جتنا اُن کے پیشرووں کا تھا - لیکن ان کا تکلف تصنع کی حد تک
نہیں پہنچتا اس لیے اس سے کلام کی صوری خوبیوں میں
اضافہ ہو جاتا ہے اور معنوی خوبیوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی-

اردو شعرا کے تذکرے پہلے پہل اسی دور میں لکھے گئے -
'میر' - 'مصحفی' - اور 'قائم' - کے سے کامل استادوں کے لکھے
ہوئے تذکرے اب بھی موجود ہیں جو اُردو شعر کی تاریخ
اور تنقید کے لئے بہت قیمتی مواد فراہم کرتے ہیں - ان کے
علاوہ اور بھی متعدد تذکرے اس دور میں لکھے گئے جن میں
سے بعض ہندوستانی اور اکثر طاری کتب خانوں میں محفوظ
ہیں -

اس دور کے شعرا کی تمام فضیلتوں کا اعتراف کرنے کے بعد
اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان باکمالوں
نے اپنی شاعری کو زیادہ تر اپنے پیشرووں کے مضامین میں
محدود رکھا - ہاں اتنا ضرور کیا کہ پرانے مضامین کو نئے نئے
پہلو نئے نئے اسلوبوں سے نہایت پرلطف اور پراثر انداز میں

پیش کیے لیکن اس دور کے آخری حصے کے اکثر شاعروں نے اپنا سارا کمال حسن بیان اور جذبات ادا میں صرف کر دیا - البتہ ''رنگین'' اور ''انشا'' نے اپنی جدت ضرور کی کہ ظرافت بلکہ ہزل کو شاعری میں داخل کردیا - ریختی کا ایجاد بھی حقیقت میں ہزل کے لیے ایک نیا میدان تھا - اگر اِس صنف نظم میں عورتوں کے شریف و لطیف جذبات اُنہیں کی زبان میں ادا کیے جاتے تو اُردو شاعری میں ایک نہایت قابل قدر اضافہ ہو جاتا -

اس عہد کے اکثر شعرا بہت پرگو تھے - مثلاً ''میر'' - ''سودا'' - ''مصحفی'' - ''جرات'' ''رنگین'' اس لیے ان کا تمام کلام یکساں نہیں ہے - بلند اور پست خیالات صوفیانہ اور سوقیانہ جذبات - درباری اور بازاری محاورات اکثر پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں

بہر حال ان شاعروں نے اردو زبان اور شاعری کی وہ جلیل القدر خدمتیں انجام دیں کہ اُن سے ان کو غیر فانی عظمتیں حاصل ہوئیں - اور بعض شعرا نے بعض اصناف سخن میں وہ درجہ حاصل کرلیا کہ اُن کی صنف خاص میں اُنکا کوئی نظیر نہ اب تک ہوا ہے نہ آئندہ ہونے کی اُمید ہے - غزل میں میر کو قصیدے میں ''سودا'' کو - مثنوی میں حسن کو - صوفیانہ شاعری میں ''درد'' کو معاملہ بندی میں جرأت کو ' ہزل میں انشا کو ' وہ مرتبہ حاصل ہوا جو پھر کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا - مختلف اصناف سخن کے اتنے بڑے بڑے استاد کسی دور میں جمع نہیں ہوئے - اس دور کے باکمال شعرا کو جو عظمت اپنی زندگی میں حاصل تھی اس میں آج تک

کوئی کمی نہیں ہوئی اور جب تک اردو زبان باقی ہے ان کی یہی عظمت باقی رہے گی - مگر یہ فخر حضرت سلطان الشعرا میر تقی میر کے لیے مخصوص ہے کہ ان کے ہم عصروں سے لے کر آج تک کے تقریباً تمام ممتاز شعرا نے دل کھول کھول کر ان کی مدح کی ہے -

اس دور کی زبان میں بعض صرفی و نحوی خصوصیتیں ایسی تھیں جو بعد کو باقی نہیں رہیں اور بہت سے لفظ اور محاورے ایسے تھے جو آگے چل کر متروک ہوگئے یا جن میں کچھ لفظی یا معنوی تغیر ہوگیا - مثلاً اب جن حالتوں میں افعال متعدی کے لیے علامت فاعل 'نے' کا لانا ضروری ہے اس عہد میں ضمیر متکلم کے ساتھ ضروری نہ تھا مثلاً 'میں کہا' میں کیا - میں سنا وغیرہ بے تکلف لاتے تھے - فعل حال کے صیغے بنانے کے لیے اب ماضی تمنائی کے صیغوں پر 'ہے' اور اس کے اخوات کا اضافہ کرتے ہیں - اس عہد میں اس غرض کے لیے مضارع کے صیغوں پر 'ہے' وغیرہ بڑھاتے تھے - ''اور آتا ہے'' ''کہتے ہیں'' ''پوچھتے ہو'' ''مارتا ہوں'' کی جگہ ''آوے ہے'' ''کہیں ہیں'' پوچھو ہو'' مارں ہوں بولتے تھے - اسی طرح کہتا تھا سکتا تھا کی جگہ کہے تھا سکے تھا کہتے تھے - جمع کی حالت میں مونث فعلوں کے ماضی کے صیغوں میں آخری نون سے پہلے ایک الف بڑھاتے تھے اور حال کے صیغوں میں فعل اصلی کی آخری ''ی'' کے بعد الف نون بڑھاتے تھے اور ''آئیں'' ''چلیں'' - ''دیکھیں'' کی جگہ ''آئیاں'' - ''چلیاں'' - ''دیکھیاں'' اور ''آتی ہیں'' ''بستی ہیں'' - ''ترستی ہیں'' کی جگہ ''آتیاں ہیں'' -

" بستیاں ھیں " - " ترستیاں ھیں " بولتے تھے - فارسی اِسموں کی جمع فارسی قاعدے سے الف نون بڑھاکر ترکیب فارسی کی حالت میں اب بھی بولتے ھیں - مگر اُس عہد میں بغیر ترکیب کے بھی لاتے تھے یعنی خوباں - محبوباں - یاراں - بلبلاں وغیرہ انفراداً بھی اِستعمال کرتے تھے - " آکے " " ھوکر " وغیرہ کی جگہ " آئے کے " " ھوے کے " وغیرہ کا اِستعمال قدیم زمانے میں عام تھا اِس دور میں بھی " میر " نے " ڈھاکر " کی جگہ " ڈھاے کر " نظم کیا ھے مگر یہ صورت اِستعمال اِس عہد میں بہت شاذ تھی - جب مونث اسم جمع کی حالت میں موصوف واقع ھوتا تھا تو اُس کی صفت بھی کبھی کبھی جمع لاتے تھے اور صفت کی جمع بنانے کے لیے واحد کے آخر میں الف نون بڑھاتے تھے مثلاً " کڑیاں ساعتیں " - " بھاریاں " " بیڑیاں " - " کو " کے محل پر کے " تئیں " تو اب تک لوگوں کی زبان پر ھے لیکن " تک " کی جگہ " تئیں " کا کا اِستعمال اس دور سے مخصوص تھا مثلاً " کب تئیں " " یہاں تئیں " کبھی کبھی " تک " کی جگہ " لگ " بھی لاتے تھے مثلاً " کب لگ " جن حروف معنوی کے آخر میں اب " واو " یا " ی " ھے اُن کے آخر میں اکثر نون غنہ بھی لاتے تھے مثلاً " کو " " سو " " نے " " سے " کی جگہ " کوں " " سوں " - " نیں " - " سیں " بولتے تھے - ضمیر حاضر " تو " کی جگہ " توں " اور کبھی کبھی " تیں " بھی استعمال - کرتے تھے - بعض لفظوں کے دو تلفظ رائج تھے مثلاً " اِدھر " - " اُدھر " - " جدھر " - " کدھر " - " لہو " - " جگہ " " لگا " - " بجنا " - " پھٹنا " - مٹی - پھر کو " اِدھر " - " اُدھر "

'' جدھر '' - '' کدھر '' - '' لوھو '' - '' جاگہ '' - '' لاگا '' -
'' باجنا '' - '' پھاتنا '' - '' ماتی '' - '' پھیر '' - بھی کہتے ھیں-
بعد کو ان لفظوں کی صرف پہلی صورتیں جو مختصر تھیں باقی
رہ گئیں اور دوسری صورتیں متروک ھو گئیں - بعض لفظوں کے
تلفظ میں صرف زرا سا اعراب کا فرق تھا مثلاً '' ھلنا '' - '' گھسنا ''
اُس زمانے میں '' ھلنا '' اور '' گھسنا '' تھے - بعض لفظوں کے
استعمال میں اور اور طرح کا تھوڑا تھوڑا سا فرق تھا مثلاً '' اُن
کو '' '' جن کے '' کی جگہ '' اُنھوں کو '' '' جنھوں کے '' اور '' میرے ''
'' تیرے '' کی جگہ '' مجھ '' '' تجھ '' بھی بولتے تھے -
'' جس '' کا صلہ '' تس '' اور '' جدھر '' کا '' تدھر '' رائج تھا -
اب ان کی جگہ '' اُس '' اور '' اُدھر '' لاتے ھیں - '' کسو '' - 'کبھو'
'' جیو '' '' جیوں '' - '' سیتی '' - کہ '' تو '' اب '' کسی ''
'' کبھی '' - '' جی '' - '' جوں '' - '' سے '' کب '' تب '' ھو
گیے ھیں - '' اُس نے '' '' جس نے '' کی جگہ اُس زمانے میں
'' اُن نے '' '' جن نے '' بولتے تھے - لفظوں کی تذکیر و تانیث میں
بھی کہیں کہیں اختلاف تھا مثلاً '' مزار '' کو مونث اور '' خلش ''
کو مذکر بولتے تھے -

اب تک جن لفظوں کا ذکر کیا گیا وہ تھوڑے تھوڑے سے تغیر
کے ساتھ اب بھی بولے جاتے ھیں - ان کے علاوہ اُس دور میں
ایسے لفظ اور محاورے کثیر تعداد میں رائج تھے جو بعد کو
بالکل متروک ھوگیے اور اُن کی جگہ نئے لفظوں نے لے لی -
مثال کے طور پر اِس طرح کے چند لفظ یہاں لکھے جاتے ھیں -
ندان - آخر - آخرکار '' - '' بستار - پھیلاؤ '' - '' اَور - طرف '' -

'' نگر - شہر '' - '' تک - زرا '' - '' نت - ہمیشہ'' - '' تنک - زراسا '' - '' باس - بو - خوشبو '' - '' پون - ہوا '' - '' بچن - بات - قول '' - '' مکھ - منہ '' - '' زور - خوب '' - بہت '' - '' ٹھور - ٹھانوں - جگہہ '' - '' وے - وہ کی جمع '' - '' انکھیاں - آنکھیں '' - '' کنے - کے پاس '' - '' کے بیچ - میں '' - '' موندنا بند کرنا '' - '' گہنا - پکڑنا '' - ان میں کے بعض لفظوں کا استعمال اُسی دور میں کم ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ دور کے آخر میں بالکل ترک ہو گیے - بعض زیادہ مدت تک رائج رہے - بعض جن کی تعداد بہت کم ہے آج تک کسی کسی کے زبان پر جاری ہیں مگر لکھنے میں مدت سے نہیں آتے مثلاً '' کسو '' - '' کد '' - '' کدھی '' - '' آتیاں ہیں ''-

سید '' انشا '' نے چند لفظ مثلاً جھکڑا واچھڑے - بھلرے - ایسے نظم کردیے ہیں جو کسی دوسرے شاعر کے کلام میں نہیں پائے جاتے - اس کی خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ متین شاعروں کی سنجیدہ شاعری کے لیے اِس طرح کے لفظ جس قدر نامناسب تھے ظریف طبع انشا کی ہزل آمیز شاعری کے لیے اُتنے ہی مناسب تھے - وہ اپنی شاعری سے سامعین پر جس طرح کا اثر ڈالنا چاہتے تھے اُس کے لیے اِن لفظوں سے اُن کو مدد ملتی تھی -

اس دور کی خصوصیتوں اور اس کے نمایندوں کے کارناموں سے تفصیلی بحث کرنا یہاں منظور نہیں ہے -- اِن چیزوں کی طرف صرف ایک اشارہ کر دینا مقصود ہے اس لیے اس اجمالی بیان پر اکتفا کی جاتی ہے -

سید مسعود حسن رضوی ادیب

میر

بارھویں صدی ھجری کی پہلی چوتھائی گزرنے کے بعد اکبرآباد کی زمین پر ایک ستارہ نمودار ھوا جو شاعری کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکا - کون اُردو داں ھوگا جو میر محمد تقی میر سے واقف نہ ھو -

خدائے سخن حضرت میر کے والد بزرگوار ایک صوفی منش ' درویش صفت بزرگ تھے ' نام محمد علی تھا مگر اپنے زھدواتقا کی بدولت علی متقی کہلاتے تھے - ایک مرتبہ اثنائے سفر میں اُن کی نظر کیمیا اثر نے بیانہ کے ایک نوجوان کو ایسا متاثر کیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر اُن کی تلاش میں نکل کھڑا ھوا - آخر شوق کی رھنمائی سے اُس کو منزل مقصود کا پتا مل گیا - اکبرآباد پہونچ کر اُس نے میر علی متقی کا دامن ایسا مضبوط پکڑا کہ مر کے چھوڑا - میر تقی کی تربیت اِسی تارک دنیا درویش سید امان اللہ کی گود میں ھوئی -

ابھی میر صاحب کی عمر صرف دس برس کی تھی کہ سید امان اللہ نے انتقال کیا - اس حادثے نے اُن کو سخت صدمہ پہونچایا اور اُن کے والد تو اس غم میں ایسے پڑے کہ پھر نہ اُٹھے - باپ کی نا وقت موت سے میر صاحب پر مصیبتوں کا دروازہ کھل گیا - سوتیلے بڑے بھائی نے کل ترکے پر قبضہ کر کے

ان کو ستانا شروع کیا - جب اپنے گھر میں بیٹھنے کا ٹھکانا نہ رہا تو انھوں نے معاش کي تلاش اور علم کے شوق میں دھلي کا رخ کیا - وھاں ان کے انھیں برادر یوسف کے خالو سراج الدین علی خاں آرزو موجود تھے جو علم و فضل میں اپنے زمانے میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے - میر صاحب نے انھیں کے یہاں قیام کیا - مگر وہ سرچشمۂ علم ان کے لیے محض ایک سراب ثابت ھوا -

خان آرزو کی بے توجھي اور بدسلوکی سے تنگ آکر میر صاحب نے اُن کے یہاں کے قیام کو سلام کیا - خواجہ محمد باسط نے اپنے چچا امیرالامراء نواب صمصام الدولہ سے اُن کي سفارش کی اور نواب نے اُنکا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا - ایک ذي علم بزرگ میر جعفر عظیم آبادي نے اُن میں تحصیل علم کا شوق دیکھ کر اُن کو بڑي محبت اور دلسوزي سے پڑھانا شروع کیا -

کچھ زمانے کے بعد امروھہ کے ایک سید سعادت علي خاں سے ملاقات ھوئي انھوں نے ان کي طبیعت کا رنگ دیکھ کر ریختہ میں شعر کہنے کی صلاح دی - ان امروھوي سید صاحب کي مزاج شناسي نے وہ ساز چھیڑ دیا جس کے نغموں سے تھوڑے ھی دنوں میں سارا شہر گونج اُٹھا -

خواجہ میر درد کے والد خواجہ ناصر عندلیب کے یہاں ماھوار مشاعرے ھوا کرتے تھے - میر صاحب ان مشاعروں میں پابندي سے شرکت کرتے تھے - خواجہ ناصر ایک صاحب کشف بزرگ تھے - اُنھوں نے میر کا کلام سن کر ابتداھی میں اُن سے کہہ دیا تھا کہ ایک دن تم میر مجلس ھو جاؤ گے - آخر وہ پیشین گوئي

پوری ہو کر رہی - جب اتفاقات زمانہ نے اس محفل کو درہم و برہم کر دیا تو میر صاحب اپنے یہاں ہر مہینے مشاعرہ کرنے لگے -

میر صاحب نے وہ زمانہ پایا تھا کہ دہلی کی سلطنت بالکل کمزور ہو گئی تھی - امیروں جاگیرداروں اور صوبہ داروں کی باہمی جنگیں احمد شاہ درانی کے حملے اور مرہٹوں کے تاخت و تاراج سے ایک ہلچل پڑی ہوئی تھی - شہر تباہ ہو رہے تھے، آبادیاں ویران ہو رہی تھیں، خاندانی عظمتیں مٹ رہی تھیں، آبائی دولتیں لٹ رہی تھیں، میر صاحب زمانے کے یہ غیر معمولی اور تیز افتار انقلابات دن رات اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنی ذات پر انکا اثر محسوس کرتے تھے -

اِس دور انقلاب میں میر صاحب کئی مسلمان امیروں اور متعدد ہندو راجاؤں کے دامن دولت سے وابستہ رہے - جہاں جاتے تھے لوگ اُن کو آنکھوں پر بٹھاتے تھے - وہ اپنے اِنھیں ہندو مسلمان مربیوں کے ساتھ جنگوں کے میدانوں میں بھی دکھائی دیتے ہیں - جہاں ہم اُن کو کبھی سفارت کی اہم خدمت انجام دیتے ہوے دیکھتے ہیں اور کبھی دو فریقوں میں مصالحت کی کوشش کرتے ہوئے پاتے ہیں - اِن حالات سے صاف ظاہر ہے کہ شاعر ہونے کی حیثیت سے جو عظمت میر صاحب کو حاصل تھی اُسکے علاوہ بھی اس عہد کے بڑے سے بڑے لوگوں کی نظر میں اُن کی شخصیت کا وقار اُور اُنکی معاملہ فہمی، نیک نیتی، اور بے تعصبی کا اعتبار تہا -

ایک زبردست اور وسیع سلطنت کے ضعف سے نتائج کا جو سلسلہ شروع ہو جاتا ہے وہ کہیں جاکر ختم ہو لیکن طوائف

السلوکی ، خانہ جنگی ، خانماں بربادی اور شریف گردی کی منزلیں ضرور پیش آتی ہیں - میر صاحب کے زمانے میں دہلی انہیں منزلوں سے گذر رہی تھی ، اور شرفائے دہلی ترک وطن پر مجبور ہو رہے تھے - میر صاحب ایک مدت تک انقلابوں کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھاتے رہے ، مگر دہلی کی سکونت ترک نہیں کی - آخر جب گذر اوقات کی کوئی صورت نہ رہی تو ۱۱۹۷ ہجری میں نواب آصف الدولہ کی طلب پر لکھنؤ گئے - نواب نے تین سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کردیا - اُس زمانہ کے تین سو آج کے تین ہزار سمجھنا چاہئے - اِس معقول وظیفے کی بدولت میر صاحب عزت اور خوشحالی سے بسر کرنے لگے - آخر ۱۲۲۵ ہجری میں لکھنؤ ہی میں انتقال کیا - کچھ کم سو برس کی عمر پائی -

میر صاحب بڑے متوکل ، ذی حسن اور غیور بزرگ تھے - اِن صفتوں نے اُن کو نازک مزاج بھی بنا دیا تھا - اُن کی خود داری بڑے سے بڑے امیروں کی خوشامد اور بیجا ستائش کو جائز نہ رکھتی تھی - ان کی صاف دلی اور انصاف پسندی معائب کے اظہار میں بیباک اور محاسن کے اعتراف میں فیاض تھی - وہ قناعت کا مجسم تھے - بعض اوقات فاقوں میں بسر کی مگر کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا ، لیکن قناعت کا وفور احسان مندی کے احساس پر غالب نہیں آگیا تھا - وہ چھوٹی سے چھوٹی اعانت کا بالاعلان شکریہ ادا کرتے تھے - نازک دماغ ایسے تھے کہ بڑے سے بڑے نفع کو ٹھکرا دیتے تھے ، مگر کوئی خلاف مزاج بات برداشت نہ کرسکتے - وہ شیشہ کا دل اور فولاد

کا جگر رکھتے تھے بڑی بڑی کڑیاں جھیل سکتے تھے ' مگر کڑی بات نہ اٹھا سکتے تھے - وہ اپنے کمال سے بخوبی واقف تھے مگر ایسے خود بیں نہ تھے کہ کسي اور کا کمال اُن کو نظر نہ آتا ہو -

میر صاحب کو فطرت نے ایک درد بھرا دل عطا کیا تھا ' جن گودوں میں اُنھوں نے تربیت پائی ' جن تکلیفوں میں اُنکي زندگي بسر ہوئي ' اور جو انقلابات اُن کی آنکھوں نے دیکھے ' اِن سب کے اثر نے ان کو سراپا درد بنا دیا - اور دنیا اور اسباب دنیا کو اُنکي نظر میں بالکل بے رقعت کر دیا - اسی اِستغنا ' بلند خیالي ' اور درد مندي نے اُن کي شاعري میں وہ شان پیدا کر دی جو کسي دوسرے شاعر کو نصیب نہیں ہوئی - عشق و محبت بھي میر کے طبیعت کا ایک فطری عنصر تھا ' جسکو اُن کے والد کی تعلیم اور میر امان اللہ کی مثال نے اتني ترقی دي کہ وہ تمام دیگر عناصر پر غالب آ گیا - میر صاحب کي شاعري کو عشق کی زبان کہیں تو زیبا ہے -

میر کے لیے شاعري نہ کوئی صنعت تھی نہ تفنن طبع کا ذریعہ ' بلکہ شاعری اُنکي ذات کا ایک جز اور اُن کي طبیعت کا ایک عنصر تھی - وہ شاعر پیدا ہوئے تھے - اپنی شاعري کا موضوع بیشتر وہ خود ھی ھیں ' لیکن اُن کی یہ انانیت اکثر ذاتي اور انفرادي حیثیت سے نہیں بلکہ انسانیت کا ایک نمائندہ ہونے کي حیثیت سے ہے - فطرت نے اُن کو شریف و لطیف جذبات اور عالمگیر محبت و ہمدردي عطا کی تھي ' اُنکا معیار انسانیت بہت بلند تھا ' جس میں استغنا اور عزت نفس کو

بہت بڑا درجہ حاصل تھا ' اُنکا دل درد اور ہمدردی سے اسقدر لبریز تھا کہ وہ کسی کی مصیبت دیکھ نہ سکتے تھے - چونکہ اُنکی شاعری اُن کے قلبی کیفیات کی صحیح تفسیر ہے اس لیے وہ بھی اُنھیں شریف جذبات اور بلند خیالات سے بھری پڑی ہے - میر کی شاعری سے میر کی سچی تصویر تصور کی آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے -

زبان میں انتہا کی صفائی ' بیان میں حد کی دلکشی اور زور ' کلام میں ترنم - خیالات میں سادگی ' جذبات میں بلندی ' طبیعت میں دردمندی ' انسانی فطرت کے دقیق رازوں تک نگاہ کی رسائی واردات قلبی کی صحیح ترجمانی میر کی شاعری کے خاص خصوصیات ہیں - ان خصوصیات نے میر کی شاعری کو درد و اثر کا ایک طلسم بنا دیا ہے - اور میر کو غزل‌گوئی کا سب سے بڑا استاد منوا دیا ہے - یہ فخر صرف میر ہی کو حاصل ہے کہ اُن کے ہمعصروں سے لے کر آج تک کے اکثر با کمال شعرا نے اُن کے کمال کا پرزور لفظوں میں اعتراف کیا ہے - ذیل کے شعر ملاحظہ ہوں :---

(مرزا سودا)

" سودا " تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ
ہونا ہے تجھ کو " میر " سے استاد کی طرف

(شیخ مصحفی)

اے " مصحفی " تو اور کہاں شعر کا دعوی
پھبتا ہے یہ انداز سخن " میر " کے منہ پر

ص

(شیخ '' ناسخ '')

شبه " ناسخ " نہیں کچھ '' میر '' کی استادی میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

(خواجہ '' آتش '')

" آتش " بقول حضرت '' سودا '' شفیق من
ہونا ہے تجھ کو " میر " سے استاد کی طرف

(مرزا '' غالب '')

'' غالب '' اپنا بھی عقیدہ ہے بقول '' ناسخ ''
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو " غالب ''
سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی " میر '' بھی تھا

(" ذوق '')

نہ ہوا پر نہ ہوا " میر " کا انداز نصیب
" ذوق '' یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

(" عیش '')

ہے سچ تو یہ شعرائے جہاں میں " عیش '' فقط
کلام '' میر '' ہے البتہ دل پزیر اپنا

(میر " مجروح '')

یوں تو ہیں " مجروح '' شاعر سب فصیح
" میر " کی پر خوش بیانی اور ہے

ق

(" رند ")

شیخ "ناسخ" خواجه "آتش" کے سوا بالفعل "رند"
شاعران ہند میں کہتے ہیں طرز "میر" ہم

تیرا کلام کتنا مشابہ ہے "میر" سے
عاشق ہیں "رند" ہم تو اسي بول چال کے

("عرش")

لاکھ تقلید کیجئے اے "عرش"
پر کب انداز "میر" آتا ہے

("شاد" لکھنوي)

میں ہوں وہ طوطي ہندوستاں "شاد"
زبان جس کي ہے مثل "میر" اُردو

(مولوی اسمعیل)

یہ سچ ہے کہ "سودا" بھي تھا استاد زمانہ
میري تو مگر "میر" هي تھا شعر کے فن میں

(مرزا "داغ")

"میر" کا رنگ برتنا نہیں آساں اے "داغ"
اپنے دیواں سے ملا دیکھئے دیواں اُن کا

("جلال" لکھنوي)

کہنے کو "جلال" آپ بھی کہتے ہیں وهی طرز
لیکن سخن میر تقی "میر" کی کیا بات

د

(امیر مینائی)

شاعری میں " امیر " کی خاطر
" میر " اپنی زبان چھوڑ گئے

(امداد امام " اثر ")

لیکن " اثر " جو چشم حقیقت سے دیکھیے
کوئی غزل سرا نہ ہوا " میر " کی طرح

(اکبر الہ آبادی)

میں ہوں کیا چیز جو اس طرز پہ جاؤں " اکبر "
" ناسخ " و " ذوق " بھی جب چل نہ سکے " میر " کے ساتھ

(" حسرت " موہانی)

گزرے بہت استاد مگر رنگ اثر میں
بےمثل ہے " حسرت " سخن " میر " ابھی تک

(مولانا " صفی " لکھنوی)

ابیات غزل میں سانیر وهی
هر نغمۂ دلکش میں بم و زیر وهی
" حافظ " کا جو فارسی میں رتبہ ہے " صفی "
اردو میں ہے مرتبۂ " میر " وهی

تمام شعرا کے دیوان اس نظر سے دیکھے جائیں تو شاید ہی کوئی قابل ذکر شاعر ایسا نکلے جس نے کسی نہ کسی عنوان سے " میر " کے شاعرانہ کمال کا اعتراف نہ کیا ہو۔ اس زمانے کے متعدد شاعروں نے " میر " کی مدح میں مستقل نظمیں بھی لکھی ہیں ۔ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو مولانا

"عزیز" لکھنوی - حضرت "اثر" لکھنوی اور جناب "فرخ" بنارسی کی نظمیں اِس موضوع پر میری نظر سے گزری ہیں -

غزل میں تو "میر" کا کوئی مقابل ہے ہی نہیں - مثنوی میں بھی ان کا پایہ بہت بلند ہے - اور اُردو میں وہ اس وقت کے موجد ہیں - دیگر اصناف سخن میں بھی میر صاحب نے اپنے شاعرانہ کمال کے جوہر دکھائے ہیں مگر ان کے کمال غزل گوئی کے سامنے کسی اور چیز پر نظر نہیں پڑتی -

"میر" کی شہرت صرف اردو شاعر کی حیثیت سے ہے مگر ان کی متعدد تصنیفات فارسی نظم و نثر میں بھی موجود ہیں اُن کی جتنی تصنیفیں اب تک مل چکی ہیں ان کے نام اور مختصر کیفیت یہاں درج کی جاتی ہے -

۱—۶ اردو غزلوں کے چھ دیوان - جن میں چند قصیدے بھی شامل ہیں -

۷ - دیوان ہفتم - اس میں غزلوں اور قصیدوں کے علاوہ "میر" کی تمام نظمیں جمع کردی گئی ہیں - ان نظموں میں مثنویاں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتی ہیں - میر کی مثنویوں کا ایک مجموعہ سر شاہ محمد سلیمان صاحب چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ نے چند سال ہوئے مثنویات "میر" کے نام سے شائع کردیا -

۸ - دیوان مراثی - یہ سلاموں اور مرثیوں کا مجموعہ ہے اور میر کا جو مطبوعہ کلیات آجکل دستیاب ہوتا ہے اس میں شامل نہیں ہے - مگر اسکا ایک قدیم قلمی نسخہ راقم کی

نظر سے گذرا ھے اور اس کي ایک نقل راقم کے کتب خانہ میں موجود ھے -

۹ - دیوان فارسي - اس کا جو نسخہ میرے پاس ھے اس میں بہت سی غزلیں ' متعدد رباعیاں ' ایک مثنوي اور ایک مسدس شامل ھے -

۱۰ - نکات الشعرا - یہ اُردو شاعروں کا سب سے پہلا تذکرہ ھے -

۱۱ - ذکرمیر — اس کتاب میں '' میر '' نے کچھ اپنے اور زیادہ تر اپنے زمانے کے حالات لکھے ھیں - یہ سلطنت مغلیہ کے آخری عہد کي مستند تاریخ ھے -

۱۲ - فیض میر — یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ھے جس میں '' میر '' نے چند صوفي درویشوں کے چشم دید حالات نہایت دلکش فارسی عبارت میں لکھے ھیں - اس دلچسپ رسالے کو راقم نے پہلے پہل ۱۹۲۹ع میں ایک مقدمہ اور اُردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا -

۱۳ - ایک قصہ فارسی نثر میں — یہ وھي قصہ ھے جس کو '' میر '' نے اپنی اُردو مثنوي شعلۂ عشق میں نظم کردیا ھے ان کتابوں میں سے دیوان فارسي - ذکرمیر اور فیض میر کا ایک ایک قدیم قلمي نسخہ راقم الحروف کے کتب خانے میں موجود ھے - اور نمبر ۱۳ میں جس فارسي قصہ کا ذکر ھے اسکا ایک قلمي نسخہ ریاست رامپور میں ایک صاحب کے پاس ھے -

'' میر '' کي اِن تصنیفات سے ظاھر ھے کہ وہ فارسي کے زبردست انشا پرداز اور شاعر بھي تھے - مورخ بھی تھے - افسانہ

نگار بھي تھے اور فلسفي بھي تھے - افسوس ھے کہ ان کے قلم سے نکلي ھوئي اُردو نثر کي کوئي کتاب دستیاب نہیں ھوئی - لیکن فورٹ ولیم کالیج میں اُردو کتابوں کي تالیف و تصنیف کے لیے اُن کا بلایا جانا ثابت کرتا ھے کہ اُن کا شمار اُردو کے اعلیٰ درجے کے نثاروں میں بھی تھا -

انتخاب

ہنگامہ گرم کن جو دل نا صبور تھا
پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا
آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم
یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا
پہونچا جو آپ کو تو میں پہونچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا
ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر
اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

قطعہ

کل ، پانؤں ایک کاسۂ سر پر جو پڑ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

کیا میں بھی پریشانی خاطر سے قریں تھا
آنکھیں تو کہیں تھیں دل غم دیدہ کہیں تھا
اب کوفت سے ہجراں کے جہاں تن پہ رکھا ہاتھ
جو درد و الم تھا سو کہے تو کہ وہیں تھا

کفر کچھ چاھئے اسلام کي زینت کے لئے
حسن ' زنار ھے تسبیح سلیماني کا
جان گھبراتي ھے اندوہ سے تن میں کیا کیا ؟
تنگ احوال ھے اس یوسف زنداني کا

اُمیدوار وعدۂ دیدار مر چلے
آتے ھي آتے یارو قیامت کو کیا ھوا
بخشش نے مجھہ کو ابر کرم کے کیا خجل
اے چشم ! جوش اشک ندامت کو کیا ھوا
جاتا ھے یار تیغ بہ کف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ھوا

کہا میں نے کتنا ھے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا
جگر ھی میں اک قطرہ خوں ھے سر شک
پلک تک گیا تو تلا طم کیا

اُلٹی ھو گئیں سب تدبیریں کچھہ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
عہد جواني رو رو کاٹا ' پیری میں لیں آنکھیں موند
یعني رات بہت تھے جاگے صبح ھوئي آرام کیا
ناحق ھم مجبوروں پر ' یہہ تہمت ھے مختاری کي
چاھتے ھیں سو آپ کرے ھیں ھم کو عبث بدنام کیا

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اُس کے اور گئے ' پر سجدہ ہر ہر گام کیا
یاں کے سفید و سیہہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا
ساعد سمیں دونوں اس کے ہاتھ میں لاکر چھوڑ دئے
بھولے اس کے قول و قسم پر ہائے خیال خام کیا
میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو؟ اُن نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

وعدہ تو کیا اُس نے دم صبح کا لیکن
اس دم کے تئیں مجھ میں اگر جان رہے گا
چمکتے رہیں گے دشت محبت میں سر و تیغ
محشر تئیں خالی نہ یہ میدان رہے گا

تا گور کے اوپر وہ گل اندام نہ آیا
ہم خاک کے آسودوں کو آرام نہ آیا
بےہوش مئے عشق ہوں ' کیا میرا بھروسا
آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا
نے خون ہو آنکھوں سے بہا ٹک نہ ہوا داغ
اپنا تو یہ دل " میر " کسو کام نہ آیا

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اِس آشفتہ سری کا

آفاق کي منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفري کا

لے سانس بھي آهستہ کہ نارک هے بہت کام
آفاق کی اس کارگہہ شیشہ گري کا

تک "میر" جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا هے چراغ سحري کا

منھہ تکاهی کرے هے جس تس کا — حیرتی هے یہ آئینہ کس کا ؟
شام سے کچھہ بجھا سا رهتا هے — دل هوا هے چراغ مفلس کا
داغ آنکھوں سے کھل رهے هیں سب — هاتھہ دستہ هوا هے نرگس کا
فیض ، اے ابر ! چشم ترسے اُٹھا — آج دامن وسیع هے اِس کا
تاب کس کو جو حال "میر" سنے — حال هي اور کچھہ هے مجلس کا

اولجھاؤ پڑگیا جو همیں اس کے عشق میں
دل سا عزیز ، جان کا جنجال هوگیا

لیتے هي نام اس کا سوتے سے چونک اٹھے هو
هے خیر "میر" صاحب کچھہ تم نے خواب دیکھا

دل بهم پہونچا بدن میں تب سے سارا تن جلا
آپڑي ایسي یہ چنگاري کہ پیراهن جلا

جب جنوں سے ہمیں توسل تھا اپني زنجیر پاهي کا غل تھا
بستراتھا چمن میں جوں بلبل نالۂ سرمایۂ توکل تھا
اُن نے پہچان کر ہمیں مارا منھ نہ کرنا ادھر تجاهل تھا
اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار یاد ایام ، جب تحمل تھا

اک چشم منتظر ہے کہ دیکھے ہے کب سے راہ
جوں زخم تیرے دور میں ناسور ہوگیا
شاید کسو کے دل کو لگي اُس گلی میں چوٹ
میري بغل میں شیشۂ دل چور ہوگیا

تھی عشق کی وہ ابتدا جو موج سي اٹھی کبھو
اب دیدۂ ترکو جو تم دیکھو تو ہے گرداب سا
رکھ ہاتھ دل پر ''میر'' کے دریافت کر کیا حال ہے ؟
رہتا ہے اکثر یہ جواں کچھ اِن دنوں بےتاب سا

مر رہتے جو گل بن تو سارا یہ خلل جاتا
نکلاهي نہ جی ورنہ کانٹا سا نکل جاتا
بن پوچھے کرم سے وہ جو بخش نہ دیتا تو
پرسش میں ہماري ہی دن حشر کا ڈھل جاتا

اس فریبندہ کو نہ سمجھے آہ ہم نے جانا کہ ہم سے یار ہوا

نالہ ہم خاکساروں کا آخر خاطر عرش کا غبار ہوا
وہ جو خنجر بہ کف نظر آیا ''میر'' سو جان سے نثار ہوا

مانند شمع مجلس، شب اشک‌بار پایا
القصہ ''میر'' کو ہم بے اختیار پایا
شہرِ دل ایک مدت، اُجڑا بسا غموں سے
آخر اجاڑ دینا اس کا قرار پایا
آہوں کے شعلے جس جا اُٹھتے تھے ''میر'' شب سے
واں جاکے صبح دیکھا، مشت غبار پایا

آخر کو مرگئے ہیں اس کی ہی جستجو میں
جی کے تئیں بھی کھویا لیکن اُسے نہ پایا
ہونا تھا مجلس‌آرا گر غیر کا تجھے، تو
مانند شمع مجھ کو کاہے کو تیں جلایا

دی آگ رنگ گُل نے واں اے صبا چمن کو
یاں ہم جلے قفس میں سن حال آشیاں کا
کم فرصتی جہاں کے مجمع کی کچھ نہ پوچھو
احوال کیا کہوں میں اس مجلس رواں کا
یا روئے یا رُلایا، اپنی تو یوں ہی گذری
کیا ذکر، ہم صفیراں! یاران شادماں کا

کیا طرح ہے آشنا کاہے ، کبھے نا آشنا
یا تو بیگانہ ہي رہئے ہوجئے یا آشنا
کون سے یہ بحر خوبی کي پریشاں زلف ہے
آتی ہے آنکھوں میں میري موج دریا آشنا

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا
خراب رہتے تھے مسجد کے آگے مے‌خانے
نگاہ مست نے ساقی کی انتقام لیا
مرے سلیقے سے میري نبھی تھی قسمت میں
تمام عمر ، میں ناکامیوں سے کام لیا

سیر کے قابل ہے دل صدپارہ اس نخچیر کا
جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوست پیکاں تیر کا

بوئے خوں سے جي رکا جاتا ہے اے باد بہار
ہوگیا ہے چاک ، دل شاید کسي دل‌گیر کا
بس طبیب اُٹھ جا ! مری بالیں سے مت دے درد سر
کام جاں آخر ہوا ، اب فائدہ تدبیر کا
کس طرح سے مانئے یارو کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے تک چھرا تو دیکھو " میر " کا

شب درد و غم سے عرصہ مرے جي پہ تنگ تھا
آیا شب فراق تھي یا روز جنگ تھا
کثرت میں درد و غم کے نہ نکلي کوئي طپش
کوچہ جگر کے زخم کا شاید کہ تنگ تھا
لایا مرے مزار پہ اس کو یہ جذب عشق
جس بے وفا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا
دل سے مرے لگا نہ ترا دل هزار حیف
یہ شیشہ ایک عمر سے مشتاق سنگ تھا
مت کر عجب جو "میر" ترے غم میں مرگیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھي ڈھنگ تھا ؟

دل میں بھرا زبسکہ خیال شراب تھا
مانند آئینے کے مرے گھر میں آب تھا
دل جو نہ تھا تو رات ' زخود رفتگی میں "میر"
گہہ انتظار ' گاہ مجھے اضطراب تھا

کچھ نہیں سوجھتا همیں ' اس بن
شوق نے هم کو بے حواس کیا
عشق میں هم هوئے نہ دیوانے
قیس کی آبرو کا پاس کیا
صبح تک شمع سر کو دھنتي رهي
کیا پتنگے نے التماس کیا

مسفت آبروئے زاھد علامہ لے گیا
اک مغ بچہ، اتار کے عمامہ لے گیا
داغ فراق و حسرت وصل، آرزوے شوق
میں ساتھ زیر خاک بھي ھنگامہ لے گیا

— —

اے تو کہ یہاں سے عاقبت‌کار جاے گا
غافل نہ رہ کہ قافلہ اک بار جائے گا
چھوٹا جو میں قفس سے تو سب نے کہا مجھے
بےچارہ، کیونکہ تا سر دیوار جائے گا
تدبیر میرے عشق کي، کیا فائدہ؟ طبیب!
اب جان ھی کے ساتھ یہ آزار جائے گا
انے میں اس کے حال ھوا جائے ھے بغیر
کیا حال ھوگا پاس سے جب یار جائے گا
دیگی نہ چین، لذت زخم اس شکار کو
جو کھا کے تیرے ھاتھ سے تلوار جائے گا

—

کیا کہوں کیسا ستم، غفلت سے مجھ پر ھو گیا
قافلہ جاتا رھا میں صبح ھوتے سو گیا
مدعا جو ھے سو وہ پایا نہیں جاتا کہیں
ایک عالم جستجو میں جي کو اپنے کھو گیا
بےکسی مدت تلک برساکي اپني گور پر
جو ھماری خاک پر سے ھو کے گذرا، رو گیا

—

مت ہو دشمن اے فلک ! اس پائمال راہ کا
خاک افتادہ ہوں میں بھي اک فقیراللہ کا
جو سنا ہشیار' اس مےخانے میں تھا بےخبر
شوق ہی باقی رہا ہمکو دل آ گاہ کا
شیخ مت کر ذکر ہر ساعت قیامت کا کہ ہے
عرصۂ محشر نمونہ اس کی بازي گاہ کا

آزار نہ دے اپنے کانوں کے تئیں اے گل
آغاز' مرے غم کا انجام نہیں رکھتا
نا کامئی صد حسرت' خوش لگتی نہیں ورنہ
اب جي سے گذر جانا کچھ کام نہیں رکھتا

تو وہ متاع ہے کہ پڑي جس کي تجھ پہ آنکھ
وہ جي کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا

آگے اے نالہ ہے خدا کا ناؤں — بس تو نہ آسمان سے نکلا
نامرادی کی رسم "میر" سے ہے — طور یہ' اس جوان سے نکلا

گرمي سے میں تو آتش غم کي پگھل گیا
راتوں کو روتے روتے ہی جوں شمع گل گیا
ہم خستہ دل ہیں تجھ، سے بھي نازک مزاج تر
تیوری چڑھائي تونے کہ یاں جي نکل گیا

۱۱

گرمئی عشق مانع نشوونما ہوئی
میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جل گیا
مستی میں چھوڑ دیر کو، کعبہ چلا تھا میں
لغزش بڑی ہوئی تھی و لیکن سنبھل گیا

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا لہو آتا ہے جب نہیں آتا
ہوش جاتا نہیں رہا لیکن جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
دور بیٹھا غبار "میر" اس سے عشق بن یہ ادب نہیں آتا

میرا جی تو آنکھوں میں آیا یہ سنتے
کہ دیدار بھی ایک دن عام ہو گا

رہ طلب میں گرے ہوتے سر کے بھل ہم بھی
شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا
بتاں کی "میر" ستم وہ نگاہ ہے جس نے
خدا کے واسطے بھی خلق کا وبال لیا

قدر رکھتی نہیں متاع دل
سارے عالم میں، میں دکھا لایا
دل کہ اک قطرہ خوں نہیں ہے بیش
ایک عالم کے سر بلا لایا

دل مجھے اس گلی میں لیجا کر
اور بھی خاک میں ملا لایا
سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں، اٹھا لایا
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار
عشق کی کون انتہا لایا
اب تو جاتے ہیں بت‌کدے سے "میر"
پھر ملیں گے، اگر خدا لایا

تڑپ کے خرمن گل پر کبھی گرائے بجلی!
جلانا کیا ہے مرے آشیاں کے خاروں کا
ہزار رنگ کھلے گل چمن کے ہیں شاید
کہ روزگار کے سر خون ہے ہزاروں کا
تڑپ کے مرنے سے دل کے کہ مغفرت ہو اسے
جہاں میں کچھ تو رہا نام بے قراروں کا
تری ہی زلف کو محشر میں ہم دکھا دیں گے
جو کوئی مانگے گا نامہ سیاہ کاروں کا

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن اٹھا کے چل
ہوگا کمیں میں ہاتھ کسو داد خواہ کا

دل سے شوق رخ نکو نہ گیا
تاکنا جھانکنا کبھو نہ گیا

هر قدم پر تھي اس کی منزل لیک
سر سے سودائے جستجو نہ گیا

سب گئے هوش و صبر و تاب و تواں
لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

گل و بلبل بہار میں دیکھا ایک تجھ کو هزار میں دیکھا
جل گیا دل سفید هیں آنکھیں یہ تو کچھ انتظار میں دیکھا
جن بلاؤں کو ''میر'' سنتے تھے اُن کو اس روزگار میں دیکھا

مہر کي تجھ سے توقع تھی ستم گر نکلا
موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا

اشک تر' قطرۂ خوں' لخت جگر' پارۂ دل
ایک سے ایک عدو آنکھ سے بہتر نکلا

داغ هوں رشک محبت سے کہ اتنا بے تاب
کس کی تسکیں کے لیئے گھر سے تو باهر نکلا

دل کي آبادي کی اس حد هے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا هے کہ اس راہ سے لشکر نکلا

همنے جانا تھا لکھے گا تو کوئي حرف اے ''میر''
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

هم وہ رواں راہ فنا هیں بہ رنگ عمر
جاویں گے ایسے' کھوج بھي پایا نہ جائے گا

پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل
تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
اپنے شہید ناز سے بس ہاتھ اٹھا کہ پھر
دیوان حشر میں اسے لایا نہ جائے گا
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک
پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا
یاد اس کی اتنی خوب نہیں "میر" باز آ
نادان، پھر وہ دل سے بھلایا نہ جائے گا

دھوکھا ہے تمام بحر دنیا دیکھے گا کہ ہونٹھ تر نہ ہوگا
آئی جو شکست آئنے پر روے دل یار ادھر نہ ہوگا
پھر نوحہ گری کہاں جہاں میں ماتم زدہ "میر" اگر نہ ہوگا

کیا کیا دعائیں مانگی ہیں خلوت میں شیخ یوں
ظاہر جہاں سے ہاتھ اٹھایا تو کیا ہوا
وہ فکر کر کہ چاک جگر پاوے التیام
ناصح جو تو نے جامہ سلایا تو کیا ہوا
جیتے تو ان نے "میر" مجھے داغ ہی رکھا
پھر گور پر چراغ جلایا تو کیا ہوا

دل جو تھا اک آبلہ، پھوٹا، گیا
رات کو سینہ بہت کوٹا گیا

میں نہ کہتا تھا کہ منھ کر دل کی اور
اب کہاں وہ آئینہ، ٹوٹا گیا
دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر، سو مرتبہ لوٹا گیا

صد نشتر مژگاں کے لگنے سے نہ نکلا خوں
آگے تجھے "میر" ایسا سودا نہ ہوا ہو گا

عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا
اس جنس کا یاں ہم نے خریدار نہ پایا
آئینہ بھی حیرت سے محبت میں ہوے ہم
پر سیر ہو اُس شخص کا دیدار نہ پایا

چشم خوں بستہ سے کل رات، لہو پھر ٹپکا
ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا

دل سے آنکھوں میں لہو آتا تھا شاید رات کو
کشمکش میں بےقراری کے یہ پھوڑا چھل گیا
رشک کی جاگہ ہے مرگ اس کشتۂ حسرت کی "میر"
نعش کے ہمراہ جس کی گور تک قاتل گیا

یہ توہم کا کارخانہ ہے
یاں وہي ہے جو اعتبار کیا
سخت کافر تھا جن نے پہلے ''میر''
مذہب عشق اختیار کیا

دکھ اب فراق کا، ہم سے سہا نہیں جاتا
پھر اس پہ ظلم یہ ہے کچھ، کہا نہیں جاتا
ستم کچھ آج گلي میں تری نہیں مجھ پر
کب آ کے خون میں، میں یاں نہا نہیں جاتا
خراب مجھ کو کیا اضطراب دل نے ''میر''
کہ تک بھی اس کلے اس بن رہا نہیں جاتا

سمجھے تھے ہم تو ''میر'' کہ ناسور کم ہوا
پھر ان دنوں میں، دیدۂ خوں‌بار نم ہوا
آئے بہ رنگ، ابر عرق‌ناک تم اِدھر
حیران ہوں کہ آج کدھر کو کرم ہوا
کافر! ہمارے دل کي نہ پوچھ اپنے عشق میں
بیت‌الحرام تھا سو وہ بیت‌الصنم ہوا

دل و دماغ ہے اب کس کو زندگاني کا
جو کوئي دم ہے تو افسوس ہے جواني کا
ہزار جان سے قربان بے پری کے ہیں
خیال بھي کبھو گذرا نہ پر فشاني کا

نمود کر کے وهیں بحر غم میں بیٹھ گیا

کہے تو "مہر" بھی اک بلبلا تھا پانی کا

موا میں سجدے میں پر نقش میرا بار رها

اُس آستاں پہ مري خاک سے غبار رها

کبھی نہ آنکھوں میں آیا وہ شوخ خواب کي طرح

تمام عمر همیں اس کا انتظار رها

بتوں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا

وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رها

جیتے جی کوچۂ دل دار سے جایا نہ گیا

اُس کے دیوار کا سر سے مرے سایا نہ گیا

خاک تک کوچۂ دل دار کي چھانی هم نے

جستجو کي پہ دل گم شدہ پایا نہ گیا

مہ نے آ سامنے' شب ' یاد دلایا تھا اسے

پھر وہ تا صبح مرے جی سے بھلایا نہ گیا

وہ تو کل دیر تلک دیکھتا ایدھر کو رها

هم سے هی حال تبہ اپنا دکھایا نہ گیا

زیر شمشیر ستم "میر" تڑپنا کیسا

سر بھی تسلیم محبت میں هلایا نہ گیا

دل کے تئیں آتش هجراں سے بچایا نہ گیا

گھر جلا سامنے پر هم سے بجھایا نہ گیا

میں تو تھا صید زبوں صید گہ عشق کے بیچ
آپ کو خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا
شہر دل آہ عجب جائے تھی پر اس کے گئے
ایسا اُجڑا کہ کسي طرح بسایا نہ گیا

خوف آشوب سے غوغائے قیامت کے لئے
خون خوابیدۂ عشاق جگایا نہ گیا
''میر'' مت عذر گریباں کے پھٹتے رھنے کا کر
زخم دل چاک جگر تھا کہ سلایا نہ گیا

گریباں سے رھا کو نہ تو پھر ھے
ھمارے ھاتھ میں دامن ھمارا
ھوا رونے سے راز دوستي فاش
ھمارا گریہ تھا دشمن ھمارا
بہت چاھا تھا ابر تر نے لیکن
نہ منت کش ھوا گلشن ھمارا
چمن میں ھم بھی زنجیري رھے ھیں
سنا ھو گا کبھي شیون ھمارا

گلیوں میں اس کي، اب تک مذکور ھے ھمارا
افسانۂ محبت مشہور ھے ھمارا
بے طاقتي کریں تو تم بھی معاف رکھیو
کیا کیجئے کہ دل بھی مجبور ھے ھمارا

ہیں مشت خاک لیکن جو کچھ ہیں "میر" ہم ہیں
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا

سحر گہہ عید میں دور سبو تھا
پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا
غلط تھا آپ سے غافل گذرنا
نہ سمجھے ہم کہ اس قالب میں تو تھا
چمن کی وضع نے ہم کو کیا داغ
کہ ہر غنچہ دل پر آرزو تھا
گل و آئینہ کیا خورشیدومہ کیا
جدھر دیکھا تدھر تیراھی رو تھا
نہ دیکھا "میر" آوارہ کو لیکن
غبار اِک ناتواں سا کوبہ کو تھا

راہ دور عشق میں روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا
قافلے میں صبح کے اِک شور ہے
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سر زمیں
تخم خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا
یہ نشان عشق ہیں جاتے نہیں
داغ چھاتی کی عبث دھوتا ہے کیا

غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز
"میر" اس کو رائیگاں کھوتا ہے کیا

آنکھوں نے راز داری محبت کی خوب کی
آنسو جو آتے آتے رہے تو لہو بہا

بے کسانہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا
ایک دل غم‌خوار رکھتے تھے سو گلشن میں رہا
شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یار سے
رشتۂ الفت تمامی عمر گردن میں رہا
ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیرو حرم کی راہ چل
اب یہ دعویٰ، حشر تک شیخ و برہمن میں رہا

کچھ نہ دیکھا پھر بجز اک شعلۂ پر پیچ و تاب
شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا

وصل و ہجراں، یہ جو دو منزل ہیں راہ عشق کی
دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا
دل نے سر کھینچا دیار عشق میں اے بوالہوس
وہ سراپا آرزو آخر جواں مارا گیا
کب نیاز عشق، ناز حسن سے کھینچے ہے ہاتھ
آخر آخر "میر" سربرآستاں، مارا گیا

اُٹھتے پلکوں کے گرے پڑتے ہیں لاکھوں آنسو
ڈول ڈالا ہے مری آنکھوں نے اب طوفاں کا
لہو لگتا ہے ٹپکنے جو پلک مارو ں ہوں
اب تو یہ رنگ ہے اس دیدۂ اشک افشاں کا

جوں برگ ہائے لالہ پریشان ہوگیا
مذکور کیا ہے اب جگر لخت لخت کا

اک وہم سی رہی ہے ' اپنی نمود ' تن میں
آتی ہو اب تو آؤ پھر ہم میں کیا رہے گا

تفحص فائدہ ناصح ! تدارک تجھ سے کیا ہوگا
وہی پاوے گا میرا درد ' دل جس کا لگا ہوگا

محروم سجدہ آخر جانا پڑا جہاں سے
جوش حیا سے ہم نے وہ آستاں نہ پایا

یہ عیش گہ نہیں ہے یاں رنگ اور کچھ ہے
ہر گل ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا
وہ پہلی التفاتیں ' ساری فریب نکلیں
دینا نہ تھا دل اس کو میں " میر " آپ چوکا

سرسے سے باندھا ہے کفن عشق میں تیرے، یعنی
جمع ہم نے بھی کیا ہے سروساماں یک جا

بسان شمع جو مجلس سے ہم گئے تو گئے
سراغ کیجو نہ پھر تو نشان پانے کا
سراہا ان نے ترا ہاتھ، جن نے دیکھا زخم
شہید ہوں میں تری تیغ کے لگانے کا
شریف مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ
یہ "میر" اب جو گدا ہے شراب خانے کا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دل کے جانے کا نہایت غم رہا
دل نہ پہونچا گوشۂ داماں تلک
قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا
میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا
صبح پیری شام ہونے آئی "میر"
تو نہ چیتا یاں بہت دن کم رہا

چوری میں دل کے وہ ہنر کر گیا
دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر کر گیا

مجلس آفاق میں پروانہ ساں
''میر'' بھی شام اپنی سحر کر گیا

آیا جو واقعي میں در پیش عالم مرگ
یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا
کس کی نگہہ کی گردش تھی ''میر'' روبہ مسجد
محراب میں سے زاہد مست و خراب نکلا

ایسے بت بے مہر سے ملتا بھي ہے کوئي
دل ''میر'' کو بھاری تھا جو پتھر سے لگایا

دل جو زیر غبار اکثر تھا
کچھ مزاج ان دنوں مکدر تھا
سر سري تم جہاں سے گذرے
ورنہ ہرجا جہان دیگر تھا
دل کي کچھ قدر کرتے رہیو تم
یہ ہمارا بھی ناز پرور تھا
بار سجدہ ادا کیا تہ تیغ
کب سے یہ بوجھ میرے سر پر تھا

تیرا رخ مخطط ' قرآن ہے ہمارا
بوسہ بھي لیں تو کیا ہے ایمان ہمارا

گر ہے یہ بےقراری تو رہ چکا بغل میں
دو روز دل ہمارا مہمان ہے ہمارا
ماہیت دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے
اک قطرہ خوں یہ دل کا طوفان ہے ہمارا

——

آدم خاکی سے عالم کو جلا ہے ورنہ
یوسف مصر زلیخا کا خریدار نہ تھا
رات ' حیران ہوں کچھ چپ ہي مجھے لگ گئي "میر"
درد پنہاں تھے بہت ' پر لب اِظہار نہ تھا

——

بے طاقتی سکوں نہیں رکھتي ہے ہم نشیں
رونے نے ہر گھڑي کے مجھے تو ڈبو دیا
پوچھا جو میں نے درد محبت کو "میر" سے
رکھ ہاتھ ان نے دل پہ تک اک اپنے رو دیا

——

داغ اور سینے میں کچھ بگڑي ہے ' عشق ' دیکھیں
دل کو جگر کو کس کو اب درمیان دے گا
گھر چشم کا ڈبو مت دل کی گئے پہ رو رو
کیا "میر" ہاتھ سے تو یہ بھي مکان دے گا

——

کل ' چمن میں گل و سمن دیکھا
آج دیکھا تو باغ بن دیکھا

ایک چشمک ' دو صد سنان مژہ
اس نکیلے کا بانکپن دیکھا
کیا ھے گلشن میں جو قفس میں نہیں
عاشقوں کو جلا وطن دیکھا
حسرت اس کی جگھہ تھی خوابیدہ
"میر" کا کھول کر کفن دیکھا

جہاں کوفتنے سے خالی کبھو نہیں پایا
ھمارے وقت میں تو آفت زمانہ ھوا
خلش نہیں کسو خواھش کی رات سے شاید
سر شک یاس کے پردے میں دل روانہ ھوا
کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کے "میر"
سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ھوا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ھوا
بے چارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا
مت پوچھہ کس طرح سے کٹی رات ھجر کی
ھر نالہ مری جان کو تیغ کشیدہ تھا
دل بے قرار گریۂ خو نیں تھا رات "میر"
آیا نظر تو بسمل در خوں طپیدہ تھا

دل بے رحم گیا شیخ لئے زیر زمیں
مر گیا پر یہ کہن گبر مسلماں نہ ھوا

شکر صد شکر کہ میں ذلت و خواري کے سبب
کسي عنوان سے هم چشم عزیزاں نہ هوا

سنگ مجھے بہ جاں قبول اس کي عوض هزار بار
تابہ‌کجا یہ اضطراب دل نہ هوا ستم هوا

کس کی هوا، کہاں کا گل، هم تو قفس میں هیں اسیر
سیر چمن کی روز و شب تجھ کو مبارک اے صبا

دامن میں آج دیکھا پھر لخت میں لے آیا
ٹکڑا کوئی جگر کا پلکوں میں رہ گیا تھا

روتي هے شمع اتنا هر شب کہ کچھ نہ پوچھو
میں سوز دل کو اپنے مجلس میں کیوں کہا تھا

قطعہ

سر مار کر هوا تھا میں خاک اس گلی میں
سینے پہ مجھ کو اس کا مذکور نقش پا تھا
سو بخت تیرہ سے هوں پا مالئی صبا میں
اس دن کے واسطے میں کیا خاک میں ملا تھا

کہاں آتے میسر تجھ سے مجھ کو خود نما اتنے
هوا یوں اتفاق آئینہ تیرے رو به رو توٹا

وہ بےکس کیا کرے، کہہ تو رہے دل هي کي دل هي میں
نپٹ بے جا ترا دل ''میر'' سے اے آرزو! توٹا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخري دیدار دیکھنا

کیسا چمن که هم سے اسیروں کو منع ہے
چاک قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا

صیاد! دل اهے داغ جدائی سے رشک باغ
تجھہ کو بھي هو نصیب، یه گلزار دیکھنا

گرزمزمه یهي هے کوئي دن، تو هم صفیر
اس فصل هي میں هم کو گرفتار دیکھنا

آنکھیں چرائیو نه تک ابر بہار سے
میری طرف بھي دیدۂ خوں‌بار دیکھنا

قدم تک دیکھہ کر رکھہ ''میر'' سر دل سے نکالے گا
پلک سے شوخ تر کانٹا هے صحرائے محبت کا

میں وہ رونے والا جہاں سے چلا هوں
جسے ابر هر سال روتا رہے گا

تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
همیں کچھہ کہے گا تو هوتا رہے گا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منھ کو دھوتا رہے گا
بس اے ''میر'' مژگاں سے پوچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پرو تا رہے گا

گئي تسبیح اس کی نزع میں کب '' میر '' کے دل سے
اُسي کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا
اب جس جگہہ کہ داغ ہے یاں آگے درد تھا
مانند حرف صفحۂ ہستي سے اٹھ گیا
دل بھی مرا جریدہ عالم میں فرد تھا
تھا پشتہ ریگ باد یہ اک وقت کا رواں
یہ گرد باد کوئي بیاباں نورد تھا
دل کي شکستگی نے ڈرائے رکھا ہمیں
واں چیں جبیں پہ آئي کہ یاں رنگ زرد تھا
اک گرد راہ تھا پئے محمل تمام راہ
کس کا غبار تھا کہ یہ دنبالہ گرد تھا
عاشق ہیں ہم تو ''میر'' کے بھي ضبط عشق کے
دل جل گیا تھا اور نفس لب سرد تھا

مغاں! مجھ مست بن ' پھر خندۂ ساغر نہ ہووے گا
مئے گل‌گوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

کوئي رهتا هے جيتے جي ترے کوچے کے آنے سے
تبهي آسودہ هو گا "میر" ساجب جی کو کهووے گا

گئے قیدي هو، هم‌آواز جب صیاد آتوتا
یه ویراں آشیانه دیکهنے کو ایک میں چهوتا

یاں بلبل اور گل پہ تو عبرت سے آنکھ کھول
گل گشت سرسري نهيں اس گلستان کا
گل ، یاد گارچہرۂ خوبانِ بے خبر
مرغ چمن ، نشاں هے کسو خوش بیان کا

نقش بیٹھے هے کہاں خواهش آزادي کا
تنگ هے نام رهائی تیرے صیادي کا

تیرے کوچے کے رهنے والوں نے یهیں سے کعبے کو سلام کیا
عشق خوباں کو "میر" میں اپنا قبلہ و کعبہ و امام کیا

خوبی کو اس کے چهرے، کي کیا پهونچے آفتاب
هے اِس میں اُس میں فرق زمیں آسمان کا

تو برسوں میں کہے ہے ملوں گا میں "میر" سے
یاں کچھ کا کچھ ہے حال ابھی اس جوان کا

عطر آگیں ہے باد صبح مگر کھل گیا پیچ زلف خوش بو

کل شام سے اٹھا تھا مرے دل میں درد سا
سو ہو چلا ہوں بیشتر از صبح سرد سا
قصد طریق عشق کیا سب نے بعد قیس
لیکن ہوا نہ ایک بھی اس رہ نورد سا
کیا "میر" ہے یہی جو ترے در پہ تھا کھڑا
غم ناک چشم و خشک لب و رنگ زرد سا

ترے عشق میں، آگے سودا ہوا تھا
پر اتنا بھی ظالم نہ رسوا ہوا تھا
خزاں التفات اس پہ کرتی بجا تھی
یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا
زہے طالع اے "میر" ان نے یہ پوچھا
کہاں تھا تو اب تک، تجھے کیا ہوا تھا

ترے کوچے میں مری خاک بھی پامال ہوئی
تھا وہ بے درد مجھے جن نے وفا کو سونپا

اب تو جاتا ھي ھے کعبے کو تو بت خانے سے
جلد پھر پہونچیو اے "مہر" خدا کو سونپا

گلہ نہیں ھے ھمیں اپني جاں گدازي کا
جگر پہ زخم ھے اس کي زباں درازي کا
خدا کو کام تو سونپے ھیں میں نے سب لیکن
رھے ھے خوف مجھے واں کی بے نیازي کا
کسو کي بات نے آگے مرے نہ پایا رنگ
دلوں میں نقش ھے میرے ھی رنگ سازي کا
بسان خاک ھو پامال راہ خلق اے "میر"
رکھے ھے دل میں اگر قصد سرفرازي کا

سینہ دشنوں سے چاک تا نہ ھوا
دل جو عقدہ تھا سخت وا نہ ھوا
سب گئے ھوش و صبر و تاب و تواں
دل سے اِک داغ ھی جدا نہ ھوا
ھم تو نا کام ھی جھاں میں رھے
یاں کبھو اپنا مدعا نہ ھوا
"میر" افسوس وہ کہ جو کوئی
اس کے دروازے کا گدا نہ ھوا

آہ سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا
اس باد نے ھمیں تو دیا سا بجھا دیا

تھی لاگ اس کی تیغ کو ہم سے سو عشق نے
دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا

آوارگان عشق کا پوچھا جو میں نشاں
مشت غبار لے کے صبا نے اڑا دیا

ہم نے تو سادگی سے کیا جی کا بھی زیاں
دل جو دیا تھا سو تو دیا سر جدا دیا

کیا کچھ نہ تھا ازل میں جو طالع تھے نادرست
ہم کو دل شکستہ، قضا نے دلا دیا

تکلیف درد دل کی عبث ہم نشیں نے کی
درد سخن نے "میر" سبھوں کو رلا دیا

ہر ذی حیات کا تو سبب ہے حیات کا
نکلے ہے جی ہی اس کے لیے کائنات کا

اُس کے فروغ حسن سے چمکے ہے سب میں نور
شمع حرم ہو یا کہ دیا سومنات کا

ہم مذہبوں میں صرف کرم سے ہے گفتگو
مذکور، ذکر یاں نہیں صوم و صلوات کا

کیا "میر" تجھ کو نامۂ سیاہی کی فکر ہے
ختم رسل سا شخص ہے ضامن نجات کا

جلوہ نہیں ہے نظم میں حسن قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعت رسول کا

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا
کب بندگی میری سی بندہ کرے گا کوئی
جانے ہے خدا اس کو میں تجھ کو خدا جانا
اس شوخ کی مجلس میں ' جانا ہمیں ' پھروان سے
اک زخم زباں تازہ ' ہر روز اٹھا جانا

پائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا
دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا
پھر پھر گیا ہے آکر منھ تک جگر ہمارے
گذرے ہیں جان و دل پر یاں اضطراب کیا کیا

دامن وسیع تھا تو کاھے کو چشم ترسا
رحمت خدا کی تجھ کو ' اے ابر زور برسا
وحشی مزاج از بس مایوس بادیہ ہیں
ان کے جنوں میں جنگل اپنا ہوا ہے گھر سا
انداز سے ہے پیدا سب کچھ خبر ہے اس کو
گو " میر " بے سروپا ظاہر ہے بے خبر سا

تیغ ستم سے اس کے مرا سر جدا ہوا
شکر خدا کہ حق محبت ادا ہوا
قاصد کو دے کے خط نہیں کچھ بھیجنا ضرور
جاتا ہے اب تو جی ہی ہمارا چلا ہوا

وہ تو نہیں کہ اشک تھمے ہی نہ آنکھ سے
نکلے ہے کوئی لخت دل اب سو چلا ہوا
بدتر ہے زیست مرگ سے ہجران یار میں
بیمار دل بھلا نہ ہوا تو بھلا ہوا
اس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھئے
جیسے کسو کا کوئی نگر ہو لٹا ہوا

تم نے ہمیشہ جور و ستم بے سبب کیے
اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب ہے کیا

اب بھی دماغ رفتہ ہمارا ہے عرش پر
گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا
تقصیر جان دینے میں ہم نے کبھو نہ کی
جب تیغ وہ بلند ہوئی سر جھکا دیا
کیا کیا زیان ''میر'' نے کھینچے ہیں عشق میں
دل ہاتھ سے دیا ہے جدا، سر جدا دیا

بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا
جیتا رہا ہے کوئی بھی بیمار عشق کا
زندانی سیکڑوں مرے آگے رہا ہوئے
چھوٹا نہ میں ہی، تھا جو گنہ گار عشق کا

منصور نے جو سر کو کٹایا تو کیا ہوا
ہر سر کہیں ہوا ہے سزاوار عشق کا

ستم سے گو ترے یہ کشتۂ وفا نہ رہا
رہے جہان میں تو، دیر میں رہا نہ رہا
موئے تو ہم، پہ دلِ پر کو خوب خالی کر
ہزار شکر کسو سے ہمیں گلا نہ رہا
ادھر کھلی مری چھاتی ادھر نمک چھڑ کا
جراحت اس کو دکھانے کا اب مزا نہ رہا
حمیت اِس کے تئیں کہتے ہیں جو ''میر'' میں تھی
گیا جہاں سے یہ تیری گلی میں آنہ رہا

کرتے ہی نہیں ترک، بتاں طور جفا کا
شاید ہمیں دکھلائیں گے دیدار خدا کا
آنکھ اس کی نہیں آئینے کے سامنے ہوتی
حیرت زدہ ہوں یار کی میں شرم و حیا کا

رہتا ہے ہڈیوں سے مری جو ہما لگا
کچھ درد عاشقی کا اسے بھی مزا لگا

آنکھ اس سے نہیں اٹھنے کی صاحب نظروں کی
جس خاک پہ ہوگا اثر اس کی کفِ پا کا

وقت تب تک تھا تو سجدہ مسجدوں میں کفر تھا
فائدہ اب ، جب کہ قد محراب سا خم ہوگیا
کیا کہوں کیا طرحیں بدلیں چاہ نے آخر کو "میر"
تھا گرہ جو درد چھاتی میں سو اب غم ہوگیا

پہونچے ہے کوئي اُس تن نازک کے لطف کو
گل ، گو چمن میں جامے سے اپنے نکل پڑا

شاید جگر گداختہ یک لخت ہوگیا
کچھ آب دیدہ رات سے خوں ناب سا ہوا
سمجھے تھے ہم تو "میر" کو عاشق اُسی گھڑي
جب سن کے تیرا نام وہ بے تاب سا ہوا

دیکھ آرسی کو یار ہوا محو ، ناز کا
خانہ خراب ہو جیو آئینہ ساز کا
ہم تو سمند ناز کے پامال ہو چکے
اس کو وھي ہے شوق ابھي ترک تاز کا
اس لطف سے نہ غنچہ نرگس کھلا کبھي
کھلنا تو دیکھ اس مژۂ نیم باز کا
کوتاہ تھا فسانہ جو مرجاتے ہم شتاب
جي پر وبال سب ہے یہ عمر دراز کا
ہے کیمیاگران محبت میں قدر خاک
پر و قر کچھ نہیں ہے دلِ بے گداز کا

مارا نہ اپنے ہاتھہ سے مجھہ کو ہزار حیف
کشتہ ہوں یار میں تو ترے امتیاز کا
ہلتی ہے یوں پلک کہ گڑي دل میں جائے ہے
انداز دیدنی ہے مرے دل نواز کا
پھر ''میر'' آج مسجد جامع کے تھے امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا

غم ابھي کیا محشر مشہور کا
شور سا ہے تو و لیکن دور کا
حق تو سبب کچھہ ہی ہے تو ناحق نہ بول
بات کہتے سر کٹا منصور کا
طرفہ آتش خیز سنگستاں ہے دل
مقتبس یاں سے ہے شعلہ طور کا
چشم بہنے سے کبھو رہتي نہیں
کچھہ علاج اے ''میر'' اس ناسور کا

نظر میں طور رکھہ اس کم نما کا
بھروسا کیا ہے عمر بے وفا کا
گلوں کے پیرہن ہیں چاک سارے
کھلا تھا کیا کہیں بند اُس قبا کا
پرستش اب اِسی بت کي ہے ہر سو
رہا ہوگا کوئي بندہ خدا کا

کہیں اس زلف سے کیا لگ چلی ہے
پڑے ہے پاؤں بےڈھب کچھ صبا کا

ہوئے آخر کو سارے کام ضایع نا شکیبی سے
کوئی دن اور تاب ہجر دل لاتا تو کیا ہوتا

میں غش کیا جو خط لے اُدھر نامہ بر چلا
یعنی کہ فرط شوق سے جی بھي ادھر چلا
یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رخ زرد پر مرے
کہتا ہے "میر" رنگ تو اب کچھ نکھر چلا

کیا لطف ہے جئے جو برے حال کوئي "میر"
جینے سے تونے ہاتھ اٹھایا بھلا کیا

اِس موج خیز دھر میں تو ہے حباب سا
آنکھیں کھلیں تري تو یہ عالم ہے خواب سا
اک آن اِس زمانے میں یہ دل نہ وا ہوا
کیا جانئے کہ "میر" زمانے کو کیا ہوا

از خویش رفتہ میں ھي نہیں اس کی راہ میں
آتا نہیں ہے پھر کے ادھر کا گیا ہوا

یوں پھر اٹھا نہ جائیگا اے ابر دشت سے
گر کوئي رونے بیٹھ گیا دل بھرا ہوا
دامن سے منھ چھپائے جنوں کب رہا چھپا
سوجا سے سامنے ہے گریباں پھٹا ہوا
دیکھا نہ ایک گل کو بھی چشمک زنی میں ہاے
جب کچھ رہا نہ باغ میں تب میں رہا ہوا

نہ صبر ہے، نہ ہوش ہے، نہ عقل ہے نہ دین
آتا ہے اُس کے پاس سے عاشق لٹا ہوا

نیمچہ ہاتھ میں، مستي سے لہو سي آنکھیں
سج تري دیکھ کے اے شوخ! حذر ہم نے کیا
کیا کیا ناخن سر تیز جگر دل دونوں
رات کے سینہ خراشی میں ہنر ہم نے کیا
جیسے حسرت لئے جاتا ہے جہاں سے کوئی
آہ یوں کوچۂ دلبر سے سفر ہم نے کیا

ہو خرابي اور آبادی کي عاقل کو تمیز
ہم دوانے ہیں ہمیں ویران کیا معمور کیا

شب میکدے سے وارد مسجد ہوا تھا میں
پر شکر ہے کہ صبح تئیں بے خبر رہا
رہتے تو تھے مکان پہ ولے آپ میں نہ تھے
اس بن ہمیں ہمیشہ وطن میں سفر رہا

اب چھیڑ یہ رکھی ھے کہ پوچھے ھے بار بار

کچھ وجھ بھی کہ آپ کا ملھ ھے اتر رھا

اکدم میں یہ عجب کہ مرے سر پہ پھر گیا

جو آب تیغ برسوں ترے تا کمر رھا

کاھے کو میں نے " میر " کو چھیڑا کہ اُن نے آج

یہ درد دل کہا کہ مجھے درد سر رھا

تک جوش سا اٹھا تھا مرے دل سے رات کو

دیکھا تو ایک پل ھي میں دریا سا ھوگیا

جلوہ ترا تھا جب تئیں باغ و بہار تھا

اب دل کو دیکھتے ھیں تو صحرا سا ھوگیا

کل تک تو ھم وے ھنستے چلے آئے تھے یہیں

مرنا بھي " میر " جي کا تماشا سا ھوگیا

عشق کی سوزش نے دل میں کچھہ نچھوڑا کیا کہیں

لگ اٹھي یہ آگ نا گاھے کہ گھر سب پھک گیا

ھم نہ کہتے تھے کہ غافل خاک ھو پیش از فنا

دیکھہ اب پیري میں قد تیرا کدھر کو جھک گیا

پھرتا ھے زندگي کے لیے آہ خوار کیا

اس وھم کي نمود کا ھے اعتبار کیا

سرکش کسو سے ایسي کدورت رکھے وہ شوخ

ھم اس کي خاک راہ ھیں ھم سے غبار کیا

غنچہ ہي وہ دہان ہے گویا ہونٹھ پر رنگ پان ہے گویا
مسجد ایسي بھری بھری کب ہے میکدہ اِک جہان ہے گویا
بسکہ ہیں اس غزل میں شعر بلند یہ زمیں آسمان ہے گویا
وھی شور مزاج شیب میں ہے "میر" اب تک جوان ہے گویا

تیشے سے کوھکن کے کیا طرفہ کام نکلا
اپنے تو ناخنوں میں اس طور کا ھنر تھا
ہوش اُڑ گئے سبھونکے شور سحر سے اس کے
مرغ چمن اگرچہ اِک مشت بال و پر تھا

تڑپے زیر تیغ ہم بے ڈول آہ
دامن پاک اس کا خوں میں بھر گیا

جی رک گئے اے ہمدم دل خون ہو بھر آیا
اب ضبط کریں کب تک منھہ تک تو جگر آیا
تھی چشم دم آخر وہ دیکھنے آوے گا
سو آنکھوں میں جی آیا پر وہ ' نہ نظر آیا
برخستہ ترا خواہاں اِک زخم دگر کا تھا
کی مشق ستم تونے پر خون نہ کر آیا
دوھی کے تئیں تکتے پتھرا گئیں آنکھیں تو
وہ ظالم سنگیں دل کب "میر" کے گھر آیا

یار ہے "میر" کا مگر گل سا
کہ سحر نالہ کش ہے بلبل سا
دود دل کو ہمارے تک دیکھو
یہ بھی پر پیچ‌اب ہے کاگل سا
اک نگہ، ایک چشمک، ایک سخن
اس میں بھی تم کو ہے تامل سا
ٹوٹی زنجیر پائے "میر" مگر
رات سنتے رہے ہیں ہم، غل سا

تمہارے ترکش مژگاں کی کیا کروں تعریف
جو تیر اُس سے چلا سو جگر کے پار ہوا
ہماری خاک پہ اک بے کسی برستی ہے
ادھر سے ابر جب آیا تب اشکبار ہوا

ایک دل کو ہزار داغ لگا — اندرونی میں جیسے باغ لگا
"میر" اس بے نشاں کو پایا جان — کچھ ہمارا اگر سراغ لگا

دست و پاگم کرنے سے میرے کھلے اسرار حق
دیکھ کر کھویا گیا سا مجھ کو ہر اک پا گیا
داغ محجوبی ہوں اس کا میں کہ میرے روبرو
عکس اپنا آرسي میں دیکھ کر شرما گیا
ہم بشر عاجز ثبات پا ہمارا کس قدر
دیکھ کر اس کو ملک سے بھی نہ یاں ٹھہرا گیا

کیا کروں ناچار ہوں مرنے کو اب تیار ہوں
دل کي روز و شب کی بے تابي سے جی گھبرا گیا

اک بار بھی آنکھ اپني اس پر نہ پڑی مرتے
سو مرتبہ بالیں سے ہم سر کو اُٹھا دیکھا
جي دیتے ہیں مرنے پر سب شہر محبت میں
کچھ ساري خدائی سے یہ طور نیا دیکھا

ناگہہ جو وہ صنم ستم ایجاد آ گیا
دیکھے سے طور اس کے ' خدا یاد آگیا
اپنا بھی قصد تھا سر دیوار باغ کا
توڑا هي تھا قفس کو کہ صیاد آگیا

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا
آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا
دیکھنے آئے دم نزع لئے منھ پہ نقاب
آخري وقت مرے ' منھ کا چھپانا کیا تھا

تھا جگر میں جب تلک قطرہ ھی تھا خوں کا سرشک
اب جو آنکھوں سے تجاوز کرچلا طوفاں ھوا
جی سے جانا بن گیا اُس بن ھمیں پل مارتے
کام تو مشکل نظر آتا تھا ' پر آساں ھوا

تم جو کل اس راہ نکلے برتن سے ھنستے گئے
ابر کو دیکھو کہ جب آیا ادھر گریاں ھوا
جب سے ناموس جنوں گردن بندھا ھے تب سے "میر"
حبیب جاں وابستۂ زنجیر تا داماں ھوا

مجنوں نے حوصلے سے دیوانگی نہیں کی
جاگہہ سے اپنی جانا اپنا نہیں وطیرا
غیرت سے "میر" صاحب سب جذب ھو گئے تھے
نکلا نہ بوند لوھو سینہ جواں کا چیرا

طالع پھرئے سپہر پھرا ' قلب پھر گئے
چندے وہ رشک ماہ جو ھم سے جدا پھرا
آنسو گرا نہ راز محبت کا پاس کر
میں جیسے ابر برسوں تئیں دل بھرا بھرا
بندہ ھے پھر کہاں کا جو صاحب ھو بے دماغ
اس سے خدائی پھرتی ھے جس سے خدا پھرا

جانا اس آرام گہہ سے ھے بعینہ بس یہی
جیسے سوتے سوتے ایدھر سے اُدھر پہلو کیا
کام میں قدرت کے کچھ بولا نہیں جاتا ھے ھائے
خوبرو اس کو کیا لیکن بہت بد خو کیا

پھول نرگس کا لئے بھوچک کھڑا تھا راہ میں
کس کي چشم پر فسوں نے "میر" کو جادو کیا

عاشق ترے لاکھوں ہوئے ' مجھ سا نہ پھر پیدا ہوا
تجھ پر کوئی اے کام جاں! دیکھا نہ یوں مرتا ہوا
مدت ہوئي اُلفت گئي ' برسوں ہوئے طاقت گئی
دل مضطرب ایسا نہ تھا کیا جانئے اب کیا ہوا
وے دن گئے جو ' یاں کبھو اُٹھتا تھا دل سے جوش سا
اب لگ گئے ' رونے جہاں پل مارتے دریا ہوا
مستي میں لغزش ہوگئي معذور رکھا چاھیے
اے اھل مسجد! اس طرف آیا ھوں میں بھکا ھوا
جوں حسن ہے اِک فتنہ گرتوں عشق بھی ہے پر دہ در
وہ شہرۂ عالم ھوا میں خلق میں رسوا ھوا

تمام روز ' جو کل میں پئے شراب پھرا
بسان جام لئے دیدۂ پرآب پھرا

وہ رشک گنج ھی نایاب تھا بہت ورنہ
خرابہ کون تھا جس میں نہ میں خراب پھرا
کہیں ٹھہرنے کي جایاں نہ دیکھي میں نے "میر"
چمن میں عالم امکاں کے جیسے آب پھرا

اُڑتي هے خاک یارب شام و سحر ، جہاں میں
کس کے غبار دل سے یہ خاک داں بنایا
اس صحن پر یہ وسعت ! اللہ رے تیري صنعت
معمار نے قضا کے دل کیا مکاں ، بنایا

کہتے نہ تھے کہ صاحب ! اتنا کڑھا نہ کرئے
اس غم نے " میر " تم کو جی سے ندان مارا

یہ " میر " ستم کشتہ کسو وقت جواں تھا
انداز سخن کا ، سببِ شور و فغاں تھا
واقف تھے هم احوال دل خستہ سے اپنے
وہ گنج اسی کنج خرابی میں نہاں تھا
کس مرتبہ تھی حسرت دیدار مرے ساتھ
جو پھول مری خاک سے نکلا ، نگراں تھا
مجنوں کو عبث دعویٔ وحشت هے مجھي سے
جس دن کہ جنوں مجھ کو هوا تھا وہ کہاں تھا

عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا هوتا
یا تن آدمي میں دل نہ بنایا هوتا
عزت اسلام کي کچھ رکھ لی خدا نے ورنہ
زلف نے تیري تو زنار بندھایا هوتا

دل سے خوش طرح مکاں پھر بھي کہیں بنتے ہیں
اس عمارت کو تک اک دیکھ کے ڈھایا ہوتا

کیا کہوں بےتابئی شب سے کہ ناچار اس بغیر
دل مرے سینے میں دودو ہاتھ اُچھل کر رہ گیا

طریق خوب ہے آپس میں آشنائي کا
نہ پیش آوے اگر مرحلہ جدائی کا
یہیں ہیں دیرو حرم اب تو یہ حقیقت ہے
دماغ کس کو ہے ہر در کی جبہ سائی کا
کسو پہاڑ میں جوں کوہ کن سر ' اب ماریں
خیال ہم کو بھي ہے بخت آزمائی کا
رکھا ہے باز ہمیں در بدر کے پھرنے سے
سروں پہ اپنے ہے احساں شکستہ پائي کا
ملا کہیں تو دکھا دیں گے عشق کا جنگل
بہت ہي خضر کو غرہ ہے رہنمائی کا

آنسو تو ڈر سے پي گئے لیکن وہ قطرہ آب
اک آگ تن بدن میں ہمارے لگا گیا

بے خودي لے گئي کہاں ہم کو ... دیر سے انتظار ہے اپنا
روتے پھرتے ہیں ساري ساري رات ... اب یہي روزگار ہے اپنا

دے کے دل ہم جو ہوگئے مجبور   اس میں کیا اختیار ہے اپنا

ہو گوشہ‌گیر ، شہرت مد نظر اگر ہے
عنقا کی طرح اپنا عزلت سے نام نکلا
کیوں کر نہ مر رہے جو بے تاب "میر" سا ہو
اک آدھ دن تو گھر سے دل تھام تھام نکلا

کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا
اب تو چپ بھی رہا نہیں جاتا
کب ترے رہ میں "میر" گرد آلود
لو ہو میں آ، نہا نہیں جاتا

کچھ عشق و ہوس میں فرق کرلے   کیدھر ہے وہ امتیاز تیرا
کہتے نہ تھے "میر" مت کڑھا کر   دل ہو نہ گیا گداز تیرا

نام اس کا سن کے آنسو گر ہی پڑے پلک سے
دل کا لگاؤ یارو چھپتا نہیں چھپایا
رہتی تھی بے دماغی اک شور ما ومن میں
آنکھوں کے مند گئے پر آرام سا تو پایا

ملہم تکا ہی کرے ہے جس تس کا
حیرتی ہے یہ آئنہ کس کا

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
داغ آنکھوں سے کھل رہے ہیں سب
ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا
فیض اے ابر! چشم تر سے اٹھا
آج دامن وسیع ہے اس کا
تاب کس کو جو حال "میر" سنے
حال ہی اور کچھ ہے مجلس کا

تحمل نہ تھا جس کو تک سو وہ میں
ستم کیسے کیسے اُٹھانے لگا

آنسو مری آنکھوں میں ہر دم جو نہ آ جاتا
تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا
صد شکر کہ داغ دل' افسردہ ہوا ورنہ
یہ شعلہ بھڑکتا تو گھر بار جلا جاتا
کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

جو کچھ نظر پڑی ہے حقیقت میں کچھ نہیں
عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہے خواب کا
شاید کہ قلب یار بھی تک اس طرف پھرے
میں منتظر زمانے کے ہوں انقلاب کا

رو، فرصت جواني په جوں ابر بے خبر
انداز برق کا سا هے عہد شباب کا
لایق تھا دیکھنے هي کے مصراع قدیار
میں معتقد هوں "میر"! ترے انتخاب کا

کیا کوئي زیر فلک اونچا کرے فرق غرور
ایک پتھر حادثے کا آ لگا سر پھر گیا
بعد مدت اس طرف لایا تھا اس کو جذب عشق
بخت کی برگشتگي سے آتے آتے پھر گیا
سخت هم کو "میر" کے مر جانے کا افسوس هے
تم نے دل پتھر کیا وہ جان سے آخر گیا

طاقت سے میرے دل کی خبر تجھ کو کیا نہ تھی
ظالم نگاہ چشم ادھر کي، غضب کیا

لڑگئیں آنکھیں اتھائی دل نے چوت
یہ تماشائي عبث گھائل هوا
ایک تھے، هم ویے نہ هوتے هست اگر
اپنا هونا بیچ میں حائل هوا
"میر" هم کس ذیل میں، دیکھ اُس کي آنکھ
هوش اهل قدس کا زائل هوا

کسوئی فقیر، یہ اے کاشکے دعا کرتا
کہ مجھ کو اس کی گلی کا خدا گدا کرتا
ترے مزاج میں تاب و تعب تھی " میر " کہاں
کسو سے عشق نہ کرتا تو تو بھلا کرتا

بندھا رات آنسو کا کچھ تار سا
ہوا ابر رحمت گنہگار سا
کوئی سادہ ہی اس کو سادہ کہے
لگے ہے ہمیں وہ تو عیار سا
محبت ہے یا کوئی جی کا ہے روگ
سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا
جو ایسا ہی تم ہم کو سمجھو ہو سہل
ہمیں بھی یہ جینا ہے دشوار سا
مگر آنکھ تیری بھی چپکے کہیں
ٹپکتا ہے چتون سے کچھ پیار سا
چمن ہوے جو انجمن تجھ سے واں
لگے آنکھ میں سب کی، گل خار سا
کھڑے منتظر ضعف جو آگیا
گرا اس کے در پر میں دیوار سا
دکھاؤں متاع وفا کب اُسے
لگاواں تو رہتا ہے بازار سا

وائے احوال اس جفاکش کا
عاشق اپنا جسے وہ جان گیا

داغ حرماں ہے خاک میں بھي ساتھ
جی گیا پر نہ یہ نشان گیا

پھونچایا مجھہ کو عجز نے مقصود دل کے تئیں
یعني کہ اس کے درھي پہ میں ناتواں گرا

آتے ھي آتے تیرے یہ ناکام ھو چکا
واں کام ھی رھا تجھے ' یاں کام ھو چکا
موسم گیا وہ ترک محبت کا ناصحا
میں اب تو خاص و عام میں بد نام ھو چکا
یا خط چلے ھی آتے تھے یا حرف ھي نہیں
شاید کہ سادگی کا وہ ھنگام ھو چکا
تڑپے ہے جب کہ سینے میں اُچھلے ہے دودو ھاتھ
گر دل یهي هے "میر" تو آرام ھو چکا

کی بلبل اورگل کی جو صحبت کي سیر "میر"
دل اپنا دلبروں کی طرف سے اُچٹ گیا

سینے میں شوق "میر" کے سب درد ھو گیا
دل پر رکھا تھا ھاتھ سو منھہ زرد ھو گیا

کیا تو ؟ نمود کس کی ؟ کیا ہے کمال تیرا
اے نقش وہم آیا کیدھر خیال تیرا
پہلا قدم ہے انساں ! پامال مرگ ہونا
کیا جانے رفتہ رفتہ کیا ہو مآل تیرا
تفصیل حال میری تھی باعث کدورت
سو جی کو خوش نہ آیا ہرگز ملال تیرا
کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں
کیا عشق میں ہوا ہے اے " میر " حال تیرا

——

خدا جانے ہمیں اس بے خودی نے کس طرف پھینکا
کہ مدت ہوگئی ہم کھنچتے ہیں انتظار اپنا
اگرچہ خاک اڑائی دیدۂ تر نے بیاباں کی
ولے نکلا نہ خاطر خواہ رونے سے غبار اپنا
دل بے تاب وبےطاقت سے کچھ چلتا نہیں ورنہ
کھڑا بھی واں نہ جاکر ہوں اگر ہو اختیار اپنا

——

" میر " بڑی دیر کے لوگوں ہی کی سی کہنے لگا
کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا

——

شکست دل عشق کی جان کیا
نظر پھیری تونے تو وہ مر گیا
بہت رفتہ رہتے ہو تم اس کے اب
مزاج آپ کا " میر " کیدھر گیا

——

کیا ہے جو راہ دل کی ، طے کرتے مر گئے ہم
جوں نقش پا ہمارا تا دیر اثر رہے گا

پند گو مشفق عبث میرا نصیحت گر ہوا
سختیاں جو میں بہت کھینچیں سو دل پتھر ہوا
کب کھپا جاتا تھا یوں آنکھوں میں جیسا صبح تھا
پھول خوش رنگ اور اُس کے فرش پر بچھ کر ہوا

کبھی تو دیر میں ہوں میں کبھو ہوں کعبے میں
کہاں کہاں لئے پھرتا ہے شوق اس درکا
بتا کے کعبے کا رستا اُسے بھلاؤں راہ
نشاں جو پوچھے کوئی مجھ سے یار کے گھر کا

"میر" کے ہوش کے ہیں ہم عاشق
فصل گل جب تلک تھی ، مست رہا

گئی نیند ، شیون سے بلبل کے رات
کہیں دل ہمارا گرفتار تھا
قد یار کے آگے سرو چمن
کھڑا دور جیسے گنہ گار تھا

سب گئے هوش و صبر و تاب و تواں
دل سے اک داغ هي جدا نہ هوا

اندوہ و غم کے جوش سے دل رک کے خوں هوا
اب کي سجھے بہار سے آگے جنوں هوا

دیکھا پلک اُتھا کے تو پایا نہ کچھہ اثر
اے عمر برق ! جلوہ گئے تو شتاب کیا

جادو کرتے هیں اک نگاہ کے بیچ
هائے رے چشم دلبراں کی ادا
دل چلے جاے هیں خرام کے ساتھہ
دیکھي چلنے کی دلبراں کی ادا
خاک میں مل کے "میر" هم سمجھے
بے ادائي تھی آسماں کی ادا

میں تو افسردہ هر چمن میں پھرا
غنچۂ دل مرا کہیں نہ کھلا

وہ رونے خوب اب کي ' هرگز گیا نہ دل سے
جب گل کھلا چمن میں تب داغ هم نے کھایا

آنکھیں کھلیں تو دیکھا جو کچھ نہ دیکھنا تھا
خواب عدم سے ہم کو کاھے کے تئیں جگایا

ترے غم کے ھیں خواھاں سب، نہ کھا غم
کسی کیا ھو ئی جو اک میں نہ ھوں گا

" میر " کے نبض پہ رکھہ ھاتھہ لگا کہنے طبیب
آج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا

عشق سے دل پہ تازہ داغ جلا   اس سیہ خانے میں چراغ جلا

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا
ضبط تھا جب تئیں چاھت نہ ھوئی تھی ظاھر
اشک نے بہ کے مرے چہرے پہ طوفان کیا
مجھکو شاعر نہ کہو " میر " کہ صاحب میں نے
درد غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

دین و دل کے غم کو آساں ناتواں میں لے گیا
" یا محبت " کہ کے یہ بار گراں میں لے گیا
خاک و خوں میں لوٹ کر رہ جانے ھی کا لطف ہے
جان کو کیا جو سلامت نیم جاں میں لے گیا

ریختہ کا ہے کو تھا اس رتبہ عالی میں "میر"
جو زمیں نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا

تھا نزع میں دست "میر" دل پر شاید غم کا یہی محل تھا

تک رہے ہیں اس کو سو ہم تک رہے ایک سے
دیدہ حیراں ہمارا دیدۂ بسمل ہے کیا
ہم تو سو سو بار مر رہتے ہیں ایک، ایک آن میں
عشق میں اس کے گذرنا جان سے مشکل ہے کیا

شکر خدا کہ سر نہ فرو لائے ہم کہیں
کیا جانیں سجدہ کہتے ہیں کس کو؟ سلام کیا؟

بعد دشنام تھی بوسے کی توقع بھی ولے
تلخ بننے کے تئیں ہم نے گوارا نہ کیا

چال یہ کیا تھی کہ ایدھر اِکو گذارانہ کیا
دور ہی دور پھرے پاس ہمارا نہ کیا
جی رہے ڈوبتے دریائے غم عشق میں ایک
بوالہوس کی سی طرح ہم نے کنارا نہ کیا

جلوے سے اس کے جل کے ہوئے خاک، سنگ و خشت
بے تاب دل بہت ہے یہ کیا تاب لائے گا

اس کے دامن تلک نہ پہونچا ہاتھ
تھا سر دست جیب چاک ہوا
ڈر سے اس رشک خور کی گرمی سے
کچھ تو ہے ہم سے جو تپاک ہوا

کیا حسن خوبان بد راہ کا ہمیشہ رہے نام اللہ کا
پشیماں ہوا دوستی کرکے میں بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا
اسیری کا دیتا ہے مژدہ مجھے مرا زمزمہ گاہ و بیگاہ کا

چشم سے خوں ہزار نکلے گا
کوئی دل کا بخار نکلے گا
آندھیوں سے سیاہ ہو گا چرخ
دل کا تب کچھ غبار نکلے گا
ناز خورشید کب تلک کھینچیں
گھر سے کب اپنے' یار نکلے گا
عزلت ''میر'' عشق میں کب تک
ہو کے بے اختیار نکلے گا

رقعہ ہمیں جو آوے ہے سو تیر میں بندھا
دیا دیجئے جواب اجل کے پیام کا

صاحب هو مار ڈالو مجھے تم و گر نہ کچھ
جز عاشقی گناہ نہیں ہے غلام کا

عمر آوارگی میں سب گذری کچھ ٹھکانا نہیں دل و جاں کا

راہ اس سے ہوئی خلق کو کس طور سے یارب
ہم کو کبھی ملنے کا تو اُس کے نہ ڈھب آیا
خوں ہوتی رهی دل هی میں آزردگی میری
کس روز گلہ اس کا مرے تا بہ لب آیا
آئے ہوئے اُس کے تو ہوئی بے خودی طاری
وہ یاں سے گیا اُٹھ کے مجھے ہوش جب آیا

هرآن تھی سر گوشی، یا بات نہیں گاہے
اوقات ہے اک یہ بھی، اک وہ بھی زمانہ تھا
جو تیر چلا اُس کا سو میری طرف آیا
اس عشق کے میداں میں، میں ہی تو نشانہ تھا

مت سہل ہمیں سمجھو پہونچے تھے بہم تب ہم
برسوں تئیں گردوں نے جب خاک کو چھانا تھا
کیا صورتیں بگڑی ہیں مشتاقوں کی ہجراں میں
اس چہرے کو اے خالق ایسا نہ بنانا تھا

اس زندگي سے مارے ھی جانا بھلا تھا "میر"
رحم اُن نے میرے حق میں کیا ' کیا ستم کیا ؟

اب کي جو گل کي فصل میں ہم کو جنوں ہوا
وہ دل کہ جس پہ اپنا بھروسا تھا خوں ہوا
تھا شوق طوف تربت مجنوں مجھے بہت
اک گرد باد دشت مرا رھنموں ھوا

گرم ملا اُس گل نازک طبیعت سے نہ ہو
چاندنی میں رات بیٹھا تھا سو مرجھانے لگا
چشمک اس مہہ کي سي دل‌کش دید میں آئی نہیں
گوشتارہ صبح کا بھي آنکھ جھپکا نے لگا
کیونکر اس آئینہ روسے "میر" ملئے بے حجاب
وہ تو اپنے عکس سے بھي دیکھو شرمانے لگا

آنکھ پڑتي تھي تمھاری منھ پہ جب تک چین تھا
کیا کیا تم نے کہ مجھ بے تاب سے پردہ کیا
لوگ دل دیتے سنے تھے "میر" دے گذرا ھے جي
ایک اپنے طور پر اُن نے بھی اک سودا کیا

صد سخن آئے تھے لب تک پر نہ کہنے پائے ایک
ناگہاں اس کی گلي سے اپنا جانا ھو گیا

رہنے کے قابل تو ہرگز تھی نہ یہ عبرت سرائے
اتفاقاً اس طرف اپنا بھی آنا ہو گیا

ہو گئے ہم محبت کی بے شعوری سے اسیر
شیخ میں کچھ ہوش تھا میخانے سے جاتا رہا
"میر" دیوانہ ہے اچھا، بات کیا سمجھے مری
یوں تو مجھ سے جب ملا میں اس کو سمجھاتا رہا

نہ پوچھو خوب ہے بد عہدیوں کی مشق اس کو
ہزار عہد کئے پر وہی تکلف تھا

گلی میں اس کی، میری رات کیا آرام سے گذری
یہی تھا سنگ بالیں، خاک تھی، بستر، جہاں میں تھا
غضب کچھ شور تھا سر میں بلا بے طاقتی جی میں
قیامت لحظہ لحظہ تھی مرے دل پر جہاں میں تھا

عاقلانہ حرف زن ہو "میر" تو کرئے بیاں
زیر لب کیا جانئے کہتا ہے کیا مجذوب سا

سر گذشت اپنی سبب ہے حیرت احباب کی
جس سے دل خالی کیا وہ آہ بھر کر رہ گیا

کیا کہئے دماغ اس کا گلگشت میں کل " میر "
گل شاخوں سے جھک آئے تھے پر منھ نہ لگا

مُرید پیرمغاں صدق سے نہ ہم ہوتے
جو حق شناس کوئي اور بھی نظر آتا
کسو ہنر سے تو ملتے تھے باہم اگلے لوگ
ہمیں بھي کاش کے ایسا کوئی ہنر آتا
شراب خانے میں شب مست ہو رہا شاید
جو " میر " ہوش میں ہوتا تو اپنے گھر آتا

بس ہو تو دام کو بھی اس پر نثار کر ئے
یک نقد دل رکھے ہیں سو تو ہے مال اُس کا

بوسہ اس بت کا لے کے منھ موڑا
بھاري پتھر تھا چوم کر چھوڑا
کیا کرے بخت مدعی تھا بلند
کوہ کن نے تو سر بہت پھوڑا
ہے لب بام آفتاب عمر
کرئے سو کیا ہے " میر " دن تھوڑا

ہے عشق میں صبر نا گوارا
پھر صبر بن اور کیا ہے چارا

دیکھو ہو تو دور بھاگتے ہو
کچھ پاس نہیں تمھیں ہمارا
جب جی سے گذر گئے ہم اے ''مہر''
اُس کوچے میں تب ہوا اِگذارا

کیا کہے حال، کہیں دل زدہ جاکر اپنا
دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دل بر اپنا
دوریٔ یار میں ہے حال دل ابتر اپنا
ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا
دل بہت کھینچتی ہے یار کے کوچے کی زمیں
لو ہو اس خاک پہ گرنا ہے مقرر اپنا

آخر کو خواب مرگ ہمیں جا سے لے گئی
جی دیتے تک بھی سر میں اُسی کا خیال تھا

اُن نے کھینچا ہے مرے ہاتھ سے داماں اپنا
کیا کروں گر نہ کروں چاک گریباں اپنا

دل عجب شہر تھا خیالوں کا لوٹا مارا ہے حسن والوں

کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا
سرمایۂ توکل یاں نام ہے خدا کا

یہ دو ہی صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم
یا عالم آیئنہ ہے اس یار خود نما کا

کیا میں ہی جاں بہ‌لب ہوں بیماری دلی سے
مارا ہوا ہے عالم اس درد بے دوا کا

بند اِس قبا کا کھولیں ، کیا ناخنِ فقیراں
وابستہ ہے یہ عقدہ شاید کسو دعا کا

ڈرتا ہوں مالکان جزا چھانی دیکھ کر
کھلنے لگیں نہ واہ رے زخم اُس کے ہات کا

کیوں کر بسر کرے غم و غصے میں ہجر کے
خو گر جو ہو کسو کے کوئی التفات کا

واعظ کہے سو سچ ہے ، ولے مے فروش سے
ہم ذکر بھی سنا نہیں صوم و صلوات کا

عالم کسو حکیم کا باندھا طلسم ہے
کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا

نہیں تاب لاتا دل زار اب
بہت ہم نے صبر و تحمل کیا

نہ سوز دروں فصل گل میں چھپا
سر و سینہ سے داغ نے گل کیا

ہمیں شوق نے صاحبو کھو دیا
غلاموں سے اس کے تو سل کیا

حقیقت نہ "میر" اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا

رفتۂ عشق کیا ہوں میں اب کا
جا چکا ہوں جہان سے کب کا
لوگ جب ذکر یار کرتے ہیں
دیکھ رہتا ہوں دیر منہہ سب کا
ہم تو نا کام ہی چلے یاں سے
تم کو ہو گا حصول مطلب کا

رحم کیا کر ، لطف کیا کر ، پوچھہ لیا کر ، آخر ہے
"میر" اپنا ، غم خوار اپنا ، پھر زار اپنا ، بیمار اپنا

اے کاش مرے سر پر اک بار وہ آ جاتا
ٹھہراؤ سا ہو جاتا ، یوں جی نہ چلا جاتا
تب تک ہی تحمل ہے جب تک نہیں آتا وہ
اس رستے نکلتا تو ، ہم سے نہ رہا جاتا

مستانہ اگرچہ میں ، طاعت کو لگا جاتا
پھر بعد نماز اُٹھہ کر مے خانہ چلا جاتا
دیکھا نہ اُدھر ورنہ ، آنا نہ نظر پھر میں
جی مفت مرا جاتا اِس شوخ کا کیا جاتا

شب ' آہ شرر افشاں ہونٹھوں سے پھري میرے
سر کھینچتا یہ شعلہ تو مجھ کو جلا جاتا
ہے شوق سیہ رو سے بد نامي و رسوائي
کیوں کام بگڑ جاتا جو صبر کیا جاتا
تھا ''میر'' بھی دیوانہ پر ساتھ ظرافت کے
ہم سلسلہ داروں کی زنجیر ہلا جاتا

کو بے کسی سے عشق کی آتش میں جل بجھا
میں جوں چراغ گور اکیلا جلا کیا
ڈرتا ہی میں رہا کہ پلک کوئی گڑ نہ جائے
آنکھوں سے اس کی رات جو تلوے ملا کیا

سر گرم طلب ہو کر کھویا گیا میں آپ ہی
کیا جانئے پاؤں گا یا اس کو نہ پاؤں گا

مرتا تھا جس کے خاطر اس کی طرف نہ دیکھا
'' میر '' ستم رسیدہ ظالم غیور کیا تھا

دل کو گل کہتے تھے ' درد و غم سے مرجھایا گیا
جی کو مہماں سنتے تھے مہمان سا آیا گیا

ہر چند میں نے شوق کو پنہاں کیا ولے
اک آدھ حرف پیار کا منھ سے نکل گیا
سر، اب لگے جھکانے بہت خاک کی طرف
شاید کہ "میر" جي کا دماغ خلل گیا

ہم سے تو جز مرگ کچھہ تدبیربن آئی نہیں
تم کہو کیا تم نے درد عشق کا درماں کیا
داخل دیوانگی ھے تھی ہماری عاشقی
یعنی اس سودے میں ہم نے جان کا نقصاں کیا
شکر کیا اس کی کریمي کا ادا بندے سے ہو
ایسي اک ناچیز مشت خاک کو انساں کیا

سوزش دل کے سبب مرگ نہ تھی عاشق کی
اپني غیرت میں وہ کچھہ آپ ھي جلا جاتا تھا

جہاں بھرا ھے تیرے شور حسن و خوبی سے
لبوں پہ لوگوں ھے ھے ذکر جا بہ جا ترا
نظر، کنھوں نے نہ کی حال "میر" پر افسوس
غریب شہروفا تھا وہ خاک پا تیرا

صورت شیریں کے آگے کام اپنا کر گیا
عشق میں کس حسن سے فرہاد ظالم مرگیا

هم تو تھے محو دوستی اُس کے
گو کہ دشمن جہان سارا تھا
آستاں کی کسو کے خاک ھوا
آسماں کا بھی کیا ستارا تھا

خوب کیا جو اھل کرم کے جود کا کچھ نہ خیال کیا
ہم جو فقیر ہوئے تو ہم نے پہلے ترک سوال کیا

ہم کوئے مغاں میں تھے ' ماہ رمضاں آیا
صد شکر کہ مستی میں جانا نہ کہاں آیا

آنکھیں لگی رھتی ھیں اکثر چاک قفس سے اسیروں کی
جھونکا باد بہاری کا گل برگ کوئی یاں لاوے گا
اب تو جوانی کا یہ نشہ ھے بے خود تجھ کو رکھے گا
ہوش گیا پھر آوے گا تو دیر تلک پچھتاوے گا

جھک کے سلام کسی کو کرنا سجدہ ھی ھو جاتا ھے
سر جاوے گو اس میں میرا سر نہ فرو میں لاؤں گا
دل کے تئیں اس راہ میں کھو افسوس کناں اب پھرتا ھوں
یعنے رفیق و شفیق پھر ایسا " میر " کہاں میں پاؤں گا

قیامت کا عرصہ ہے اے 'میر' دوھم
مرے شور و زاري نے میدان مارا

جگر خوں کیا ' چشم نم کر گیا
گیا دل سو ہم پر ستم کر گیا

یاري کئے کسو کا کاھے کو نام نکلا
ناکام عشق تھا تو عاشق کا نام نکلا
ھنگامے سے جہاں میں ہم نے جنوں کیا ھے
ہم جس طرف سے نکلے اک اژدھام نکلا
جانا تھا تجھ کو ہم نے تو پختہ مغز ھوگا
دیکھا تو '' میر '' تیرا سودا بھي خام نکلا

خوش زمزمہ طیور ھي ھوتے ھیں '' میر '' اسیر
ہم پر ستم یہ ' صبح کی فریاد سے ھوا

زار کیا ' بیمار کیا ' اس دل نے کیا آزار کیا
داغ سے تن گلزار کیا سب آنکھوں کو خوں بار کیا
چاھا ہم نے کیا تھا پر اپنا چاھا کچھ نہ ھوا
عزت کھوئي ذلت کھینچي ' عشق نے خوار و زار کیا

چاهت کا اظہار کیا سو اپنا کام خراب ہوا
اس پردے کے اُتھ جانے سے اُس کو ہم سے حجاب ہوا
ساري ساري راتیں جاگے ' عجز و نیاز زاری کی
تب جا کر ملنے کا اس کے صبح کے ہوتے خواب ہوا

" میر " گذرے دونوں یاں عید و محرم ایک سے
یعنی دس دن جینے کے میں اپنے هي ماتم میں تھا

مرنے کا بھي خیال رهے " میر " اگر تجھے
هے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

کوشش میں سر مارا لیکن در پہ کسي کے جا نہ سکا
تن پہ زبان شکر هے هرمو ' اپني شکستہ پائي کا
آنا سن ناداري سے هم نے جي دینا تھہرایا هے
کیا کہئیے اندیشہ بڑا تھا اس کي منہہ دکھلائی کا

دور بہت بھاگو هو هم سے سیکھے طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوا هے کیا ؟ اچھی آنکھوں والوں کا

ابھی هوں منتظر ' جاتی هے چشم شوق هر جانب
بلند اس تیغ کو هونے تو دو سر بھی جھکا دوں گا

بلا میں زیر سر ہوں کاش اُفتادہ رہوں یوں ہی
اٹھا گر خاک سے تو "میر" ہنگامے اٹھاؤں گا

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا
غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا
رکھے رہتے ہیں دل پر ہاتھ اے "میر"
یہیں شاید کہ ہے سب غم ہمارا

کیا پوچھو ہو کیا کہیئے یہاں دل نے بھی کیا کام کیا
عشق کیا نا کام رہا آخر کو کام تمام کیا
کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے
آخر دل کی بے تابی سے خط بھیجا پیغام کیا
خط و کتاب لکھنا اس کو ترک کیا تھا اسی لیئے
حرف و سخن سے ٹپکا لہو ہو اب جو کچھ ارقام کیا
"میر" جو اس نے منہہ کو ادھر کر ہم سے کوئی بات کہی
لطف کیا احسان کیا انعام کیا اکرام کیا

مرنا اس کے عشق میں خالی نہیں ہے حسن سے
رشک کے قابل ہے جو کشتہ ہے اس میدان کا
گر پڑیں گے ٹوٹ کر اکثر ستارے چرخ سے
ہل گیا جو صبح کو گوہر کسی کے کان کا

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
جي کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا
ہائے جوانی ! کیا کیا کہئے شور سروں میں رکھتے تھے
اب کیا ہے ؛ وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا

وصل میں رنگ اڑگیا میرا کیا جدائي کو منھہ دکھاؤں گا
طوف مشہد کو کل جو جاؤں گا تیغ قاتل کو سر چڑھاؤں گا
چھانتا ہوں کسو گلي کي خاک دل کو اپنے کبھو تو پاؤں گا
اس کے در پر گئي ہے تاب و تواں گھر تلک اپنے کیونکہ کے جاؤں گا

خیال چھوڑ دے واعظ تو بے گناہی کا
رکھے ہے شوق اگر رحمت الٰہی کا

ہرجا پھرا غبار ہمارا اڑا ہوا
تیري گلي میں لائي صبا تو بجا ہوا

پہلو سے اُٹھ گیا ہے وہ نازنیں ہمارا
جز درد اب نہیں ہے پہلو نشیں ہمارا
حالت ہے نزع کی یاں آؤ کہ جاتے ہیں ہم
آنکھوں میں منتظر ہے دم واپسیں ہمارا

آج ہمارا دل تڑپے ہے کوئي اُدھر سے آوے گا
یا کہ نوشتہ اُن ہاتوں کا قاصد ہم تلک لاوے گا

شیخ حرم سے لڑکے چلا ہوں اب کعبے میں نہ آؤں گا
تا بتخانہ ہر قدم اوپر سجدہ کرنے جاؤں گا

قدرت حق میں کیا قدرت جو دخل کسو کی فضولي کرے
اس کو کیا پر کالۂ آتش مجھ کو خس و خاشاک کیا

برسوں تمہیں جہاں میں کیوں کر رہا ہے خضر
میں چار دن میں جینے سے بیزار ہو گیا
اُس کي نگاہ مست کا کھایا ہی تھا فریب
پر شیخ، طرز دیکھ کے ہوشیار ہو گیا
کیا متقي تھا "میر" پر، اُئین عشق میں
مجرم ساکشت و خوں کا سزاوار ہو گیا

نہ وہ آوے، نہ جاوے بے قراري
کسو دن "میر" یوں ہی مر رہوں گا

گرم مزاج رہا نہیں اپنا، ویسے اس کے ہجراں میں
ہوتے ہوتے افسردہ، دیکھو گے اک دن سود ہوا

"میر" نہ اپنے دود دل کو مجھ سے کہا کر روز و شب
صبح جو گرش دل سے سنا تھا دل میں میرے درد ہوا

خاک سے آدم کر دکھلایا یہ منت کیا تھوڑی ہے
اب سر خاک بھی ہو جاوے تو سر سے کیا احسان گیا

دیدۂ ترکو سمجھ کر اپنا ہم نے کیا کیا حفاظت کی
آہ نہ جانا روتے روتے یہ چشمہ دریا ہو رہے گا

"میر" پریشاں خاطر آ کر رات رہا بت خانے میں
راہ رہی کعبہ کی ادھر، یہ سودائی کیدھر آیا

دل رہے وصل جو مدام رہے
مل گئے اس سے گاہ گاہ تو کیا

جب سے بے خود ہوا ہے اس کو دیکھ
آپ میں "میر" پھر نہیں آیا

بات کہتے جی کا جانا ہو گیا مرنا، عاشق کا بہانا ہو گیا
جائے بودن تو نہ تھی دنیائے دوں اتفاقاً اپنا آنا ہو گیا

فائدہ کیا نماز مسجد کا
قد ہی محراب سا جو خم نہ ہوا
نہ گیا اس طرف کا خط لکھنا
ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا
یار ہمراہ نعش جس دم تھا
واے ! مردے میں میرے دم نہ ہوا
بے دلی میں ہے "میر" خوش اُس سے
دل کے جانے کا حیف غم نہ ہوا

بہت کی جستجو اس کی ‘ نہ پایا
ہمیں در پیش ہے اب جی کا کھونا
وصیت "میر" نے مجھ کو یہی کی
کہ سب کچھ ہو پہ تو عاشق نہ ہونا

طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جنوں میں روز و شب
روتے روتے ہنسنے لگا کہ "میر" عجب دیوانا تھا

ناخن سے بوالہوس کا گلا یوں ہی چھل گیا
لوہو لگا کے وہ بھی شہیدوں میں مل گیا
بے دل ہوئے پہ کرتے تدارک جو رہتا ہوش
ہم آپ ہی میں آئے نہیں جب سے دل گیا
شبنم کی سی نمود سے تھا میں عرق عرق
یعنی کہ ہستی ‘ ننگ عدم تھی خجل گیا

کیا تم سے اپنے دل کی پریشانی میں کہوں
دریاے گریہ جوش زناں تھا بہا کیا

عالم مستی ' کیا عالم تھا غم دنیا و دیں کا نہ تھا
ہوش آیا ہے جب سے سر میں شوق رہا اس عالم کا

غربت ہے دل آویز بہت شہر کی اُس کے
آیا نہ خیال ہم کو کبھو اپنے وطن کا

فلک نے پیس کر سرمہ بنایا
نظر میں اُس کی میں تو بھی نہ آیا
زمانے میں مرے شور جنوں نے
قیامت کا سا ہنگامہ اُٹھایا
تمامی عمر جس کی جستجو کی
اُسے پاس اپنے اک دم بھی نہ پایا
نہ تھی بیگانگی معلوم اُس کی
نہ سمجھے ہم ' اسی سے دل لگایا
قریب دیر ' خضر آیا تھا لیکن
ہمیں رستہ نہ کعبے کا بتایا

نہ اُٹھا لطف کچھ جوانی کا
کم بہت موسم شباب رہا

پریشاں کر گئی فریاد بلبل
کسو سے دل ہمارا پھر لگا تھا
صنم خانے سے اٹھہ کعبے گئے ہم
کوئی آخر ہمارا بھي خدا تھا
بدن میں اس کے ہے ہر جاے دل کش
جہاں اٹکا کسو کا دل بجا تھا

کیا نماز اے "مہر" اس اوقات کي
جب کہ تو محراب سا خم ہو گیا

وہ دیکھنے ہمیں تک بیماری میں نہ آیا
سو بار آنکھیں کھولیں بالیں سے سر اٹھایا

میں رنج عشق کھینچکے بہت ناتواں ہوا
مرنا تمام ہو نہ سکا نیم جاں ہوا
غیر از خدا کي ذات مری گھر میں کچھہ نہیں
یعنے کہ اب مکان مرا لا مکاں ہوا
سائے میں تاک کے مجھے رکھا اسیر کر
صیاد کے کرم سے قفس آشیاں ہوا

کرنا وفا نہیں ہے آسان عاشقي میں
پتھر کیا جگر کو تب چاہ کو نباہا

بلبل کا شور سن کے نہ مجھ سے رہا گیا
میں بے دماغ باغ سے اٹھ کر چلا گیا

غم ھجر رکھے گا بے تاب دل کو
ھمیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ھو گا

دیر، بعد عہد جب وہ یار آیا   دور سے دیکھتے ھی پیار آیا

نثار کیا کریں ھم خانماں خراب اس پر
کہ گھر لٹا چکے جب یار اپنے گھر آیا

جہاں کا دریائے بے کراں تو سراب پایاں کار نکلا
جو لوگ تہہ سے کچھ آشنا تھے اُنھوں نے لب تر کیا نہ اپنا

نہ پہونچی جو دعائے "میر" واں تک تو عجب کیا ھے
علوئے مرتبہ ھے بس کہ اس درگاہ عالی کا

روز و شب، روتے کڑھتے گذرے ھے   اب یہی اپنا روزگار ھوا

کیونکہ سب عمر صعوبت میں کٹی تیری "میر"
اپنا جینا تو کوئی دن ھمیں دشوار ھوا

جو قافلے زگئے تھے انہوں کي اٹھي بھي گرد
کیا جانئے غبار ہمارا کہاں رہا
اعضا، گداز عشق سے ایک ایک بھہ گئے
اب کیا رہا ہے مجھہ میں جو میں نیم جاں رہا

نہیں ہے مرجع آدم اگر خاک
کدھر جاتا ہے قد خم ہمارا

کیا کہئے ؟ عشق، حسن کي آپ هي طرف هوا
دل نام قطرہ خون یہ، ناحق تلف هوا

جب کہ تابوت مرا جائے شہادت سے اٹھا
شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اٹھا

مجلس میں میں نے اپنا سوز جگر کہا تھا
روتي ہے شمع تب سے بے اختیار ہر شب
اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پرآب روز و شب
ٹپکا کرے ہے آنکھوں سے خوں ناب روز و شب

موند رکھنا چشم کا، هستي میں عین دید ہے
کچھہ نہیں آتا نظر جب آنکھہ کھولے ہے حباب

اندوہ سے هوئي نہ رهائی تمام شب
مجھہ دل زدہ کو نیند نہ آئي تمام شب

تادل سے مہوی پلکوں پہ قطرے سر شک سے
دیکھے رہے ہیں "میر" دکھائی تمام شب

وہ جو کشش تھی اس کی طرف سے ' کہاں ہے اب
تیرو کماں ہے ہاتھ میں ' سینہ نشاں ہے اب
زردی رنگ ہے غم پوشیدہ پر دلیل
دل میں جو کچھ ہے ' منہ سے ہمارے عیاں ہے اب

کاش اُس کے رو برو نہ کریں مجھ کو حشر میں
کتنے مرے سوال ہیں کتنے مرے جواب
گذرے ہے "میر" لوٹتے دن رات آگ میں
ہے سوز دل سے زندگی اپنی ہمیں عذاب

جو کہو تم سو ہے بجا صاحب
ہم برے ہی سہی ' بھلا صاحب

طالع سے زلیخا نے لیا مصر میں یوسف
کب ایسا غلام آوے ہے بازار میں صاحب

کیا کہیں حال؟ خاطر آشفتہ دل خدا جانئے کدھر ہے اب

آج ہمارا دل تڑپے ہے کوئی اُدھر سے آوے گا
یا کہ نوشتہ اُن ہاتوں کا قاصد ہم تلک لاوے گا

شیخ حرم سے لڑکے چلا ہوں اب کعبے میں نہ آؤں گا
تا بتخانہ ہر قدم اوپر سجدہ کرنے جاؤں گا

قدرت حق میں کیا قدرت جو دخل کسو کی فضولی کرے
اس کو کیا پر کالہ آتش مجھ کو خس و خاشاک کیا

برسوں تئیں جہاں میں کیوں کر رہا ہے خضر
میں چار دن میں جینے سے بیزار ہو گیا
اُس کی نگاہ مست کا کھایا ہی تھا فریب
پر شیخ، طرز دیکھ کے ہوشیار ہو گیا
کیا متقی تھا "مہر" پر، آئین عشق میں
مجرم ساکشت و خون کا سزاوار ہو گیا

نہ وہ آوے، نہ جاوے بے قراری
کسو دن "مہر" یوں ہی مر رہوں گا

گرم مزاج رہا نہیں اپنا، ویسے اس کے ہجراں میں
ہوتے ہوتے افسردہ، دیکھو کہ اک دن سرد ہوا

"میر" نہ اپنے درد دل کو مجھ سے کہا کر روز و شب
صبح جو گوش دل سے سنا تھا دل میں میرے درد ہوا

خاک سے آدم کر دکھلایا یہ منت کیا تھوڑی ہے
اب سر خاک بھی ہو جاویے تو سر سے کیا احسان گیا

دیدۂ ترکو سمجھ کر اپنا ہم نے کیا کیا حفاظت کی
آہ نہ جانا روتے روتے یہ چشمہ دریا ہووے گا

"میر" پریشاں خاطر آ کر رات رہا بت خانے میں
واہ رہي کعبہ کي ادھر ' یہ سودائی کیدھر آیا

دل رہے وصل جو سدام رہے
مل گئے اس سے گاہ گاہ تو کیا

جب سے بے خود ہوا ہے اس کو دیکھ
آپ میں "میر" پھر نہیں آیا

بات کہتے جي کا جانا ہو گیا مرنا ' عاشق کا بہانا ہو گیا
جائے بودن تو نہ تھي دنیائے دوں اتفاقاً اپنا آنا ہو گیا

فائدہ کیا نماز مسجد کا

قد ہی محراب سا جو خم نہ ہوا

نہ گیا اس طرف کا خط لکھنا

ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا

یار ہمراہ نعش جس دم تھا

واے ! مرنے میں میرے دم نہ ہوا

بے دلی میں ہے ''میر'' خوش اُس سے

دل کے جانے کا حیف غم نہ ہوا

بہت کی جستجو اس کی، نہ پایا

ہمیں در پیش ہے اب جی کا کھونا

وصیت ''میر'' نے مجھ کو یہی کی

کہ سب کچھ ہو پہ تو عاشق نہ ہونا

طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جنوں میں روز و شب

روتے روتے ہنسنے لگا کہ ''میر'' عجب دیوانا تھا

ناخن سے بوالہوس کا گلا یوں ہی چھل گیا

لوہو لگا کے وہ بھی شہیدوں میں مل گیا

بے دل ہوئے پہ کرتے تدارک جو رہتا ہوش

ہم آپ ہی میں آئے نہیں جب سے دل گیا

شبنم کی سی نمود سے تھا میں عرق عرق

یعنی کہ ہستی، ننگ عدم تھی خجل گیا

کیا تم سے اپنے دل کی پریشانی میں کہوں
دریاے گریہ جوش زناں تھا بہا کیا

عالم مستی ' کیا عالم تھا غم دنیا و دیں کا نہ تھا
هوش آیا ہے جب سے سر میں شوق رہا اس عالم کا

غربت ہے دل آویز بہت شہر کی اُس کے
آیا نہ خیال ہم کو کبھو اپنے وطن کا

فلک نے پیس کر سرمہ بنایا
نظر میں اُس کی میں تو بھی نہ آیا
زمانے میں مرے شور جنوں نے
قیامت کا سا ہنگامہ اُٹھایا
تمامی عمر جس کی جستجو کی
اُسے پاس اپنے اک دم بھی نہ پایا
نہ تھی بیگانگی معلوم اُس کی
نہ سمجھے ہم ' اسی سے دل لگایا
قریب دیر ' خضر آیا تھا لیکن
ہمیں رستہ نہ کعبے کا بتایا

نہ اُٹھا لطف کچھ جوانی کا
کم بہت موسم شباب رہا

پریشاں کر گئی فریاد بلبل
کسو سے دل ہمارا پھر لگا تھا
صنم خانے سے اُٹھہ کعبے گئے ہم
کوئی آخر ہمارا بھی خدا تھا
بدن میں اُس کے ہے ہر جاے دل کش
جہاں اٹکا کسو کا دل بجا تھا

کیا نماز اے "میر" اس اوقات کی
جب کہ تو محراب سا خم ہو گیا

وہ دیکھنے ہمیں تک بیماری میں نہ آیا
سو بار آنکھیں کھولیں بالیں سے سر اُٹھایا

میں رنج عشق کھینچے بہت ناتواں ہوا
مرنا تمام ہو نہ سکا نیم جاں ہوا
غیر از خدا کی ذات مری گھر میں کچھہ نہیں
یعنے کہ اب مکان مرا لا مکاں ہوا
سائے میں تاک کے مجھے رکھا اسیر کر
صیاد کے کرم سے قفس آشیاں ہوا

کرنا وفا نہیں ہے آسان عاشقی میں
پتھر کیا جگر کو تب چاہ کو نباہا

بلبل کا شور سن کے نہ مجھ سے رہا گیا
میں بے دماغ باغ سے اُٹھ کر چلا گیا

غم ہجر رکھے گا بے تاب دل کو
ہمیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہو گا

دیر، بعد عہد جب وہ یار آیا   دور سے دیکھتے ہی پیار آیا

نثار کیا کریں ہم خانماں خراب اس پر
کہ گھر لٹا چکے جب یار اپنے گھر آیا

جہاں کا دریائے بے کراں تو سراب پایان کار نکلا
جو لوگ تہہ سے کچھ آشنا تھے اُنھوں نے لب تر کیا نہ اپنا

نہ پہونچی جو دعائے "میر" واں تک تو عجب کیا ہے
علوئے مرتبہ ہے بس کہ اس درگاہ عالی کا

روز و شب، روتے کڑھتے گذرے ہے   اب یہی اپنا روزگار ہوا

کیونکہ سب عمر صعوبت میں کٹی تیری "میر"
اپنا جینا تو کوئی دن ہمیں دشوار ہوا

جو قافلے اِکٹھے تھے انھوں کی اٹھی بھی گرد
کیا جانئے غبار ہمارا کہاں رہا

اعضا، گداز عشق سے ایک ایک بہہ گئے
اب کیا رہا ہے مجھ میں جو میں نیم جاں رہا

نہیں ہے مرجع آدم اگر خاک
کدھر جاتا ہے قد خم ہمارا

کیا کہئے؟ عشق، حسن کی آپ ہی طرف ہوا
دل نام قطرۂ خون یہ، ناحق تلف ہوا

جب کہ تابوت مرا جائے شہادت سے اٹھا
شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اٹھا

مجلس میں میں نے اپنا سوز جگر کہا تھا
روتی ہے شمع تب سے بے اختیار ہر شب

اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پرآب روز و شب
ٹپکا کرے ہے آنکھوں سے خوں ناب روز و شب

موند رکھنا چشم کا، ہستی میں عین دید ہے
کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب

اندوہ سے ہوئی نہ رہائی تمام شب
مجھ دل زدہ کو نیند نہ آئی تمام شب

تادل سے میری پلکوں پہ قطرے سر شک سے
دیتے رہے ہیں "میر" دکھائي تمام شب

وہ جو کشش تھی اس کی طرف سے ' کہاں ہے اب
تیرو کماں ہے هاتھ میں ' سینہ نشاں ہے اب
زردی رنگ ہے غم پوشیدہ پر دلیل
دل میں جو کچھ ہے ' منھ سے همارے عیاں ہے اب

کاش اُس کے رو برو نہ کریں مجھ کو حشر میں
کتنے مرے سوال هیں کتنے مرے جواب
گذرے ہے "میر" لوٹتے دن رات آگ میں
ہے سوز دل سے زندگي اپني همیں عذاب

جو کہو تم سو ہے بجا صاحب
هم برے هی سہی ' بھلا صاحب

طالع سے زلیخا نے لیا مصر میں یوسف
کب ایسا غلام آوے ہے بازار میں صاحب

کیا کہیں حال ؟ خاطر آشفتہ دل خدا جانئے کدھر ہے اب

.....

جوش رونے کا مجھے آیا ہے اب
دیدۂ تر ابر سا چھایا ہے اب
کاشکے کے ہو جائے سینہ چاک چاک
رکتے رکتے جی بھی گھبرایا ہے اب

التفات زمانہ پر مت جا ”میر“ دیتا ہے روزگار فریب

عالم کے لوگوں کا ہے، تصویر کا سا عالم
ظاہر کھلی ہیں آنکھیں لیکن ہیں بے خبر سب

موسم گل کا شاید آیا داغ جنوں کے شاہ ہوئے
دل کھینچتا ہے جانب صحرا، جی نہیں لگتا گھر میں اب

دل خراشی و جگر چاکی و خوں افشانی
ہیں تو یہ کام، پہ رہتے ہیں مجھے کام بہت
پھر نہ آئے جو ہوے خاک میں جا آسودہ
غالباً زیر زمیں ”میر“ ہے آرام بہت

کہتے ہیں ”آگے تھا بتوں میں رحم“
ہے خدا جانئے یہ کب کی بات

مرجاں کوئي کہے ھے کوئي اِن لبوں کو لعل
کچھہ رفتہ رفتہ پاھي رھے گي قرار بات

بلبل کے بولنے میں سب انداز ھیں مرے
پوشیدہ کب رھي ھے کسی کی اُڑائي بات
خط لکھتے لکھتے "میر" نے دفتر کئے رواں
افراط اشتیاق نے آخر بڑھائي بات

چشم رھنے لگی پر آب بہت
شاید آوے گا خون ناب بہت
دل کے دل ھي میں رہ گئے ارماں
کم رھا موسم شباب بہت

اب تو وفا ، مہر کا مذکور ھي نہیں
تم کس سمے کي کہتے ھو یہ ھے کہاں کي بات

سو غیروں میں ھو عاشق تو ایک اُسی سے شرماویں
اس مستي میں آنکھیں اس کی رھتي ھیں ھشیار بہت

آئے ھیں "میر" منھہ کو بنائے جفا سے آج
شاید بگڑ گئی ھے کچھہ اُس بے وفا سے آج

ساقي ٹک ایک موسم گل کي طرف تو دیکھ
ٹپکا پڑے ھے رنگ، چمن میں ھوا سے آج
تھا جي میں، اُس سے ملتے توکیا کیا نہ کہتے "میر"
پر کچھ کہا گیا نہ غم دل، حیا سے آج

وے پھوي پلکیں اگر کھپ گئیں جي میں تو وھیں
رخنے پڑجائیں گے واعظ ! ترے ایمان کے بیچ

کل ھم بھي سیر باغ میں تھے ساتھ یار کے
دیکھا تو اور رنگ ھے سارے چمن کے بیچ

آئے جو لب پر آہ تو میں اُتھ کھڑا ھوا
بیٹھا گیا نہ مجھ سے تو ایسي ھوا کے بیچ

میں بے دماغ عشق اُتھا سو چلا گیا
بلبل پکارتی ھی رھی گلستاں کے بیچ
اتنی جبیں رگڑی کہ سنگ آئینہ ھوا
آنے لگا ھے منھ نظر اس آستاں کے بیچ

دوش و آغوش و گریباں، دامن گل چیں ھوئے
گل فشاني کر رھی ھے چشم، خوں باري کے بیچ

جان کو قید عناصر سے نہیں ہے وار ہی
تنگ آئے ہیں بہت اس چار دیواری کے بیچ
ایک ہوویں جو زبان و دل تو کچھ نکلے بھی کام
یوں اثر اے "میر" کیاہو گریہ و زاری کے بیچ

ستھراؤ کردیا ہے تمنائے وصل نے
کیا کیا عزیز مرگئے اس آرزو کے بیچ

دور گردوں سے ہوئی کچھ اور میخانے کی طرح
بھر نہ آویں کیونکہ آنکھیں میری پیمانے کی طرح
یوں بھی سر چڑھتا ہے اے ناصح کوئی مجھ سے کہ ہائے
ایسے دیوانے کو سمجھاتے ہیں سمجھانے کی طرح

ہم سے بن مرگ کیا جدا ہو ملال
جان کے ساتھ ہے دل ناشاد

لگتی ہے کچھ سموم سی تو نسیم
خاک کس دل جلے کی دی برباد

رہیے بغیر تیرے اے رشک ماہ تا چند
آنکھوں میں یوں ہماری عالم سیاہ تا چند

کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری
اپنی بھي وفا یاد ھے اس کی بھي جفا یاد
کعبے تو گئے' بھول کے ہم دیر کا رستا
آتا تھا ولے راہ میں ہر گام خدا یاد

چمن کي یاد کے آتے خبر نہ اتني رهی
کہ میں کدھر ھوں ؟ کدھر ھے قفس ؟ کدھر صیاد ؟
سنا ھے بھڑکي ھے اب کی بہت ھي آتش گل
چمن میں اپنے بھی ھیں خار و خس کے گھر' صیاد!

نہ درد مندي سے یہ راہ تم چلے ورنہ
قدم قدم پہ تھي یاں جائے نالۂ و فریاد

چا دیوارئي عناصر ''میر'' خوب جاگہہ ھے پر ھے بے بنیاد

وعدے برسوں کے کتنے دیکھے ھیں
دم میں عاشق کا حال ھے کچھ اور
تو رگ جاں سمجھتی ھوگی نسیم
اس کے گیسو کا بال ھے کچھ اور

ہم تو اسیر کنج قفس ھو کے مر چلے
اے اشتیاق سیر چمن تیري کیا خبر

جوں شمع صبح گاھی اک بار بجھ گئے ھم
اس شعلہ خونے ھم کو مارا جلا جلا کر

قدم تیرے چھوئے تھے جن سے ' اب وہ ھاتھ ھے سر ھے
مرے حق میں نہ ھونا ھی تھا یاں تک دسترس' بہتر

میں مشت خاک یارب؟ بار گران غم تھا
کیا کہئیے ؟ آ پڑا ھے اک آسماں زمیں پر
جو کوئي یاں سے گذرا کیا آپ سے نہ گذرا
پاني رھا کب اتنا ھوکر رواں زمیں پر
کچھ بھی مناسبت ھے یاں عجز ' واں تکبر
وے آسماں پر ھیں ' میں ناتواں زمیں پر

اک بار تونے آکر خاطر نہ رکھي میري
میں جي سے اپنے گذرا سوبار ترے خاطر

کچھ ھو رھے گا عشق و ھوس میں بھی امتیاز
آیا ھے اب مزاج ترا امتحان پر
کس پر تھے بےدماغ کہ ابرو بہت ھے خم
کچھ زور لے پڑا ھے کہیں اس کمان پر
دامن میں آج "میر" کے داغ شراب ھے
تھا اعتماد ھم کو بہت اس جوان پر

کیوں ؟ آنکھوں میں سرمےکا تو دنبالہ رکھے ہے
مت ہاتھ میں ان مستوں کے تلوار دیا کر
کچھ خوب نہیں اتنا ستانا بھي کسو کا
ہے "میر" فقیر اس کو نہ آزار دیا کر

آنکھ اس کي اس طرح سے نہیں پڑتی تک ادھر
اب خوب دیکھتے ہیں تو چتون کا ڈھب ہے اور
کیا کہئیے حال دل کا جدائی کي رات میں
گذرے ہے کب کہاني کہے سے یہ شب ہے اور
دل لےچکے دکھا کے رخ خوب کو تبھی
اب منھ چھپا جو بیٹھے یہ حسن طلب ہے اور
کیا بات تیري اے ہمہ عیاری و فریب
آنکھیں کہیں ہیں اور سخن زیر لب ہے اور
اسباب مرگ کے تو مہیا ہیں سارے "میر"
شاید کہ زندگاني کا اپني سبب ہے اور

اس قافلے میں کوئی دل آشنا نہیں ہے
ٹکڑے گلے کے اپنے ناحق نہ تو جرس کر

صورت پرست ہوتے نہیں معني آشنا
ہے عشق سے بتوں کے مرا مدعا کچھ اور
وہ کیا یہ دل لگی ہے فنا میں کہ رفتگاں
منھ کرکے بھي نہ سوئے کبھو پھر جہاں کے اور

یارب! ھے کیا مزا سخن تلخ یار میں
رھتے ھیں کان سب کے جو اس بدزباں کے اور
کیا حال ھو گیا ھے ترے غم میں "میر" کا
دیکھا گیا نہ ھم سے تو تک اس جواں کے اور

نئے طور سیکھے نکالے ڈھب اور
مگر اور تھے، تب ھوئے ھو اب اور
ادا کچھ ھے انداز کچھ ناز کچھ
تہ دل ھے کچھ اور زیر لب اور

تم تیغ اپنی کھینچ کے کیا سوچ میں گئے
مرنا ھے اپنا، جی میں ھم ائے ھیں ٹھان کر
اس گوھر مراد کو پایا نہ ھم نے "میر"
پایان کار مر گئے یوں خاک چھان کر

مجھ کو قفس میں سنبل و ریحاں کی کیا خبر
کہہ اے نسیم صبح، گلستاں کی کیا خبر؟
رھتا ھے ایک نشہ انھیں جن کو ھے شناخت
ھے زاھدوں کو مستی و عرفاں کی کیا خبر؟

گرمی سے گفتگو کی کرلے قیاس جاں پر
شعلہ ھے شمع ساں یاں، ھر اک سخن زباں پر

تڑپے ہے دل گھڑی بھر تو پہروں غش رہے ہے
کیا جانوں آفت آئی کیا طاقت و تواں پر

تناسب یہ اعضا کے اتنا تبختر
بگاڑا تجھے خوب صورت بنا کر
کھنچی تیغ اس کی تو یاں نیم جاں تھے
خجالت سے ہم رہ گئے سر جھکا کر

کوتاہی کی میرے طول عمر نے
جور میں تو کچھ نہ تھی تقصیر یار

کا ہے کو اس قرار سے تھا اضطراب خلق
ہوتا ہے ہاتھ رکھنے سے دل بے قرار اور

جب تک بہار رہتی ہے ' مست بہار تو
عاشق ہیں " میر " ہم تو ترے عقل و ہوش پر

مرتے ہیں ہم تو آدم خاکی کی شان پر
اللہ رے دماغ کہ ہے آسمان پر

دل نہیں دردمند اپنا " میر " اور نالے اثر کریں کیوں کر

تو بھي رباط کہن سے صوفي سير کو چل تک
ابر سيہ قبلہ سے اگر جھوم پڑا مے خانوں پر

دل کي حقيقت عرش کي عظمت هے ' معلوم نهيں
سير رهی هے اکثر اپني ان پاکيزہ مکانوں پر

چاہ کا جو اظہار کيا تو فرط شرم سے جان گئي
عشق شہرت دوست نے آخر مارا مجھ کو رسوا کر

زور هوا ہے چل صوفی تک توبھي رباط کهنہ سے
ابر قبلہ بڑھتا بڑھتا آيا هے مے خانے پر

کيا ديکھتا هے هر گھڑي اپني هی سج کو ' شوخ !
آنکھوں ميں جان آئي هے ايدهر نگاہ کر

چھوڑ اب طريق جور کو اے بے وفا سمجھ
نبھتي نهيں يہ چال کسو دل ميں راہ کر

اس وقت هے دعا و اجابت کا وصل " مير "
اک نعرہ تو بھي پيش کش صبح گاہ کر

شوريدہ سر رکھا هے جب سے اس آستاں پر
ميرا دماغ تب سے هے هفتم آسماں پر

لوگ سر ديئے جاتے هيں کيسے
يار کے پانوں کے نشانوں پر

عشق و ہوس میں آخر، کچھ تو تمیز ہوگي
آئی طبیعت اس کي اگر امتحان اُوپر

کان اِس طرف نہ رکھے، اس حرف ناشنو نے
کہتے رہے بہت ہم، اس کو سنا سنا کر
وہ بے وفا نہ آیا بالیں پہ وقت رفتن
سو بار ہم نے دیکھا سر کو اُٹھا اُٹھا کر

آیا ہے ابر قبلہ چلا خانقاہ پر
صوفي ہوا کو دیکھ کے کاش آوے راہ پر

اقرار میں کہاں ہے؟ انکار کي سي خوبي
ہوتا ہے شوق غالب اس کے نہیں نہیں پر

مختار رونے ہنسنے کا، تجھ کو اگر کریں
تو اختیار گریہ بے اختیار کر

ہوتا نہیں ہے باب اجابت کا، وا ہنوز
بسمل پڑی ہے چرخ پہ مري دعا ہنوز
توڑا تھا کس کا شیشۂ دل تونے سنگ دل
ہے دل خراش کچھ میں تیرے، صدا ہنوز

بے بال و پر اسیر هوں کنج قفس میں "میر"
جاتی نہیں هے سر سے چمن کی هوا هنوز

اس شوخ نے سنا نہیں نام صبا هنوز
غنچہ هے وہ ' لگی نہیں اس کو هوا هنوز
سو بار ایک دم میں گیا ڈوب ڈوب جی
پر بحر غم کی پائی نہ کچھ انتہا هنوز

کب تک کھنچے گی صبح ' قیامت کی شام کو
عرصہ میں ' میں کھڑا هوں گنہ‌گار سا هنوز

قیس و فرهاد پر نہیں موقوف
عشق لاتا هے مرد کار هنوز

کیا هوا ؟ خوں هوا کہ داغ هوا
دل همارا نہیں گداز هنوز

هے پریشاں دشت میں ' کس کا غبار ناتواں
گرد ' کچھ گستاخ آتی هے چلی محمل کے پاس
آہ نالے مت کیا کر اس قدر بے تاب هو
اے ستم کش "میر" ظالم هے جگر بھی دل کے پاس

رخصت سیر باغ تک نہ ہوئی
یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

کیا رکھا کرتے ہو آئینے سے محبت ہر دم
تک کبھو بیٹھو کسی طالب دیدار کے پاس
ہم نہ کہتے تھے نہ مل مغ بچوں سے اے زاہد
ابھی تسبیح دھری تھی تری دستار کے پاس

کیا جانئے کہ کہتے ہیں کس کو یگانگی
بیگانے ہی سے ہم رہے اس آشنا کے پاس

شیخ ان لبوں کے بوسے کو اس ریش سے نہ جھک
رکھتا ہے کون آتش سو زندہ گھاس پاس

گل و گلزار سے کیا؟ قیدیوں کو
ہمیں داغِ دل و کنج قفس بس

اب سے جاکر کے پھر نہ آئے ہم
بس ہمیں تو یہی سفر ہے بس
چشم پوشی نہ کر فقیر ہے "میر"
مہر کی اس کو اک نظر ہے بس

بہار اب کي بھي جو گذري قفس میں
تو پھر اپنی رھائی ھو چکي بس
نه آیا وہ مرے جاتے ' جھاں سے
یہاں تک آشنائی ھو چکی بس
رکھا اس بت کو پھر بھی ' یا خدا یا
تري قدرت نمائي ھو چکي بس

در اسیري کا کھلا منھہ پہ ھمارے کیا تنگ
مر ھي رھیئے گا قفس کے درو دیوار کے پاس

"میر" ابتر بہت ھے دل کا حال   یعنے ویراں پڑا ھے گھر افسوس

گل کو ھوتا ' صبا قرار اے کاش
رھتي اک آدھ دن بہار اے کاش
جان آخر تو جانے والی تھی
اس پہ کی ھوتی میں نثار اے کاش
بے اجل "میر" اب پڑا مرنا
عشق کرتے نہ اختیار اے کاش

کیا کہیئے ؟ کیا رکھیں ھیں ھم تجھہ سے یار خواھش
اک جان و صد تمنا ' اک دل ہزار خواھش
نے کچھہ گنہہ ھے دل کا ' نے جرم چشم اس میں
رکھتی ھے ھم کو اتنا بے اختیار خواھش

کرتے ہیں سب تمنا پر "میر" جی نہ اتنی
رکھے گي مار تم کو پایانِ کار خواہش

نعل خموش اپنے ' دیکھو ہو آرسی میں
پھر پوچھتے ہو ہنس‌کر مجھ بے نوا کي خواہش

پانؤں پڑتا ہے کہیں ' آنکھیں کہیں
اس کی مستي دیکھ کر جاتا ہے ہوش

کیا پتنگے کو شمع روئے "میر"
اس کی شب کو بھی ہے سحر درپیش

یار انکھوں تلے ہي پھرتا ہے
بڑي مدت سے ہے نظر درپیش
غم سے نزدیک مرنے کے پہونچے
دور کا "میر" ہے سفر درپیش

س کی پا مالی ' سر فرازي ہے   راہ میں ہو مرا مزار اے کاش

عشق کی راہ چل خبر ہے شرط
اولِ گام ' ترک سر ہے شرط

دل کا دینا ہے سہل کیا اے "میر"
عاشقی کرنے کو جگر ہے شرط

ساتھہ ہم بھی گئے ہیں دور تلک
جب ادھر کے تئیں چلا ہے خط

کہا دن دل رات کیا "میر" نے
اُتھایا بہت اس کہانی سے حظ

ہم اور ہم سے محبت تمھیں، خلاف خلاف
ہم اور الفت خوب دگر، دروغ دروغ

دو حرف زیر لب کہے، پھر ہو گیا خموش
یعنے کہ بات کرنے کا کس کو رہا دماغ

ایک دن میں نے لکھا تھا اس کو اپنا درد دل
آج تک جاتا نہیں سینے سے خامے کے شگاف

ہم نے تو پر فشانی نہ جانی کہ ایک بار
پرواز کی چمن سے سو صیاد کی طرف

محبت نے شاید کہ دی دل کو آگ
دھواں سا ھے کچھ اس نگر کي طرف
نہ سمجھا گیا ابر کیا دیکھ کر
ھوا تھا مري چشم تر کی طرف

دیکھي ھے جب سے اس بت کافر کي شکل "میر"
جاتا نہیں ھے جی ٹک ' اسلام کي طرف

شب آنکھیں کھلي رھتی ھیں ھم منتظروں کی
جوں دیدۂ انجم نہیں ھیں خواب سے واقف

نظر کیا کروں اس کے گھر کی طرف
نگاھیں ھیں میری نظر کی طرف

وہ محبوب تو راہ گیا ھے اپنی لیکن دیر تلک
آنکھیں اھل نظر کي ھیں ڈي اس کے قدم کے نشاں کی طرف

شاید متاع حسن کھلي ھے کسو کی آج
ھنگامہ حشر کا سا ھے بازار کي طرف

اسے ڈھونڈھتے "میر" کھوئے گئے
کوئی دیکھے اس جستجو کی طرف

اے تجھ بغیر، لالہ و باغ و بہار حیف
گل سے چمن بھرے ہوں نہ ہو تو، ہزار حیف

دل خواہ کوئی دلبر ملتا تو دل کو دیتے
گر چاہنے میں ہوتا کچھ اختیار عاشق

کیا کہوں تم سے میں کہ کیا ہے عشق
جان کا روگ ہے، بلا ہے عشق

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق
حق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق
دل لگا ہو تو جی جہاں سے اٹھا
موت کا نام پیار کا ہے عشق
اور تدبیر کو نہیں کچھ دخل
عشق کے درد کی دوا ہے عشق
کون مقصد کو عشق بن پہونچا
آرزو عشق، مدعا ہے عشق

کیا پوچھتے ہو شوق کہاں تک ہے ہم کو "میر"
مرنا ہی اہل درد کا ہے انتہائے شوق

جی سارے تن کا کھنچ کر آنکھوں میں آ رہا ہے
کس مرتبے میں ہم بھی ہیں دیکھنے کے شائق

تنہا تو اپنے گور میں رہنے پہ بعد مرگ
مت اضطراب کر تو کہ عالم ہے زیر خاک

تصویر کی سی شمعیں خاموش جلتے ہیں ہم
سوز دروں ہمارا آتا نہیں زباں تک
آنکھیں جو روتے روتے جاتی رہیں، بجا ہے
انصاف کر کہ کوئی دیکھے ستم کہاں تک

کیا جانئے ہوتے ہیں سخن لطف کے کیسے
پوچھا نہیں اُن نے تو ہمیں پیار سے اب تک

کچھ ہو اے مرغ قفس لطف نہ جاوے اس سے
نغمہ یا نالہ ہر اک بات کا انداز ہے ایک
ناتوانی سے نہیں بال فشانی کا دماغ
ورنہ تا باغ قفس سے مری پرواز ہے ایک

گلی تک تیری، لایا تھا ہمیں شوق
کہاں طاقت کہ اب پھر جائیں گھر تک

کہاں پھر شور شیون جب گیا " میر "
یہ ہنگامہ ہے اس ہی نوحہ گر تک

دست پا مارے وقت بسمل تک
ہاتھ پہونچا نہ پائے قاتل تک
کعبہ پہونچا تو کیا ہوا اے شیخ !
سعی کر ' تک پہونچ کسي دل تک

شاید کہ دیوے رخصت گلشن ہوں بےقرار
میرے قفس کو لے تو چلو باغباں تلک

طاقت ہو جس کے دل میں وہ دو چار دن رہے
ہم ناتوانِ عشق تمہارے کہاں تلک

حق تو سب کچھ تھا ہی ناحق جان دي کس واسطے ؟
حوصلے سے بات کرتا کاشکے منصور تک

اس رشک مہ کے دل میں نہ مطلق کیا اثر
ہر چند پہونچی مری دعا آسماں تلک
جو آرزو کی اُس سے سو دل میں ہے خوں ہوئي
نومید ' یوں بسر کرے کوئي کہاں تلک

دل تنگ ہو جئے تو نہ ملیئے کسو کے ساتھ
ہوتے ہیں ایسے وقت میں یے لوگ کم شریک

ہم گرے اس کے در ہی پر مر کر
اور کوئی کرے وفا کیا خاک
خاک ہی میں ملائے رکھتے ہو
ہو کوئی تم سے آشنا کیا خاک
سب موئے ابتدائے عشق ہی میں
ہووے معلوم انتہا کیا خاک
تربت "میر" پر چلے تم دیر
اتنی مدت میں واں رہا کیا خاک

سبز ہے رونے سے میرے گوشہ گوشہ کشت کا
باعثِ آبادیِ صحرا ہے چشم گریہ‌ناک

محبت میں جی سے گئے "میر" آخر
خبر، گفتنی ہے یہ ہر بے خبر تک

ہر چند صرف غم ہیں، لے دل جگر سے جاں تک
لیکن کبھو شکایت آئی نہیں زباں تک
ہوئے ہیں حواس اور ہوش و خرد گم
خبر کچھ تو آئی ہے اس بے خبر تک

وا ماندہ نقش پا سے یک دشت ہم ہیں بے کس
دشوار ہے پہونچنا اب اپنا ' کارواں تک

عہدِ و عید و حشر و قیامت ہیں دیکھتے
جیتے رہیں گے طالب دیدار کب تلک
صیاد اسیر کر کے جسے اُٹھ گیا ہو "میر"
وہ دام کی شکن میں گرفتار کب تلک

"میر" بندوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ ' خدا سے مانگ

غافل ہیں ' ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ
حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ
تو' ہم میں اور آپ میں مت دے کسی کو دخل
ہوتے ہیں فتنہ ساز بھی یہ درمیاں کے لوگ
فردوس کو بھی آنکھ اُٹھا دیکھتے نہیں
کس درجے سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ
کیا سہل جی سے ہاتھ اُٹھا بیٹھتے ہیں ہائے
یہ عشق پیشگاں ہیں اِلٰہی کہاں کے لوگ

جل جل کے سب عمارت دل خاک ہوگئی
کیسے نگر کو آہ محبت نے دی ہے آگ

اب گرم و سرد دھر سے یکساں نہیں ھے حال
پانی ھے دل ھمارا کبھی ' تو کبھی ھے آگ
یارب ھمیشہ جلتی ھی رھتی ھیں چھاتیاں
یہ کیسی؟ عاشقوں کے دلوں میں رکھی ھے آگ
افسردگئی سوختہ جاناں ھے قہر "میر"
دامن کو ٹک ھلا کہ دلوں کی بجھی ھے آگ

دیکھے ادھر تو مجھ سے نہ یوں آنکھ وہ چھپائے
ظاھر ھے میرے منھ سے مرے مدعا کا رنگ

رہ مرگ سے کیوں ڈراتے ھیں لوگ
بہت اس طرف کو تو جاتے ھیں لوگ
ان آنکھوں کے بیمار ھیں "میر" ھم
بجا دیکھنے ھم کو آتے ھیں لوگ

کیا جو افسردگی کے ساتھ کھلا
دل ' گل بے بہار کے سے رنگ

ایک گردش میں ھیں برابر خاک
کیا جھگڑتے ھیں آسماں سے لوگ

بدتر آپ سے پاؤں کسو کو تو میں اس کا عیب کہوں
خوب تامل کرتا ہوں تو سب مجھ سے بہتر ہیں لوگ

پاس اس کا بعد مرگ ہے آداب عشق سے
بیٹھا ہے میری خاک سے اُٹھ کر غبار الگ

وہ کون سی اُمید برائی ہے عشق میں
رہتا ہے کس اُمید پہ اُمیدوار دل

نہیں بھاتا ترا مجلس کا ملنا
ملے تو' ہم سے تو سب سے جدا مل

نہ تک واشد ہوئی جب سے لگا دل
اِلٰہی غنچہ پژمردہ ہے یا دل

حال مستی جوانی تھی سوگئی
"میر" اس کا خمار ہے تا حال

طریق عشق میں ہے رہ نما دل
پیمبر دل ہے' قبلہ دل' خدا دل

کھل جائیں گی پھر آنکھیں ، جو مرجائے گا کوئی
آتے نہیں ہو باز ، مرے امتحاں سے تم

آہستہ اے نسیم کہ اطراف باغ کے
مشتاق پر فشانی ہیں اک مشت خاک ہم
شمع و چراغ و شعلہ و آتش ، شرار و برق
رکھتے ہیں دل جلے کے بہم سب تپاک ہم

مدت ہوئی کہ چاک قفس ہی سے اب تو " میر "
دکھلا رہے ہیں گل کو دل چاک چاک ہم

ہوس تھی عشق کرنے میں و لیکن
بہت نادم ہوئے دل کو لگا ہم

ہوا جس کے لئے ، اس کو نہ دیکھا
نہ سمجھے " میر " کا کچھ مدعا ہم

جہاں " میر " زیر و زبر ہو گیا
خراماں ہوا تھا وہ محشر خرام

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم
لیک ، لگ چلنے میں بلا ہیں ہم
اے بتاں اس قدر جفا ہم پر
عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم
آستاں پر ترے گذاری عمر
اسی دروازے کے گدا ہیں ہم

سوکھ غم سے ہوئے ہیں کانٹا سے
پر دلوں میں کھٹک رہے ہیں ہم
وقفۂ مرگ اب ضروری ہے
عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم
کیونکہ گرد علاقہ بیٹھ سکے
دامن دل جھٹک رہے ہیں ہم

میں نے جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے
سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم
عشق ، جانا تھا مار رکھے گا
ابتدا میں تھی انتہا معلوم
طرز کینے کی کوئی چھپتی ہے
مدعی کا ہے مدعا معلوم

فقیر ہونے نے سب اعتبار کھویا ہے
قسم بھی کھاؤں تو کہتے ہیں کیا گدا کی قسم

قدم تلے هی رها اس کے یه سر پر شور
جو کهائي هے تو مرے طالع رسا کي قسم
جدال دیر کی رهیاں سنیں کہاں تک "میر"
اتهو حرم کو چلو اب تمهیں خدا کی قسم

سوکهي هی جاتی هے سب کشت هوس ظالم
اے ابرتر آکر تک ایدهر بهي برس ظالم
صیاد بہار اب کي سب لوتوں گا کیا میں هی
تک باغ تلک لے چل میرا بهی قفس ظالم
جوں ابر میں روتا تها جوں برق تو هنستا تها
صحبت نه رهي یوں هي ایک ادهم برس ظالم
سو رشتۂ هستی کو تم دیے چکے هاتهوں سے
کچهه توتے هی هیں جاتے اب تار نفس ظالم

تدبیریں کریں اپنی تن زار و زبوں کی
افراط سے اندوہ کے هوں آپ میں جب هم

مجمع میں قیامت کے اک آشوب سا هوگا
آ نکلے اگر عرصه میں یوں ناله به لب هم
تربت سے همارے نه اتهي گرد بهی اے "میر"
جي سے گئے لیکن نه کیا ترک ادب هم

اب چھوڑتے جہاں وہیں گویا ہے درد سب
پھوڑا سا ہو گیا ہے ترے غم میں تن تمام
میں خاک میں ملا نہ کروں کس طرح سفیر
مجھ سے غبار رکھتے ہیں اہل وطن تمام

منظور سجدہ ہے ہمیں اس آفتاب کا
ظاہر میں یوں کریں ہیں نماز زوال ہم

کون کہتا ہے منھ کو کھولو تم
کاشکے پردے ہي میں بولو تم
حکم آب رواں رکھے ہے حسن
بہتے دریا میں ہاتھ دھو لو تم
رات گذرے ہے سب، تڑپتے "میر"
آنکھ لگ جائے تک تو سو لو تم

جو دیکھو وہ قامت تو معلوم ہو
کہ روکش ہوئے ہیں قیامت سے ہم
نہ تک لا سکا تاب جلوے کی دل
گلہ رکھتے ہیں صبر و طاقت سے ہم
خدا سے بھي شب کو دعا مانگتے
نہ اس کا لیا نام غیرت سے ہم

اُڑتی ھے خاک شہر کي گلیوں میں اب جہاں
سونا لیا ھے گود میں بھر کر وھیں سے ھم

ھردم جبیں خراشي ' ھرآن سینہ کاري
حیران عشق تو ھیں پر گرم کار ھیں ھم

چاھیں تو تم کو چاھیں ' دیکھیں تو تم کو دیکھیں
خواھش دلوں کی تم ھو ' آنکھوں کي آرزو تم

لطف و مہر و خشم و غضب ' ھم ھر صورت میں راضي ھیں
حق میں ھمارے کر گذرو بھی جو کچھ جانو بہتر تم

راہ تکتے تکتے اپني آنکھیں بھی پتھرا چلیں
یہ نہ جانا تھا کہ سختي اس قدر دیکھیں گے ھم

چپ ھیں کچھ جو نہیں کہتے ھم کار عشق کي حیراں ھیں
سوچو حال ھمارا تک تو' بات کي تہ کو پاؤ تم

سوزدروں نے ھم کو پردے میں مار رکھا
جوں شمع آپ ھی کو کھا کھا کے رہ‌گئے ھم

دیر ، کعبہ گئے ہیں اکثر ہم
یعنے ڈھونڈھا ہے اس کو گھر گھر ہم
کوفت سي کوفت ، اپنے دل پر ہے
چھاتی کو ٹانکتے ہیں اکثر ہم

اب اپنی جان سے ہیں تنگ دم رکے ہے بہت
ملا ہی دیں گے تري تیغ سے گلو کو ہم

عشق ہمارے درپے جاں ہے ، آئے گھر سے نکل کر ہم
باہر ، پر دیکھا یہي فلک ہے جاویں کدھر چل کر ہم

کب تک یہ دز دیدہ نگاہیں عمداً آنکھیں جھکا لینا
دلبر ہوتے فيالواقع تو آنکھیں یوں نہ چھپاتے تم
بعد نماز دعائیں کیں سو "میر" فقیر ہوے تم تو
ایسي مناجاتوں سے آگے کاش کہ ہاتھ اُٹھاتے تم

سو طرف لے جاتی ہے ہم کو پریشاں خاطري
یاں کسے ڈھونڈھو ہو تم ، کیا جانئے کیدھر ہیں ہم

فاش نہ کرئے راز محبت ، جانیں اس میں جاتي ہیں
درد دل آنکھوں سے ہر اک کے ، تا مقدور چھپاؤ تم

صاحب اپنا ہے بندہ پرور "میر"
ہم جہاں سے نہ جائیں گے محروم

بہلانے کو دل ' باغ میں آئے تھے سو بلبل
چلانے لگے ایسے کہ بیزار ہوئے ہم
اک عمر دعا کرتے رہے یار کو دن رات
دشنام کے اب اس کے سزاوار ہوئے ہم
ہم دام بہت وحشی طبیعت تھے ' اتھے سب
تھی چوٹ جو دل پر سو گرفتار ہوے ہم

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں
ایک مدت سے وہ مزاج نہیں
ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن
مرضِ عشق کا علاج نہیں

اک دم تو چونک بھی پڑ شور و فغاں سے میرے
اے بخت خفتہ کب تک تیرے تئیں جگاؤں
اسود گی تو معلوم اے ''میر'' جیتے جی یاں
آرام تب هي پاؤں جب جی سے ہاتھ اُٹھاؤں

دم آخر ہے بیٹھ جا ! مت جا
صبر کر تک کہ ہم بھی چلتے ہیں

بے روی و زلف یار ہے رونے سے کام یاں
دامن ہے منھہ پہ ابر نمط ' صبح و شام یاں
نا کام رهنے هی کا تمہیں غم ہے آج " میر "
بہتوں کے کام هو گئے هیں کل تمام یاں

نہ کہا تھا اے رفو گر مرے ٹانکے هوں گے ڈھیلے
نہ سیا گیا یہ آخر دل چاکِ بے قراراں

متصل روتے هي رهئے تو بجھے آتش دل
ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے هیں
وقت خوش ان کا جو هم بزم هیں تیرے ' هم تو
در و دیوار کو احوال سنا جاتے هیں
ایک بیمار جدائي هوں میں آپ هي ' تس پر
پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے هیں

کہیو قاصد جو وہ پوچھے همیں کیا کرتے هیں
جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے هیں

اس کے کوچے میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر
شیخ یاں ایسے تو هنگامے هوا کرتے هیں
تجھہ بن ' اس جان مصیبت زدہ غم دیدہ پہ هم
کچھہ نہیں کرتے تو افسوس کیا کرتے هیں

آتے ہیں مجھے خوب سے دونوں ہنر عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں
اس گلشن دنیا میں شگفتہ نہ ہوا میں
ہوں غنچہ افسردہ کہ مردود صبا ہوں
دل خواہ جلا اب تو مجھے اے شب ہجراں
میں سوختہ بھی منتظر روز جزا ہوں

ناموس دوستی سے گردن پھنسی ہے اپنی
جیتے ہیں جب تلک ہم، تب تک نباہتے ہیں
سہل اس قدر نہیں ہے مشکل پسندی میری
جو تجھ کو دیکھتے ہیں مجھ کو سراہتے ہیں

جی انتظارکش ہے آنکھوں میں رہگذر پر
آ جا نظر کہ کب تک میں تیری راہ دیکھوں
آنکھیں جو کھل رہی ہیں مرنے کے بعد میری
حسرت یہ تھی کہ اس کو میں اک نگاہ دیکھوں
آنکھیں تو تونے دی ہیں اے جرم بخش عالم
کیا تری رحمت آگے، اپنے گناہ دیکھوں

چہرے پہ جیسے زخم ہے ناخن کا ہر خراش
اب دیدنی ہوئی ہیں مری دست کاریاں

تربت سے عاشقوں کے نہ اوتھا کبھو غبار
جي سے گئے ولے نہ گئیں رازداریاں

رکھتا ھے سوز عشق سے دوزخ میں روز و شب
لے جائے گا یہ سوختہ دل ' کیا بہشت میں
آسودہ کیونکہ ھوں میں کہ مانند گرد باد
آوارگی تمام ھے میری سرشت میں
کب تک خراب سعي طواف حرم رھوں
دل کو اتھا کے بیٹھ رھوں گا کنشت میں

خار کر جن نے لڑي موتي کی کر دکھلایا
اس بیابان میں وہ آبلہ پا میں ھی ھوں

" میر '' آوارہ عالم جو سنا ھے تونے
خاک آلودہ وہ اے باد صبا میں ھي ھوں

جاتا ھے اک ھجوم غم عشق جی کے ساتھ
یہ وہ نہیں متاع کہ ھو ' ھر دکان میں

غم کھینچنے کو کچھ تو توانائی چاھئے
سو یاں نہ دل میں تاب نہ طاقت ھے جان میں

وے دن گئے کہ آتش غم دل میں تھی نہاں
سوزش رہے ہے اب تو ہر اک استخوان میں

خرد مندی ہوئی زنجیر ' ورنہ
گذرتی خوب تھی دیوانہ پن میں
گداز عشق میں یہ بھی گیا "میر"
یہی دھوکا سا ہے اب پیرہن میں

ان آئینہ رویوں کے کیا "میر" بھی عاشق ہیں
جب گھر سے نکلتے ہیں حیران نکلتے ہیں

حسن کلام کھینچے کیوں کر نہ دامن دل
اس کام کو ہم آخر محبوب کر چکے ہیں

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں
اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں
عجز و نیاز اپنا ' اپنی طرف ہے سارا
اس مشت خاک کو ہم موجود جانتے ہیں

مانند شمع ہم نے ' حضور اپنے یار کے
کار وفا تمام کیا ایک آہ میں

میں صید جو ہوا تو ندامت اُسے ہوئی
اک قطرۂ خون بھی نہ گرا صید گاہ میں

نہ تنگ کر اُسے اے فکر روزگار کہ میں
دل اُس صنم کے لئے مستعار لایا ہوں
چلا نہ اوٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو ''میر''
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں

جفائیں دیکھ لیا بے وفائیاں دیکھیں
بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

صبر و طاقت کو کڑھوں یا خوش دلی کا غم کروں
اس میں حیراں ہوں بہت، کس کس کا میں ماتم کروں
گرچہ میں گنتی میں ہوں، پر ایک دم مجھ تک، تو آ
یا اِدھر ہوں یا اُدھر، کب تک شمار دم کروں

کہیں مست، چالاک، ناخن نہ لاگے
کہ سینہ ہے قرب وجوار گریباں
نشاں اشک خونی کے اڑتے چلے ہیں
خزاں ہو چلی ہے بہار گریباں

پاس مجھ کو بھي نہیں ھے "میر" اب
دور پہونچي ھیں مری رسوائیاں

لایا ھے مرا شوق مجھے پردے سے باھر
میں ورنہ وھي خلوتئي راز نہاں ھوں
دیکھا ھے مجھے جن نے سو دیوانہ ھے میرا
میں باعث آشفتگئي طبع جہاں ھوں
ھوں زرد غم تازہ نہالان چمن سے
اس باغ خزاں دیدہ میں ، میں برگ خزاں ھوں
رکھتي ھے مجھے خواھش دل بسکہ پریشاں
در پے نہ ھو ' اس وقت خدا جانے کہاں ھوں

کبھے داغ رھتا ھے ' کبھ دل جگر خوں
ان آنکھوں سے کیا کیا ستم دیکھتے ھیں

جی میں پھرتا ھے "میر" وہ میرے
جاگتا ھوں کہ خواب کرتا ھوں

پری سمجھے تجھے وھم و گماں سے
کہاں تک اور ھم دل اب جلاویں

مري نسود نے مجھ کو کیا برابر خاک
میں نقش پا کي طرح پائمال اپنا ھوں

سید ہو یا چمار ہو اس جا وفا ہے شرط
کب عاشقی میں پوچھتے ہیں ذات کے تئیں

ملنے لگے ہو دیر دیر ' دیکھئے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی ' بندے میں کچھ رہا نہیں
بوئے گل اور رنگ گل دونوں ہیں دل کش' اے نسیم
لیک بہ قدر یک نگاہ دیکھئے تو وفا نہیں

کوئی تو زمزمہ کرے میرا سا دل خراش
یوں تو قفس میں اور گرفتار بہت ہیں

خوبرو سب کی جان ہوتے ہیں   آرزوے جہان ہوتے ہیں
کبھو آتے ہیں آپ میں تجھ بن   گھر میں ہم مہمان ہوتے ہیں

سینے پہ داغ کا احوال میں پوچھوں ہوں نسیم
یہ بھی تختہ کبھو ہو وے گا سزاوار چمن

کم نہیں ہے دل پر داغ بھی اے مرغ اسیر
گل میں کیا ہے جو ہوا ہے تو طلب گار چمن

کتنی باتیں بنا کے لاؤں ایک
یاد رہتی ترے حضور نہیں

پھر جئیں گے جو تجھ سا ہے جاں بخش
ایسا جینا ہمیں ضرور نہیں
عام ہے یار کی تجلی "میر"
خاص موسیٰ و کوہ طور نہیں

آتا وہ تیرے کوچے میں ہوتا جو "میر" یاں
کیا جانئے کدھر کو گیا کچھ خبر نہیں

سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مجھ سے اے ناصح!
وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عاقبت بیزار کہتے ہیں

داد لے چھوڑوں میں صیاد سے اپنے لیکن
ضعف سے میرے تئیں طاقت فریاد نہیں

اک لحظہ سینہ کوبی سے فرصت ہمیں نہیں
یعنی کہ دل کے جانے کا ماتم بہت ہے یاں
اس بتکدے میں معنی کا کس سے کریں سوال
آدم نہیں ہے صورت آدم بہت ہے یاں
میرے ہلاک کرنے کا غم ہے عبث تمہیں
تم شاد زندگانی کرو غم بہت ہے یاں
شاید کہ کام صبح تک اپنا کھینچے نہ "میر"
احوال آج شام سے درہم بہت ہے یاں

چھوٹنا ممکن نہیں اپنا قفس کے قید سے
مرغ سحر آہنگ کو کوئی رہا کرتا نہیں

سینہ سپر کیا تھا جن کے لئے بلا کا
وے بات بات میں اب ' تلوار کھینچتے ہیں
ناوک سے " میر " اس کے دل بستگی تھی مجھ کو
پیکاں جگر سے میرے دشوار کھینچتے ہیں

سرخ رہتی ہیں مری آنکھیں لہو رونے سے شیخ
مے اگر ثابت ہو مجھپر ' واجب‌التعزیر ہوں

خلاف اِن اہِر خوباں کے ' سدا یہ جی میں رہتا ہے
یہی تو " میر " اک خوبی ہے معشوق خیالی میں

سنا جاتا ہے شہر عشق کے گرد
مزاریں ہی مزاریں ہوگئی ہیں

خوش نہ آئی تمہاری چال ہمیں
یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں
حال کیا پوچھ پوچھ جاتے ہو
کبھی پاتے بھی ہو بحال ہمیں

وجہ کیا ہے کہ "میر" منہہ پہ ترے
نظر آتا ہے کچھ ملال ہمیں

ہمیں تو نزع میں شرمندہ آکے تم نے کیا
رہا ہے ایک رمق جی سو کیا نثار کریں

موے ' سہتے سہتے جفا کاریاں کوئی ہم سے سیکھے وفاداریاں

دن نہیں ' رات نہیں ' صبح نہیں ' شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں
بیقراری جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے
کچھ تو ہے "میر" کہ اک دم تجھے آرام نہیں

آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
غیر ہی مورد عنایت ہے ہم بھی تو تم سے پیار رکھتے ہیں

بت ' برہمن کوئی نا محرم نہیں اللہ کا
ہے حرم میں شیخ ' لیکن " میر '' وہ محرم نہیں

خدا جانے کہ دنیا میں ملیں اُس سے کہ عقبیٰ میں
مکاں تو " میر '' صاحب شہرۂ عالم ہیں یہ دونوں

ہے تکلف نقاب وے رخسار
کیا چھپیں ' آفتاب ہیں دونوں

سو جگہ اُس کی آنکھیں پڑتی ہیں
جیسے مست شراب ہیں دونوں

آگے دریا تھے ' دیدۂ تر "میر"
اب جو دیکھو ! سراب ہیں دونوں

——

مدعی ' مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں
چپکے تم سنتے ہو بیٹھے ' اِسے کیا کہتے ہیں ؟

عشق کے شہر کی بھی رسم کے ہیں کشتے ہم
درد جاں‌کاہ جو ہو اُس کو دوا کہتے ہیں

——

اپنا ہی ہاتھ سر پہ رہا اپنے ' یاں سدا
مشفق کوئی نہیں ہے ' کوئی مہرباں نہیں

اِس عہد کو نہ جانیے اگلا سا عہد "میر"
وہ دور اب نہیں ' وہ زمین آسماں نہیں

——

کوئی بجلی کا ٹکرا اب تلک بھی
پڑا ہوگا ہمارے آشیاں میں

پھرے ہے چھانتا ہی خاک اے "میر"
ہوس کیا ہے مزاج آسماں میں

——

اُٹھاتے ہاتھ کیوں نومید ہو کر
اگر پاتے اثر کچھ ہم دعا میں
کہے ہے ہر کوئی ' اللہ میرا
عجب نسبت ہے بندے میں ' خدا میں
بلا ' تہہ‌دار بحر عشق نکلا
نہ ہم نے انتہا کی ابتدا میں
اگرچہ خشک ہیں جیسے پر کاہ
اُڑے ہیں "میر" لیکن ہم ہوا میں

دیرو حرم سے تو تو ' ٹک گرم ناز نکلا
ہنگامہ ہو رہا ہے اب شیخ و برھمن میں

فہم میں میرے نہ آیا ' پردہ در ہے طفل اشک
روؤں کیا ' اے ہمنشیں ! میں اپنی نادانی کے تئیں ؟
جب جلے چھاتی بہت ' تب اشک افشاں ہو نہ "میر"
کیا ' جو چھڑکا اِس دھکتی آگ پر ' پانی کے تئیں ؟

کیا کہوں ؟ اول بہ‌خود تو دیر میں آتا ہوں میں
پھر جو یاد آتا ہے وہ ' چپکا سا رہ جاتا ہوں میں
اِک جگہ ' کب ٹھہرنے دے ہے یہ مجھ‌کو روزگار
کیوں تم اُکتاتے ہو اِتنا آج کل ؟ جاتا ہوں میں
ہے کمال عشق ' پر بےطاقتی دل کی دلیل
جلوۂ دیدار کی اب تاب کب لاتا ہوں میں

بس چلے تو راہ اُدھر کی میں نہ جاؤں ، لیک " میر "
دل مرا رہتا نہیں ہر چند سمجھاتا ہوں میں

مدت ہوئی کہ بیچ میں پیغام بھی نہیں
نامے کا اُس کی مہر سے اب نام بھی نہیں
ایام ہجر کریے بسر کس اُمید پر
ملنا اُنھوں کا صبح نہیں ، شام بھی نہیں

روؤں تو آتشِ دل شمع نمط بجھتی نہیں
مجھ کو لیجا کے ڈبو دیویں مگر پانی میں
محو کر آپ کو یوں ہستی میں اُس کی جیسے
بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی میں

خاک اُڑاتا اشک افشاں ، آن نکلوں میں تو پھر
دشت کو دریا کروں ، بستی کے تئیں صحرا کروں

کیا کوفتیں اُٹھائیں ہجراں کی ، درد و غم میں ؟
تڑپا ہزار نوبت ، دل ایک ایک دم میں

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں ؟
اِس سے آنکھیں لگیں ، تو خواب کہاں ؟

بےکلی دل ہی کی تماشا تھی
برق میں ایسے اضطراب کہاں ؟
ہستی اپنی ہے بیچ میں پردا
ہم نہ ہوویں ' تو پھر حجاب کہاں ؟
گریۂ شب سے سرخ ہیں آنکھیں
مجھ بلا نوش کو شراب کہاں ؟
عشق کا گھر ہے "میر" سے آباد
ایسے پھر خانماں‌خراب کہاں ؟

کاشکے ' دل دو تو ہوتے عشق میں
ایک رہتا ' ایک کھوتے عشق میں

جا ' ہمیں اُس گلی میں گر رہنا
ضعف و بےطاقتی بہانے ہیں
عشق کرتے ہیں اُس پری‌رو سے
"میر" صاحب بھی کیا دوانے ہیں

اضطراب و قلق و ضعف ہیں گر "میر" یہی
زندگی ہو چکی اپنی تو ان آزاروں میں

ابکے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

کہیے لطافت اُس تن نازک کی "میر" کیا ؟
شاید یہ لطف ہوگا کسو جان پاک میں

خاک ہوئے ، برباد ہوئے ، پامال ہوئے ، سب محو ہوئے
اور شدائد عشق کے روکے ، کیسے ہم ہموار کریں ؟
زردئی رخ ، رونا ہر دم کا ، شاہد دو جب ایسے ہیں
چاہت کا ، انصاف کرو تم ، کیوں کر ہم انکار کریں ؟

ہوتا ہے گرم کیا تو ، اے آفتاب خوبی !
اک آدہ دم میں میں تو ، شبنم‌نمط ہوا ہوں

ہے عاشقی کے بیچ ، ستم دیکھنا ہی لطف
مر جانا آنکھیں موند کے یہ کچھ ہنر نہیں

نکلے ہوس ، جو اب بھی ہو وارھی قفس سے
شایستۂ پریدن دو چار پر رہے ہیں
نے غم ہے ہم کو یاں کا ، نے فکر کچھ ہے واں کا
صدقے جنوں کے ، کیا ہم بے درد سر رہے ہیں

یوں قیدیوں سے کب تئیں ہم تنگ‌تر رہیں ؟
جی چاہتا ہے ، جاکے کسو اور مر رہیں

کیا کیا لقب ہیں، شوق کے عالم میں، یار کے؟
کعبہ لکھوں کہ قبلہ اُسے یا خدا لکھوں؟

کیا کہیے، آہ، جی کو قیامت ہے انتظار
آتا نہ کاش وعدۂ دیدار درمیاں
بازار میں دکھائي ہے کب اُس نے جنس حسن
جو بک نہیں گئے ہیں خریدار درمیاں

تم تو اب آنے کو پھر کہہ چلے ہو کل، لیکن
بےکل ایسا ہي رہا شب، تو یہ بیمار کہاں؟
گوکہ گردن تئیں یاں کوئی لہو میں بیٹھے
ہاتھہ اُٹھانا ہے جفا سے وہ ستمگار کہاں؟

اے! مجھہ سے تجھہ کو سو ملے، تجھہ سا نہ پایا ایک میں
سو سو کہیں تونے مجھے، منھہ پر نہ لایا ایک میں
عالم کی میں نے سیر کي، مجھہ کو جو خوش آیا سو تو
سب سے رہا محظوظ تو، تجھہ کو نہ بھایا ایک میں

چمن میں جاکے بھرو تم گلوں سے جیب و کنار
ہم اپنے دل ہی کے ٹکڑوں سے گل بداماں ہیں
رہا ہے کون سا پردا ترے ستم کا شوخ؟
کہ زخم سینہ ہمارے سبھی نمایاں ہیں

جور کیا کیا ' جفائیں کیا کیا ہیں ؟
عاشقی میں بلائیں کیا کیا ہیں

گلہ عشق کا ' بدو خلقت سے ہے
غم دل کی ' کچھ انتہا ہی نہیں
وہ کیا کچھ نہیں حسن کے شہر میں ؟
نہیں ہے تو رسم وفا ہی نہیں
نہیں دیر اگر ' "میر" کعبہ تو ہے
ہمارے ' کوئی کیا خدا ہی نہیں

اندیشہ زاد رہ کا رکھیے تو ہے مناسب
چلنے کو یاں سے اکثر تیار قافلے ہیں

محبت نے کھویا کھپایا ہمیں
بہت اس نے ڈھونڈھا نہ پایا ہمیں
پھرا کرتے ہیں دھوپ میں جلتے ہم
ہوا ہے ' کہے تو کہ سایا ہمیں
گہے تر رہیں ' گاہ خوں بستہ تھیں
اِن آنکھوں نے کیا کیا دکھایا ہمیں
نہ سمجھی گئی دشمنی عشق کی
بہت ' دوستوں نے جتایا ہمیں

جلنوں نے تماشا بنایا ہمیں
رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں
سدا ، ہم تو کھوئےگئے سے رہے
کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں ؟
شب ، آنکھوں سے دریا سا بہتا رہا
انہیں نے کنارے لگایا ہمیں
جلیں پیش و پس جیسے شمع و پتنگ
جلا وہ بھی جس نے جلایا ہمیں

روے سخن جو ہے تو مرا چشم و دل کي اور
تم سے خدا نہ خواستہ مجھ کو گلا نہیں

کیا کہیں ، آتش ہجراں سے گلے جاتے ہیں
چھاتیاں سلگیں ہیں ایسی کہ جلے جاتے ہیں

معلوم نہیں ، کیا ہے لب سرخ بتاں میں
اس آتش خاموش کا ہے شور جہاں میں
یہ دل جو شکستہ ہے سو بے لطف نہیں ہے
تھہرو کوئي دم آن کے ، اس توٹے مکاں میں
وے یاسمن تازہشگفتہ میں کہاں "میر"
پائے گئے لطف ، اُس کے جو پانؤوں کے نشاں میں

غفلت دل سے ستم گذریں ہیں سو مت پوچھو
قافلے چلنے کو تیار ہیں ' ہم خواب میں ہیں
اِس سے کیا دور؟ جو بیٹھے بھی ہیں اپنے اغیار
پاس ' اِس طور کے بھی عشق کے آداب میں ہیں
ہم بھی اِس شہر میں اُن لوگوں سے ہیں ' خانہ خراب
''میر''! گھر بار جنوں کے رہ سیلاب میں ہیں

نگاہ حسرت بت ' دیر سے جانے کی مانع ہے
مزاج اپنا بہت چاہا کہ سوے کعبہ لاؤں میں

رو چکا خون‌جگر سب ' اب جگر میں خوں کہاں ؟
غم سے پانی ہوکے کب کا بہہ گیا ' میں ہوں کہاں ؟
عاشق و معشوق یاں آخر فسانے ہو گئے
جاے گریہ ہے یہاں ' لیلیٰ کہاں مجنوں کہاں ؟

اِس جنوں میں کہیں ہے سر پر خاک
ٹکڑے ہوکر گیا لباس کہیں

ظلم و ستم کیا ؟ جور و جفا کیا ؟ جو کچھ کہیے اُٹھاتا ہوں
خفت کھینچ کے جاتا ہوں ؛ رہتا نہیں دل ' پھر آتا ہوں
پھاڑ کے خط کو گلے میں ڈالا ' شہر میں سب تشہیر کیا
سامنے ہوں قاصد کے کیوں‌کر ؟ اُس سے میں شرماتا ہوں

پہلے فریب لطف سے اُس کے ' کچھ نہ ہوا معلوم مجھے
اب جو چاہ نے بدلیں طرحیں ' کڑھتا ہوں پچھتاتا ہوں

یہ تصرف عشق کا ہے سب ' وگرنہ ظرف کیا ؟
ایک عالم غم سمایا خاطر ناشاد میں

رفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں
ساتھ اِس کارواں کے ہم بھی ہیں
جس چمن‌زار کا ہے تو گلِ تر
بلبل اُس گلستاں کے ہم بھی ہیں
وجہ بیگانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ہو ' واں کے ہم بھی ہیں

رہے پھرتے دریا میں گرداب سے
وطن میں بھی ہیں ہم سفر میں بھی ہیں

دل کے الجھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں ' اے ناصح
تو کسو زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں
اُس کے کاکل کی پہیلی ' کہو ؟ تم بوجھے ' " میر "
کیا ہے ؟ زنجیر نہیں ' دام نہیں ' مار نہیں

جہاں سے دیکھیے ' اِک شعر شورانگیز نکلے ہے
قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں

بہ حالِ سگ ' پھرا کب تک کروں یوں اُس کے کوچے میں
خجالت کھینچتا ہوں " میر " آخر میں بھی انساں ہوں

جہاں ہو تیغ بہ کف کوئی سادہ ' جا لگتا
اب اپنی جان کا کچھ احتیاط مجھ کو نہیں
ہوا ہوں فرط اذیت سے میں تو' سن ' اے " میر "
تمیز رنج و خیال نشاط ' مجھ کو نہیں

بہار آئی' کھلے گل ' پھول ' شاید باغ صحرا میں
جھلک سی مارتی ہے کچھ سیاہی داغ صحرا میں

جاے ہے جی' نجات کے غم میں — ایسی جنت گئی جہنم میں
بےخودی پر نہ '' میر '' کی جاؤ — تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

دیکھ اُسے ' ہو ملک سے بھی لغزش
ہم تو دل کو سنبھال لیتے ہیں

تڑپے ہے متصل وہ کہاں ایسی روز و شب ؟
ہے فرق "میر" برق و دل بےقرار میں

گھبرا کے یوں لگے ہے سینے میں دل تڑپنے
جیسے اسیر تازہ بے تاب ہو قفس میں

مرنا ہے خاک ہونا ، ہو خاک اُڑتے پھرنا
اِس راہ میں ابھی تو درپیش مرحلے ہیں
کس دن چمن میں، یا رب! ہوگی صبا گل افشاں ؟
کتنے شکستہ‌پر ہم ، دیوار کے تلے ہیں

شرر سے ، اشک ہیں اب چشم تر میں
لگی ہے آگ ، اِک میرے جگر میں
نہیں عاشق و معشوق کے رنگ
جدا رہتے ہیں ہم وے ایک گھر میں
بلا ہنگامہ تھا کل اُس کے در پر
قیامت گم ہوئی اُس شور و شر میں
رہا تھا دیکھ ایدھر "میر" چلتے
عجب اِک نا اُمیدی تھی نظر میں

قصور اپنے ہی طول عمر کا تھا
نہ کی تقصیر اُن نے تو جفا میں

جھمکنے لگا خوں تو جائے سرشک
ابھی دیکھیں آنکھیں ہمیں کیا دکھائیں
خدا ساز تھا آزر بت تراش
ہم اپنے تئیں آدمی تو بنائیں
ہمیں بے نیازی نے بٹھلا دیا
کہاں اتنی طاقت کہ منت اٹھائیں

مجھ کو دماغ وصف گل و یاسمن نہیں
میں ، جوں نسیم ، باد فروش چمن نہیں
ہم کو خرام ناز سے مت خاک میں ملا
دل سے ہے جن کو راہ ، یہ اُن کا چلن نہیں

مدت ہوئی کہ کوئی نہ آیا ادھر سے یاں
جاتی رہےگی جان اُسی رہگذر سے یاں
وہ آپ چل کے آوے تو شاید کہ جی رہے
ہوتی نہیں تسلیِ دل ، اب خبر سے یاں

وہ تو نہیں کہ دیکھیں اُس آئینہ رو کو صبح
ہم کس اُمید پر شب غم کو سحر کریں
لاویں کہاں سے خون دل اتنا کہ "میر" ہم
جس وقت بات کرنے لگیں ، چشم تر کریں

کیا راہ چلنے سے ھے اے "میر"! دل مکدر
تو ھي نہیں مسافر، ھے عمر بھی گذر میں

——

شاید کہ جان و تن کي جدائي بھی ھے قریب
جي کو ھے اضطراب بہت اب فراق میں

——

زباں سے ھماری ھے صیاد خوش   ھمیں اب اُمید رھائی نہیں

——

جی ھی جائے ھے "میر" جو اپنا دیر کی جانب کیا کریے
یوں تو مزاج، طرف کعبے کے، بہتیرا ھم لائے ھیں

——

حساب پاک ھو روز شمار میں، تو عجب
گناہ اِتنے ھیں میرے کہ کچھہ حساب نہیں
تلاش "میر" کی اب میکدوں میں کاش، کریں
کہ مسجدوں میں تو وہ خانماں خراب نہیں

——

وہ جو خرام ناز کرے ھے، ٹھوکر دل کو لگتی ھے
چوٹ کے اوپر چوٹ پڑے ھے، دل ھے میرا سنگ نہیں
ھم بھی عالم فقر میں ھیں پر ھم سے جو مانگے کوئي فقیر
ایک سوال میں دو عالم دیں، اِتنے دل کے تنگ نہیں

شعر "میر" بھی پڑھتا ھے تو اور کسو کا لے کر نام
کیوں کر کہیے اُس ناداں کو نام سے میرے ننگ نہیں

برے حال اُس کے گلی میں ھیں "میر"
جو اٹھ جائیں واں سے تو اچھا کریں

پاؤں کو دامن محشر میں ناچاري سے ھم کھینچیں گے
لائق اپني وحشت کے اُس عرصے کا میدان نہیں

یوں ناکام رھیں گے کب تک ? جی میں ھے اِک کام کریں :
رسوا ھوکر مارے جاویں ' اُس کو بھي بدنام کریں

سنتا نہیں ھے شعر بھی وہ حرف ناشنو
دل ھی میں خوں ھوا کیں مري نکتہ دانیاں

کسو سے دل نہیں ملتا ھے ' یارب !
ھوا تھا کس گھڑي اُن سے جدا میں

دل ھے داغ ' جگر ٹکڑے ; رہ جاتے ھیں چپ کے سے
چھاتي سراھیے اُن لوگوں کی جو چاھت کو نباھیں ھیں

دل اُلجھے اِن بالوں میں، تو آخر سودا ہوتا ہے
کوچے کو زنجیر کے یعني زلفوں سے دو راہیں ہیں

رونا روز شمار کا مجھ کو آٹھ پہر اب رہتا ہے
یعنے میرے گناہوں کو کچھ حصر و حد و حساب نہیں

دیکھی تھیں ایک روز تري مست انکھڑیاں
انگڑائیاں ہي لیتے ہیں اب تک خمار میں
شور اب چمن میں میري غزل‌خواني کا ہے "میر"
اِک عندلیب کیا ہے کہوں میں ہزار میں

عشق کے دیوانے کی سلاسل ہلتی ہے تو توڑ دیں ہم
بگڑے پیل مست کی سی زنجیروں کی جھنکاریں ہیں

کیا کیا مردم خوش‌ظاہر ہیں عالم حسن میں، نام خدا
عالم عشق خرابہ ہے، واں کوئی گھر آباد نہیں
عشق کوئی ہمدرد کہیں مدت میں پیدا کرتا ہے
کوہ رہیں گو نالاں برسوں، لیکن اب فرہاد نہیں

چلتے ہیں ناز سے جب، ٹھوکر لگے ہے دل کو
آتیں نہیں سمجھ میں اِن دلبروں کی چالیں

میکشی صبح و شام کرتا ہوں فاقہ‌مستی مدام کرتا ہوں

قطعہ

کوئی ناکام یوں رہے کب تک میں بھی اب ایک کام کرتا ہوں
یا تو لیتا ہوں داد دل یا اب کام اپنا تمام کرتا ہوں

مرگئے نا اُمید ہم مجبور
خواہشیں جی کی اپنے جی میں رہیں
دیر سے ”میر“ اُتھ کے کعبے گئے
کہیے کیا ؟ نکلے جا کہیں کے کہیں

اُس سے گھبرا کے جو کچھ کہنے کو آجاتا ہوں
دل کی پھر دل میں لیے چپکے چلا جاتا ہوں
مجلس یار میں تو بار نہیں پاتا ہوں
در و دیوار کو احوال سنا جاتا ہوں

میں منہہ نہیں لگایا بنت‌العنب کو گاہے
تب تھا جوان صالح ' اب پیر میکدہ ہوں

رنگینیء زمانہ سے خاطر نہ جمع رکھ
سو رنگ بدلے جاتے ہیں ' یاں ایک آن میں

آئے ہیں "میر" کافر ہوکر خدا کے گھر میں
پیشانی پر ہے قشقہ' زنّار ہے کمر میں

طرفہ خوش‌رو' دمِ خوں‌ریز ادا کرتے ہیں
وار جب کرتے ہیں منہہ پھیر لیا کرتے ہیں
غم و اندوہ و بےتابی' الم' بے طاقتی' حرماں
کہوں' اے ہم نشیں! تاچند غم ہاے فراواں کو

یہ کیا جانوں ہوا سینے میں کیا اِس دل کو اب' ناصح
سحر خوں‌بستہ تو دیکھا تھا میں نے اپنی مژگاں کو
صداے آہ' جیسے تیر' جی کے پار ہوتی ہے
کسو بے درد نے کھینچا کسو کے دل سے پیکاں کو

کیا جانیے' اے گوہر مقصد! تو کہاں ہے
ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملا تو
اِس جینے سے اب دل کو اُٹھا بیٹھیں گے ہم بھی
ہے تجھ کو قسم' ظلم سے مت ہاتھ اُٹھا تو

خط لکھ کے کوئی سادہ نہ اُس کو ملول ہو
ہم تو ہوں بدگمان' جو قاصد رسول ہو
جاویں نثار ہونے کسو ہم کس بساط پر
اِک نیم جاں رکھیں ہیں' سو وہ جب قبول ہو

آہ کس ڈھب سے روئیے کم کم   شوق حد سے زیادہ ہے ہم کو
دوستی ایک سے بھی تجھ کو نہیں   اور سب سے عناد ہے ہم کو
نامرادانہ زیست کرتا تھا   "میر" کا طور یاد ہے ہم کو

خدا کرے کہ نصیب اپنے ہو نہ آزادی
کدھر کے ہوچکے، جو بے بال و پر رہائی ہو
اُس آفتاب سے تو فیض سب کو پہونچے ہے
یقین ہے کہ کچھ اپنی ہی نارسائی ہو
ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے
اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

گر ذوق سیر ہے، تو آوارہ اِس چمن میں
مانند عندلیب گم‌کردہ آشیاں ہو
اُس تیغ‌زن سے کہیو، قاصد! مری طرف سے
اب تک بھی نیم‌جاں ہوں، گر قصد اِمتحاں ہو

عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے   آہ تم بھی تو اِک نظر دیکھو
ہر خراش جبیں جراحت ہے   ناخن شوق کا ہنر دیکھو

آرام ہوچکا مرے جسم نزار کو
رکھے خدا جہاں میں دل بےقرار کو

هنستا ہی میں پھروں جو مرا کچھ ہو اختیار
پھر کیا کروں میں دیدۂ بےاختیار کو

اچھی لگے ہے تجھ بن، گل گشت باغ کس کو
صحبت رکھے گلوں سے، اِتنا دماغ کس کو

خاکِ حسرت‌زدگاں پر تو گزر بے وسواس
اِن ستم کشتوں سے اب عرض تمنا کیا ہو

عالم ہے شوق گشتہ، خلقت ہے تیری رفتہ
جانوں کی آرزو تو، آنکھوں کا مدعا تو

سجدے کا کیا مضائقہ محراب تیغ میں
پر یہ تو ہو کہ نعش پہ میری نماز ہو
اک دم تو ہم پہ تیغ کو تو بے دریغ کھینچ
تا عشق میں، ہوس میں، تنک امتیاز ہو
جوں توں کے اُس کی چاہ کا پردا کیا ہے میں
اے چشم گریہ‌ناک نہ افشاے راز ہو

نالہ اگر مرا سبب شور و شر نہ ہو
پھر مر بھی جائیے، تو کسو کو خبر نہ ہو

صبح سے یاں پھر جان و دل پر ' روز قیامت رھتي ھے
رات کبھو آرھتے ھو تو یہ دن ھم کو دکھاتے ھو

ھائے اُس زخمي شمشیر محبت کا جگر
درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ھو
گل ھو ' مہتاب ھو ' آئینہ ھو ' خورشید ھو "میر"
اپنا محبوب وھي ھے جو ادا رکھتا ھو

سرو ' گل اچھے ھیں دونوں رونق ھیں گلزار کی لیک
چاھیے رو اُس کاسا رو ھو ' قامت ویسا قامت ھو
ھو جو اِرادہ رھنے کا رہ سکیے تو رھیے آپ
ھم تو چلے جاتے ھیں ھر دم کس کو قصد اقامت ھو
شور و شغب کو راتوں کے ھمسائے تمہارے کیا رووین
ایسے فتنے کتنے اُٹھیں گے " میر " جی تم جو سلامت ھو

خنکي اِتني بھي تو لازم نہیں اِس موسم میں
پاس جوش گل و دل گرمیء ایام کرو
سایۂ گل میں لب جو پہ گلابي رکھو
ھاتہ میں جام کو لو ' آپ کو بدنام کرو
رات تو ساري گئي سنتے پریشاں گوئي
" میر " جی کوئی گھڑي تم بھي تو آرام کرو

هیں یہاں مجھ سے وفا پیشہ نہ بیداد کرو
نہ کرو ایسا کہ پھر میرے تئیں یاد کرو

دل صاف ہو، تو جلوہ‌گہہ یار کیوں نہ ہو؟
آئینہ ہو، تو قابل دیدار کیوں نہ ہو؟
رحمت، غضب میں نسبت برق و سحاب ہے
جس کو شعور ہو، تو گنہ‌گار کیوں نہ ہو؟
ہردم کی تازہ مرگ جدائي سے تنگ ہوں
ہونا جو کچھہ ہے، آہ، سو اِک بار کیوں نہ ہو؟

کامل ہو اِشتیاق تو اِتنا نہیں ہے دور
حشر دگر پہ وعدۂ دیدار کیوں نہ ہو؟
شاید کہ آوے پرسش احوال کو کبھو
عاشق بھلا سا ہووے، تو بیمار کیوں نہ ہو؟

مجنوں جو دشت گرد تھا، ہم شہر گرد ہیں
آوارگي ہماري بھی مذکور کیوں نہ ہو؟

ہردم وہ شوخ دست بہ شمشیر کیوں نہ ہو؟
کچھہ ہم نے کي ہے ایسي ہی تقصیر کیوں نہ ہو؟

وے جو مست بےخودی هیں عیش کرتے هیں مدام
میکدے میں دهر کے مشکل هے تک هشیار کو

زیادہ حد سے تهي تابوت "میر" پر کثرت
هوا نہ وقت مساعد یہ ناز کرنے کو

حال تم "میر" کا اے اهل وفا مت پوچهو
اُس ستم کشتہ پہ جو گذري جفا مت پوچهو
هوش و صبر و خرد و دین و حواس و دل و تاب
اس کے آتے هي میں کیا کیا نہ گیا ، مت پوچهو

نالۂ شب نے کیا هے جو اثر ، مت پو چهو
تکرے تکرے هوا جاتا هے جگر ، مت پو چهو

اُس کي طرز نگاہ ، مت پوچهو　　جی هي جانے هے، آہ، مت پوجهو

قطعہ

تها کرم پر اسي کے شرب مدام　　میرے اعمال ، آہ ، مت پوچهو
تم بهي ، اے مالکان روز جزا　　بخش‌دو اب گناہ ، مت پوچهو

کہنے سے "میر" اور بھي ھوتا ھے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اِس دل خانہ خراب کو

چاھتا ھے جي کہ ھم تم ایک جا تنہا ملیں
ناز بےجا بھي نہ ھووے، کم‌نگاھي بھي نہ ھو

واماندگی نے مارا اثنائے رہ میں ھم کو
معلوم ھے پہنچنا اب کارواں تلک تو
افسانہ غم کا لب تک آیا ھے مدتوں میں
سو جائیو نہ پیارے اِس داستاں تلک تو
اے کاش خاک ھي ھم رھتے کہ "میر" اِس میں
ھوتي ھمیں رسائی اُس آستاں تلک تو

بے طاقتی میں شب کو پوچھو نہ ضبط میرا
ھاتھوں میں دل کو رکھا، دانتوں تلے جگر کو
ھے روزگار میرا ایسا ھی یہ کہ یارو
مشکل ھے فرق کرنا تک شام سے سحر کو
نزدیک ھے کہ جاویں ھم آپ سے، اب آؤ
ملتے ھیں دوستوں سے جاتے ھوئے سفر کو

نہ اک دم صبح تک بھي آنکھ لگنے دے گا دل جلنا
یہی پھر "میر" سا سر گرم آہ سرد ہوگا تو

بدزباں ہو ' جیسے خوش اُسلوب ہو
کیا کہیں جو کچھہ کہ ہو تم خوب ہو

سائے میں ہر پلک کي خوابیدہ ہے قیامت
اس فتنۂ زماں کو کوئي جگا تو دیکھو
اشعار "میر" پر ' ہے اب ہاے واے ہر سو
کچھہ سحر تو نہیں ہے لیکن ہوا تو دیکھو

یہي مشہور عالم ہیں ' دو عالم
خدا جانے ملاپ اُس سے کہاں ہو
جہاں سجدے میں ہم نے غش کیا تھا
وہیں شاید کہ اُس کا آستاں ہو
نہ دل سے جا ' خدا کي تجھہکو سوگند
خدائی میں اگر ایسا مکاں ہو
تم اے نازک تمنا ہو کے سب کے
تمناے دل و آرام جاں ہو

تم تو تصویر ہوئے دیکھہ کے کچھہ آئینہ
اِتني چپ بھي نہیں ہے خوب ' کوئی بات کرو

کیا ہم سے گنہگار ہیں یے سب جو موئے ہیں
کچھ پوچھو نہ اُس شوخ کي رنجش کے سبب کو
ہوگا کسو دیوار کے سائے کے تلے '' میر ''
کیا ربط محبت سے اُس آرام‌طلب کو

تک نہ چل اے نسیم باغ کہ میں
رہ گیا ہوں چراغ سا ' گل ہو
مجھ دوانے کي مت ہلا زنجیر
کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر غل ہو
منکشف ہو رہا ہے حال '' میر ''
کاش تک یار کو تامل ہو

اِس تن پہ نثار کرتے لیکن
اپنی بھي نظر میں تھرے جاں تو
کیا کیا نہ عزیز خوار ہوں گے
ہونے دو اُسے ابھی جواں تو
کیا اُس سے رکھیں امید بہبود
پھرتا ہے خراب آسماں تو
یہ طالع نارسا بھی جاگیں :
سوجائے تک اُس کا پاسباں بھي
مت تربت " میر " کو مٹاؤ
رہنے دو غریب کا نشاں تو

رهتے هو تم آنکھوں میں، پھرتے هو تمھیں دل میں
مدت سے اگرچہ یاں آتے هو نہ جاتے هو

چھاتي ' قفس میں داغ سے هو کیوں نہ رشک باغ
جوش بہار تھا کہ هم آئے اسیر هو
کس طرح ' آہ ' خاک ندامت سے میں اُٹھوں ؟
افتادہ تر جو مجھ سے مرا دست گیر هو
حد سے زیادہ جور و ستم خوش نما نہیں
ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر هو
دم بھر نہ ٹھہرے دل میں نہ آنکھوں میں ایک پل
اِتنے سے قد پہ تم بھي قیامت شریر هو

تک وقت خاص حق میں مرے کچھہ دعا کرو
تم بھی تو "میر" صاحب و قبلہ فقیر هو

نہ لکھیں یار کو محضر همارے خون ناحق کا
دکھا دیویں گے هم محشر میں اُس کے دست رنگیں کو
لئے تسبیح هاتھوں میں جو تو باتیں بناتا هے
نہیں دیکھا هے واعظ تونے اُس غارتگر دیں کو
گیا کوچے سے تیرے اُٹھہ کے "میر" آشفتہ سر شاید
پڑا دیکھا تھا میں نے رہ میں اُس کے سنگ بالیں کو

کیا کیا جوان ہم نے دنیا سے جاتے دیکھے
اے عشق بے محابا دنیا ہو اور تو ہو
ایسی کہو گے کچھ تو، ہم چپکے ہو رہیں گے
ہر بات میں کہاں تک آپس میں گفتگو ہو
مت التیام چاہے پھر دل شکستگاں سے
ممکن نہیں کہ شیشہ ٹوٹا ہوا رفو ہو

اب جو نصیب میں ہے سو دیکھ لونگا میں ہي
تم دست لطف اپنا سر سے مرے اُٹھا لو
یاران رفتہ ایسے کیا دورتر گئے ہیں
ٹک کر کے تیزگامی اُس قافلے کو جالو
یوں رفتہ اور بےخود کب تک رہا کرو گے
تم اب بھی ''میر صاحب'' اپنے تئیں سنبھالو

سر، خاک آستاں پہ تمھاري، رہا مدام
اس پر بھی یا نصیب جو تم بے وفا کہو

سختیاں، دیکھیں تو، ہم سے چند کھنچواتا ہے عشق
دل کو ہم نے بھی کیا ہے اب تو پتھر، ہو سو ہو
کہتے ہیں ٹھہرا ہے تیرا اور غیروں کا بگاڑ
ہوں شریک اے ''میر'' ہم بھي تیرے، بہتر، ہو سو ہو

ہر چند ساتھ جان کے ہے عشق ''میر'' لیک
اِس درد لاعلاج کی کچھ تو دوا کرو

ہجر بتاں میں طبع پراگندہ ہی رہے
کافر بھی اپنے یار سے یارب جدا نہ ہو
آزار کھینچنے کے مزے عاشقوں سے پوچھ
کیا جانے وہ کہ جس کا کہیں دل لگا نہ ہو
کھینچا ہے آدمی نے بہت دور آپ کو
اِس پردے میں' خیال تو کر تک' خدا نہ ہو

ملتفت ہوتا نہیں ہے گاہ تو
کس قدر مغرور ہے اللہ تو
بے خودی رہتی ہے اب اکثر مجھے
حال سے میرے نہیں آگاہ تو
اُس کے دل میں کام کرنا کام ہے
یوں فلک پر کیوں نہ جا' اے آہ' تو
''میر'' تو تو عاشقی میں کھپ گیا
مت کسی کو چند روز اب چاہ تو

عنایت ازلی سے جو دل ملا مجھ کو
محل شکر ہے' آتا نہیں گلا مجھ کو
پڑا رہے کوئی مردا سا کب تلک خاموش ؟
ہلا کہیں' لب جاں‌بخش کو' جلا مجھ کو

درستی جیب کی اِتنی نہیں ہے اے ناصح
بخیے تو سینۂ صد چاک دے سلا مجھ کو

سب سر گذشت سن چکے اب چپکے ہو رہو
آخر ہوئی کہانی مری؛ تم بھی سو رہو
خطرہ بہت ہے "میر" رہ صعب عشق میں
ایسا نہ ہو کہیں کہ دل و دیں کو کھو رہو

ہزار موسم گل تو گئے اسیری میں
دکھائی دے ہے : موئے ہی پہ اب رہائی ہو

مستی اُن آنکھوں سے نکلی ہے اگر دیکھو خوب
خلق بدنام عبث کرتی ہے جام مل کو

یاں جرم گنتے، انگلیوں کے خط بھی مٹ گئے
واں کس طرح سے دیکھیں ہمارا حساب ہو
ہستی پر ایک دم کی تمہیں جوش اِس قدر
اِس بحر موج خیز میں تم تو حباب ہو

قتل کیے پر غصہ کیا ہے؟ لاش مری اُٹھوانے دو
جان سے بھی ہم جاتے رہے ہیں ؛ تم بھی آؤ، جانے دو

کرتے ہو تم نیچی نظریں ' یہ ابھی کوئی مروت ہے ؟
برسوں سے پھرتے ہیں جدا ہم ؛ آنکھ سے آنکھ ملانے دو
اب کے بہت ہے شور بہاراں ' ہم کو مت زنجیر کرو
دل کی ہوس کچھ ہم بھی نکالیں' دھومیں ہم کو مچانے دو
کیا جاتا ہے اِس میں ہمارا چپ کے ہم تو بیٹھے ہیں
دل جو سمجھنا تھا سو سمجھا ' ناصح کو سمجھانے دو

جب کبھو ایدھر سے نکلے ہے' تو اِک حسرت کے ساتھ
دیکھے ہے خورشید اُس کے سایۂ دیوار کو

سارے بازار جہاں کا ہے یہی مول' اے " میر " :
جان کو بیچ کے بھی دل کے خریدار رہو

ہجراں کی سر گذشت مری گفتنی نہیں
کیا کہیے تم سے قصۂ دور و دراز کو

شب ' آنکھ مری لگنے نہیں دیتی ہے بلبل
اِس مرغ کی بےتابیء آواز تو دیکھو

کیا بلاخیز جا ہے کوچۂ عشق
تم بھی یاں " میر " مول اک گھر لو

ہم کو دیوانگی ' شہروں ہی میں خوش آتی ہے
دشت میں قیس رہو ' کوہ میں فرہاد رہو
" میر '' مل مل کے بہت خوش ہوئے تم سے' پیارے
اِس خرابے میں ' مری جان ! تم آباد رہو

زخموں پر اپنے ' نون چھڑکتے رہا کرو
دل کو مزے سے بھی تو تنک آشنا کرو

سر پہ عاشق کے نہ یہ روز سیہ لایا کرو
جی اُلجھتا ہے بہت مت بال سلجھایا کرو

اُڑایا غم نے اب کے سوکھے پتوں کی روش ہم کو
الٰہی سبز رکھیو باغ خوبی کے نہالوں کو

جہاں میں دیر نہیں لگتی آنکھیں مندتے " میر ''
تمہیں تو چاہیے ہر کام میں شتاب کرو

آلودہ خون دل سے صد حرف منہہ پر آئے
مرغ چمن نہ سمجھا انداز گفتگو کو
دل '' میر '' دلبروں سے چاہا کرے ہے کیا کیا
کچھہ انتہا نہیں ہے عاشق کی آرزو کو

کام گئے ہیں شوق سے ضایع صبر نہ آیا یاروں کو
باز رکھا بے تابی دل نے ہم سب غم کے ماروں کو

تھي وفا و مہر تو بابت دیار عشق کي
دیکھیں شہر حسن میں اِس جنس کا کیا بھاو ہو

اِن اُجڑي ہوئی بستیوں میں دل نہیں لگتا
ہے جي میں وہیں جا بسیں ویرانہ جہاں ہو

کیا فرض، ہستی کی رخصت ہے مجھ کو
کہیں اپنے رونے سے فرصت ہے مجھ کو ؟

اِن پلکوں کی کاوش سے زخمی ہے جگر سارا
لے تار نگاہوں کے، نازک سا رفو کیجو

مستي و دیوانگيؔ کا عہد ہے بازار میں
پائےکوباں دستافشاں آن کر پیدا کرو

موسمِ گل آیا ہے، یارو! کچھ میري تدبیر کرو
یعني سایۂ سر و گل میں اب مجھ کو زنجیر کرو

پھیر دیے ھیں دل لوگوں کے ؛ مالک نے کچھ میری طرف
تم بھی تک ، اے آہ و نالہ ! قلبوں میں تاثیر کرو

خلع بدن کرنے سے عاشق ، خوش رھتے ھیں اِس خاطر
جان و جاناں ایک ھیں یعنی بیچ میں تن جو حجاب نہ ھو
تہ داری کچھ دیدۂ تر کی " میر " نہیں کم دریا سے
جوشاں ، شورکناں آ جاوے ھے ، یہ شعلہ سیلاب نہ ھو

اُمید ھے کہ اُس سے قیامت کو پھر ملوں
حسنِ عمل کی واں بھی مکافات ھو تو ھو
منکر نہیں ھے کوئی سیادت کا " میر " کی
ذاتِ مقدس اُن کی یہی ذات ھو تو ھو

مجھے عشق اُس پاس یوں لے گیا
کوئی جیسے لاوے گنہگار کو

کیونکے نیچے ھاتھ کے رکھا دلِ بےتاب کو ؟
وہ جو تڑپا لے گیا آسودگیِ خواب کو
چاھتا ھے جب مسبب آپھی ھوتا ھے سبب
دخل اِس عالم میں کیا ھے عالمِ اسباب کو
دم بہ خود رھتا ھوں اکثر سر رکھے زانو پہ " میر "
حال کہہ کر کیا کروں آزردہ اور احباب کو

بے چین بستر پر رہا' بے خواب خاکستر پہ ہوں
صبر و سکوں جب سے گئے پایا نہیں آرام کو
" میر " اب بھلا کیا ابتدائے عشق کو روتا ہے تو
کر فکر جو پاوے بھی اِس آغاز کے انجام کو

زندگی کرتے ہیں مرنے کے لیے اہل جہاں
واقعہ " میر " ہے درپیش عجب یاروں کو

ابتدا ہی میں مرگئے سب یار
عشق کی پائی انتہا نہ کبھو

فرصت بود و باش یاں کم ہے
کام جو کچھ کرو شتاب کرو
" میر " جی' راز عشق ہوگا فاش
چشم ہر لحظہ مت پر آب کرو

رہے آبرو " میر " تو ہے غنیمت
کہ غارت میں دل کی ہے ایسائے ابرو

چاہت میں خوبرویوں کی کیا جانے کیا نہ ہو
بے تاب دل کا' مرگ کہیں مدعا نہ ہو
آزاد پرشکستہ کو صد رنگ قید ہے
یا رب' اسیر ایسا قفس سے رہا نہ ہو

ھے دامن گل‌چیں ، چمن جیب ھمارا
دنیا میں رھے دیدۂ خوں‌بار ھمیشہ

سیرِ گل‌گشت کے خاطر بنا ھے باغ داغوں سے
پر طاؤس سینہ ھے تمامي دست گل دستہ

آگ تھے ابتدائے عشق میں ھم
اب جو ھیں خاک ، انتہا ھے یہ
شکر اُس کی جفا کا ھو نہ سکا
دل سے اپنے ھمیں گلا ھے یہ
نعشیں اُٹھتی ھیں آج یاروں کی
آن بیٹھو تو خوش‌نما ھے یہ
تیغ پر ھاتھ دم بہ دم کب تک ؟
اِک لگا چک کہ مدعا ھے یہ

دل گیا ، ھوش گیا ، صبر گیا ، جي بھی گیا
شغل میں غم کے ترے ھم سے گیا کیا کیا کچھ ؟
آہ ، مت پوچھ ستم گار کہ تجھ سے تھي ھمیں
چشم لطف و کرم و مہرو وفا ، کیا کیا کچھ ؟
درد دل ، زخم جگر ، کلفت غم ، داغ فراق
آہ ، عالم سے مرے ساتھ چلا کیا کیا کچھ ؟
ایک محروم چلے "میر" ھمیں عالم سے
ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ ؟

جی چاھے مل کسو سے یا سب سے تو جدا رہ
پر ھو سکے تو پیارے تک دل کا آشنا رہ
ھر مشت خاک یاں کی چاھے ھے اِک تامل
بے سوچے راہ مت چل ' ھر گام پر کھڑا رہ
شاید کہ سر بلندی ھووے نصیب تیرے
جوں گرد راہ سب کے پانوں سے تو لگا رہ

مر جاؤ کوئی، پروا نہیں ھے کتنا ھے مغرور، اللہ اللہ !
پیر مغاں سے بے اعتقادی استغفراللہ ' استغفراللہ !

تھی خواھش دل رکھنا حمائل گردن میں اُس کے ھرگاہ و بیگاہ
اِس پر کہ تھا وہ شہرگ سے اقرب ھرگز نہ پہنچا یہ دست کوتاہ

جلوے ھیں اُس کے شانیں ھیں اُس کی
کیا روز، کیا خور، کیا رات، کیا ماہ
ظاھر کہ باطن ' اول کہ آخر
اللہ اللہ اللہ اللہ

کرے ھے جس کو ملامت جہاں وہ میں ھی ھوں
اجل رسیدہ ' جفادیدہ ' اضطراب زدہ

ناحق اُلجھ پڑا ہے یہ مجھ سے طریق عشق
جاتا تھا "میر" میں تو چلا اپنی راہ راہ

کیا موافق ہو دوا، عشق کے بیمار کے ساتھ
جی ہی جاتے نظر آتے ہیں اِس آزار کے ساتھ
مرگئے، پھر بھی کھلی رہ گئیں اپنی آنکھیں
کون اِس طرح موا حسرت دیدار کے ساتھ
کس کو ہر دم ہے لہو رونے کا ہجراں میں دماغ
دل کو اک ربط سا ہے دیدۂ خوں‌بار کے ساتھ
دیکھیے کس کو شہادت سے سر افراز کریں
لاگ تو سب کو ہے اُس شوخ کی تلوار کے ساتھ

سعی اِتنی یہ ضروری ہے، اُٹھے بزم سلک
اے جگر رتفتگیء بے اثر پروانہ
کس گنہ کا ہے پس از مرگ یہ عذرِ جاں سوز
پانو پر شمع کے پاتے ہیں سر پروانہ

کھل گیا منھ اب تو اُس محبوب کا
کچھ سخن کی بھی نکل آوے گی راہ
یار کا وہ ناز اپنا یہ نیاز
دیکھیے ہوتا ہے کیوں کر یہ نباہ

شیخ! تو نے خوب سمجھا "میر" کو
واہ وا، اے بے حقیقت! واہ واہ

پامال ہوں کہ اِس میں ہوں خاک سے برابر
اب ہو گیا ہے سب کچھ ہموار رفتہ رفتہ
گر بت‌کدے میں جانا ایسا ہے "میر جی" کا
تو تار سبحہ ہو گا زنار، رفتہ رفتہ

سائے سے اپنے وحشت ہم کو رہی ہمیشہ
جوں آفتاب ہم بھی کیسے رہے جریدہ

وقت کڑھنے کے ہاتھ دل پر رکھ
جان جاتی رہے نہ آہ کے ساتھ
جاذبہ تو اِن آنکھوں کا دیکھا
جی کھینچے جاتے ہیں نگاہ کے ساتھ

کھینچتا ہے دلوں کو صحرا کچھ
ہے مزاجوں میں اپنے سودا کچھ
وصل اُس کا خدا نصیب کرے
"میر" دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ؟

منھہ نہ ہم جبریوں کا کھلواؤ
کھنے کو اختیار سا ہے کچھہ
ضعف پیری میں زندگانی بھی
دوش پر اپنے بار سا ہے کچھہ

خالي نہیں ہے خواھش دل سے کوئي بشر
جاتے ھیں سب ' جہان سے ' اِک آرزو کے ساتھہ
کیا اضطراب عشق سے میں حرف‌زن ھوں "میر" ؟
منھہ تک جگر تو آنے لگا گفتگو کے ساتھہ

ہم جانتے تو عشق نہ کرتے کسو کے ساتھہ
لے جاتے دل کو خاک میں اِس آرزو کے ساتھہ

محتاج گل نہیں ہے گریبان غم‌کشاں
گلزار اشک خونیں سے جیب و کنار دیکھہ

اب دل خزاں میں رھتا ہے جي کي رکن کے ساتھہ
جانا ھي تھا ھمیں بھی بہار چمن کے ساتھہ

دیکھیں عاشق کا جی بھي ہے کہ نہیں
تنگ ہے جان ناصبور سے وہ

خوش ہیں دیوانگیء "میر" سے سب
کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

ملنا نہ ملنا ٹھہرے، تو دل بھی ٹھہرے اپنا
اقرار ہے ہمیشہ، انکار ہے ہمیشہ
آمادۂ فنا کچھ کیا "میر" اب ہوا ہے
جی مفت دینے کو وہ تیار ہے ہمیشہ

دل ہے میری بغل میں صدپارہ   اور ہر پارہ اِس کا آوارہ

کاش اے جان الم ناک نکل جاوے تو
اب تو دیکھا نہیں جاتا یہ ستم ہم سے بھی
آہ میں غیر سے تاچند کہوں جی کی بات
عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی
ہمت اپنی ہی یہ تھی "میر" کہ جوں مرغ خیال
اک پرافشانی میں گذرے سر عالم سے بھی

دیکھ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے   یہ دھواں سا، کہاں سے اُٹھتا ہے
خانۂ دل سے زینہار نہ جا   کوئی، ایسے مکاں سے اُٹھتا ہے
نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا   شور اک آسماں سے اُٹھتا ہے
بیٹھنے کون دیے ہے پھر اُس کو   جو ترے آستاں سے اُٹھتا ہے
یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم   جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

کروں کیا حسرت گل کو، و گرنہ　　دل پر داغ بھی اپنا چمن ہے

تاب دل، صرف جدائی ہو چکی
یعنی طاقت‌آزمائی ہو چکی
چھوٹتا کب ہے اسیر خوش‌زباں
جیتے جی اپنی رہائی ہو چکی

فرصت میں یک نفس کے، کیا درد دل سنو گے؟
آئے تو تم و لیکن وقت اخیر آئے
بن جی دیے نہیں ہے امکان یاں سے جانا
بسمل‌گہ جہاں میں اب ہم تو "میر" آئے

کب سے نظر لگی تھی دروازۂ حرم سے
پردہ اُٹھا تو لڑیاں آنکھیں ہماری ہم سے
سوزش گئی نہ دل کی، رونے سے روز و شب کے
جلتا ہوں، اور دریا بہتے ہیں چشم نم سے
کیا کیا تعب اٹھائے، کیا کیا عذاب دیکھے؟
تب دل ہوا ہے اِتنا خوگر ترے ستم سے
ہستی میں ہم نے آکر آسودگی نہ دیکھی
کھلتیں نہ کاش آنکھیں خواب خوش عدم سے

گئے جی سے، چھوٹے بتوں کی جفا سے
یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے

دل کس قدر شکستہ ہوا تھا کہ رات "میر"
آئی جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی

خنجر بیداد کو کیا دیکھتے ہو دم بہ‌دم
چشم سے انصاف کی، سینے ہمارے دیکھیے

دم مرگ دشوار دی جان اُن نے
مگر "میر" کو آرزو تھی کسو کی

وے دن گئے جو ضبط کی طاقت تھی ہمیں بھی
اب دیدۂ خوں بار، نہیں جاتے سنبھالے
احوال بہت تنگ ہے؛ اے کاش، محبت
اب دست تلطف کو مرے سر سے اُٹھالے

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو
وگرنہ ہم خدا تھے، گر دل بےمدعا ہوتے
فلک، اے کاش، ہم کو خاک ہی رکھتا کہ اس میں ہم
غبار راہ ہوتے یا کسو کی خاک پا ہوتے

سراپا میں اُس کے نظر کر کے تم
جہاں دیکھو' اللہ ہی اللہ ہے
تری' آہ کس سے خبر پائیے
وہی بے خبر ہے جو آگاہ ہے
جہاں سے تو رخت اقامت کو باندھ
یہ منزل نہیں' بےخبر! راہ ہے

شرط سلیقہ ہے ہر اِک امر میں
عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے
خوف قیامت کا یہی ہے کہ "میر"
ہم کو جیا بار دگر چاہیے

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے
بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اِضطراب کی سی ہے
"میر" اُن نیم‌باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

راہ دم تیغ پہ ہو کیوں نہ "میر"
جي پہ رکھیں گے تو گذر جائیں گے

اب جو اِک حسرت جواني ہے
عمر رفتہ کي یہ نشاني ہے
گریہ ہر وقت کا نہیں بے ہیچ
دل میں کوئی غم نہانی ہے
خاک تھي موج زن جہاں میں، اور
ہم کو دھوکا یہ تھا کہ پانی ہے
ہم قفس‌زاد قید ہیں ورنہ
تا چمن ایک پرفشاني ہے
اُس کی شمشیر تیز سے، ہمدم
مر رہیں گے، جو زندگاني ہے
یاں ہوئے "میر" تم برابر خاک
واں وهی ناز و سر گراني ہے

اُس کے ایفائے عہد تک نہ جیے
عمر نے ہم سے بےوفائی کي
وصل کے دن کي آرزو هي رهی
شب نہ آخر ہوئي جدائی کي
اِسی تقریب اُس گلي میں رہے:
منتیں ہیں شکستہ‌پائی کی

دل میں اُس شوخ کے نہ کی تاثیر
آہ نے ! آہ ' نارسائی کی
کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس
ہم نے دیدار کی گدائی کی

دل کی معموری کی مت کر فکر ' فرصت چاہیے
ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مدت چاہیے
عشق میں وصل و جدائی سے نہیں کچھ گفتگو
قرب و بعد اِس جا برابر ہے ' محبت چاہیے
نازکی کو عشق میں کیا دخل ہے ' اے بوالہوس
یاں صعوبت کھینچنے کو جی میں طاقت چاہیے

بے یار ' شہر دل کا ' ویران ہو رہا ہے
دکھلائی دے جہاں تک میدان ہو رہا ہے

آہ میری زبان پر آئی   یہ بلا آسماں پر آئی
آتش رنگ گل سے کیا کہیے ؟   برق تھی آشیان پر آوی

گر دل کی بےقراری ہوتی یہی جو اب ہے
تو ' ہم ستم رسیدہ ڈھےکو جینے پاتے
وے دن گئے کہ اُتھہ کر جاتے تھے اُس گلی میں
اب سعی چاہیے ہے بالیں سے سر اُتھاتے

شاید کہ خون دل کا پہونچا ہے وقت آخر
تھم جاتے ہیں کچھ آنسو راتوں کو آتے آتے

مری خاک تفتہ پر، اے ابر تر!
قسم ہے تجھے تگ برس زور سے
ترے دل جلے کو. رکھا جس گھڑی
دھواں سا اُٹھا کچھ لب گور سے
جو ہو "میر" بھی اُس گلی میں، صبا!
بہت پوچھیو تو مری اور سے

بات شکوے کی ہم نے گاہ نہ کی
بلکہ دی جان اور آہ نہ کی
جس سے تھی چشم ہم کو کیا کیا "میر"
اِس طرف اُس نے اِک نگاہ نہ کی

سر، دے کے "میر" ہم نے فراغت کی عشق میں
ذمے ہمارے بوجھ تھا بارے ادا ہوئے

رنج کھینچے تھے، داغ کھائے تھے
دل نے صدمے بڑے، اُٹھائے تھے
پاس ناموس عشق تھا، ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے!

وهی سمجها نه، ورنه هم نے تو
زخم چھاتي کے سب دکھائے تھے
فرصت زندگي سے مت پوچھو
سانس بهي هم نه لينے پائے تھے
"میر" صاحب رولا گئے سب کو
کل وے تشریف یاں بهي لائے تھے

کہاں هیں ادمي عالم میں پیدا
خدائی صدقے کي انسان پر سے

وقت خوش دیکھا نه اک دم سے زیادہ، دهر میں
خندۂ صبح چمن پر شکل شبنم روئیے

ابر و بہار و بادہ سبھوں میں هے اتفاق
ساقي ! جو تو بهي مل چلے تو واہ واہ هے

دن رات مري چھاتی، جلتی هے محبت میں
کیا اور نه تهي جاگهه یه آگ جو یاں دابی
همیں آمد "میر" کل بھا گئی
طرح اس میں مجنوں کی سب پا گئي
هوئی سامنے یوں تو ایک ایک کے
همیں سے وہ کچھه آنکھ شرما گئی

کوئي رهنے والي هے جان عزيز
گئی گھر نہ امروز ' فراد گئي

جوش دل ' ائے بهم ديدۂ گريان هوئے
کتنے اک اشک هوئے جمع کہ طوفان هوئے
سبزہ و لالہ و گل ' ابر و هوا هے ' مے ' هے
ساقي ! هم توبہ کے کرنے سے پشيمان هوئے

خبر نہ تهي تجهے کيا ؟ ميرے دل کی طاقت کی
نگاہ چشم اُدهر تونے کي ' قيامت کی
سوال ميں نے جو انجام زندگي سے کيا
قد خميدہ نے سوئے زميں اشارت کي

پژ مردہ بهت هے گل و گلزار همارا
شرمندۂ يک گوشۂ دستار نہ هووے
مانگے هے دعا خلق تجهے ديکھ کے ظالم
يارب ! کسو کو اس سے سروکار نہ هووے

صحرائے محبت هے ' قدم ديکھ کے رکھ " مير " !
يہ سير سر کوچہ و بازار نہ هووے

برقع کو اُٹھا چھرے سے وہ بت اگر آوے
اس زندگي کرنے کو کہاں سے جگر آوے
کیا جانیں وہ مرغان گرفتار قفس کو
جن تک کہ بہ صد ناز، نسیم سحر آوے

بالیں پہ میرے، آکر، ٹک دیکھ شوق دیدار
سارے بدن کا جي اب آنکھوں میں آرہا ہے

بہ تنگ هوں میں ترے اختلاط سے، پیري!
قسم، هے اپني مجھے اس گئی جوانی کی

هوا هے دن تو جدائي کا سو تعب سے شام
شب فراق، کس اُمید پر سحر کرئیے

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
پر هم جو نہ هوں گے تو بهت یاد کرو گے

سیر گلزار مبارک هو صبا کو هم تو
ایک پرواز نہ کي تهي، کہ گرفتار هوئے
اس ستم گار کے کوچے کے هوا داروں میں
نام فردوس کا هم لے کے گنهہ گار هوئے

وعدۂ حشر تو موہوم نہ سمجھے ہم آہ
کس توقع پر ترے طالب دیدار ہوئے

باغ کو تجھ بن اپنے بھائیں آتش دي ہے بہاراں نے
ہر غنچہ اخگر ہے ہم کو ہر گل اک انگارا ہے

لائی تری گلي تک آوارگي ہماري
ذلت کی اپنی اب ہم، عزت کیا کرینگے

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں
ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے

جب کہ پہلو سے یار اُٹھتا ہے — درد بے اختیار اُٹھتا ہے
اب تلک بھی مزار مجنوں سے — ناتواں اک غبا اٹھتا ہے
ہے بگولہ، غبار کس کا ؟ ''میر'' ! — کہ جو ہو بےقرار، اٹھتا ہے

پا برہنہ، خاک سر میں، مو پریشاں، سینہ چاک
حال میرا دیکھنے آ ! تیرےے ہي دلخواہ ہے

لاعلاجي هے جو رهتي هے مجھے آوارگي
کیجئے کیا "میر" صاحب بندگي بےچارگی
کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں
دیکھتے هی دیکھتے کیا هو گیا یکبارگي

عشق کے داغ کا عبث ہے علاج کوئي اب یه نشان جاتا هے

مر هی جاویں‌گے بہت هجر میں ناشاد رهے
بھول تو هم کو گئے هو، یه تمھیں یاد رهے
هم سے دیوانے رهیں شهر میں، سبحان الله!
دشت میں قیس رهے، کوه میں فرهاد رهے

باهم سلوک تها تو اوٹھاتے تھے نرم گرم
کاهے کو "میر"! کوئی دبے جب بگڑ گئی

کیسے هیں وے که جیتے هیں صد سال، هم تو "میر"
اس چاردن کي زیست میں بیزار هو گئے

"میر"! اب بہار آئي، صحرا میں چل، جنون کر
کوئی بھي فصل گل میں، نادان! گھر رهے هے

اے حب جاہ والو! جو آج تاجور ھے
کل اس کو دیکھیو تم، نے تاج ھے، نہ سر ھے
شمع اخیر شب ھوں، سن! سر گذشت میری
پھر صبح ھونے تک تو، قصہ ھي مختصر ھے

ھر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یاں
یہ کارگاہ ساري، دوکان شیشہ گر ھے
اھل زمانہ رھتے یک طور پر نہیں ھیں
ھر آن، مرتبہ سے اپنے، اُنھیں سفر ھے
وے دن گئے کہ آنسو روتے تھے "میر" اب تو
آنکھوں میں لخت دل یا پارۂ جگر ھے

کچھ موج ھوا پیچاں، اے "میر"! نظر آئی
شاید کہ بہار آئی، زنجیر نظر آئی
دلی کے نہ تھے کوچے، اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئي

پیري، میں کیا؟ جوانی کے موسم کو روئیے
اب صبح ھونے آئي ھے، اک دم تو سوئیے
رخسارے اس کے، ھائے رے جب دیکھتے ھیں ھم
آتا ھے جي میں آنکھوں کو ان میں گڑوئیے

پیار کرنے کا جو خوباں، هم پہ رکھتے هیں گناہ

اُن سے بھی تو پوچھئے تم اتنے کیوں پیارے هوئے ؟

لیتے کروٹ ، هل گئے جو کان کے موتی ترے

شرم سے ، سر در گریباں صبح کے تارے هوئے

کرے ؟ کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے

زمیں سخت ہے آسماں دور ہے

تمنائے دل کے لئے جان دی

سلیقہ همارا تو مشہور ہے

نہ هو کس طرح ؟ فکر انجام کار

بھروسا ہے جس پر ، سو مغرور ہے

دل اپنا نہایت ہے نازک مزاج

گرا ، گر یہ شیشہ تو پھر چور ہے

بہت سعی کرنے سے مر رهئے ''میر''

بس اپنا تو اتنا هی مقدور ہے

سجدہ کرنے میں سر کٹے ہے جہاں

سو ترا آستان ہے پیارے

چھوڑ جاتے هیں دل کو تیرے پاس

یہ همارا نشان ہے پیارے

'' میر '' عمداً بھی کوئی مرتا ہے

جان ہے تو جہان ہے پیارے

آگے بھي تجھ سے تھا یاں ، تصویر کا سا عالم
بے دردي فلک نے وے نقش سب مٹائے
اعجاز عشق هی سے جیتے رهے وگرنہ
کیا حوصلہ کہ جس میں آزار یہ سمائے

آبشار آنے لگے آنسو کبی پلکوں سے تو " میر "
کب تلک ، یہ آبچادر منھ پہ تانا کیجئے

شوق تھا جو یار کے کوچے ، همیں لایا تھا "مہر"
پانوں میں طاقت کہاں اتني کہ اب گھر جائے

غالب کہ یہ دل خستہ شب هجر میں مرجائے
یہ رات نہیں وہ جو کہانی میں گذر جائے
نہ بت کدہ هے منزل مقصود ، نہ کعبہ
جو کوئي تلاشی هو ترا ، آہ کدھر جائے
یا قوت کوئي ان کو کہے هے کوئي اگل برگ
ٹک هونٹھ هلا تو بھي کہ ایک بات ٹھہر جائے

هو گئی ، شہر شہر رسوائي اے مري موت تو بھلي آئي

تو هے بے چارہ گدا " میر " ترا کیا مذکور
مل گئے خاک میں یاں ، صاحب افسر کتنے

چشم بد دور، چشم تر اے "میر" آنکھیں طوفاں کو دکھاتي ھے

طاقت نہیں ھے دل میں، نے جي بہ جا رھا ھے
کیا ناز کر رھے ھو، اب ھم میں کیا رھا ھے

تڑپنا بھي دیکھا نہ بسمل کا اپنے
میں کشتہ ھوں انداز قاتل کا اپنے
بنائیں رکھیں میں نے عالم میں کیا کیا
ھوں بندہ، خیالات باطل کا اپنے

پژمردہ اس قدر ھیں کہ ھے شبہ ھم کو "میر"
تن میں ھمارے جان کبھي تھی بھي یا نہ تھي

بیمار رھے ھیں اس کي آنکھیں
دیکھو کسو کي نظر نہ ھوئے
رکھ، دیکھ کے راہ عشق میں پاؤں
یاں "میر" کسو کا سر نہ ھو وے

کچھ آبلے دئے تھے رہ آورد عشق نے
سو رفتہ رفتہ خار مغیلاں تلک گئے؟

جن جن کو تھا ، یہ عشق کا آزار ، مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے
بےکارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاعِ دل کے خریدار مر گئے

چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھي   یار کے تیر! جان لے جا بھي

ترا آنا هي اب مرکوز ہے ہم کو دم آخر
یہ جی صدقے کیا تھا پھر نہ آوے تن میں یا آوے

بھرا ہے دل مرا جام لبالب کي طرح ساقي
گلے لگ خوب روؤں میں جو میناے شراب آوے
لپیٹا ہے دل سوزاں کو اپنے ''میر'' نے خط میں
الھي! نامہ بر کو اس کے لے جانے کی تاب آوے

کہاں تلک شب و روز آہ دردِ دل کہئیے
ہر ایک بات کي آخر کچھ اِنتہا بھي ہے
ہوس تو دل میں ہمارے جگہہ کرے لیکن
کہیں ہجوم سے اندوہ غم کي جا بھي ہے
گذار شہر وفا میں سمجھ کے کر مجنوں
کہ اس دیار میں ''میر'' شکستہ پا بھي ہے

ٹپکا کرے ھے آنکھ سے لوھو ھي روز و شب
چہرے پہ "میر" چشم ھے یا کوئي گھاؤ ھے

جو سوچئے تو وہ مطلوب ھم ھی نکلے "میر"
خراب پھرتے تھے جس کي طلب میں مدت سے

اے چرخ! نہ تو روز سیہ "میر" پہ لانا
بے چارہ وہ اک نعرہ زن نیم شبی ھے

دو سونپ دود دل کو، میرا کوئی نشاں ھے
ھوں میں چراغ کشتہ باد سحر کہاں ھے
روشن ھے جل کے مرنا پروانے کا و لیکن
اے شمع! کچھ تو کہہ تو، تیرے بھی تو زباں ھے
بھڑکے ھے آتش گل اے ابر تر ترحم
گوشے میں گلستاں کے میرا بھي آشیاں ھے

لبریز جس کے حسن سے مسجد ھے اور دیر
ایسا بتوں کے بیچ، وہ اللہ کون ھے

بے طاقتی نے دل کی، آخر کو مار رکھا
آفت ھمارے جی کی آئي ھمارے گھر سے

دل‌کش بہ‌منزل آخر دیکھا تو راہ نکلی
سب یار جا چکے تھے آئے جو ہم سفر سے
آوارہ ''میر'' شاید واں خاک ہو گیا ہے
اک گرد اوٹھہ چلے ہے گاہ اس کی رہ گذر سے

فتراک سے نہ باندھے' دیکھے نہ تو تڑپنا
کس آرزو پہ کوئی تیرا شکار ہو وے

رہی نہ پختگی عالم میں دور خامی ہے
ہزار حیف کمینوں کا چرخ حامی ہے

ناصح کو خبر کیا ہے لذت سے غم دل کی
ہے حق بہ طرف اس کے چکھے تو مزا جانے
لے جائے ''میر'' اس کے دروازے کی مٹی بھی
اس درد محبت کی جو کوئی دوا جانے

ہنستے ہو' روتے دیکھہ کر غم سے — چھیڑ رکھی ہے تم نے کیا ہم سے
تم جو دل‌خواہ خلق ہو' ہم کو — دشمنی ہے تمام عالم سے
مفت یوں ہاتھہ سے نہ کھو ہم کو — کہیں پیدا بھی ہوتے ہیں ہم سے

نالۂ‌عجز نقص‌الفت ہے — رنج و محنت کمال راحت ہے
تا دم مرگ' غم خوشی کا نہیں — دل‌آزردہ گر سلامت ہے

رونا آتا ہے دم بہ دم شاید کسو حسرت کی دل سے رخصت ہے
فتنے رہتے ہیں اس کے سائے میں قد و قامت ترا قیامت ہے

قطعہ

تجھ کو مسجد ہے ، مجھ کو مےخانہ
واعظا اپنی اپنی قسمت ہے

قطعہ

تربت "میر" پر ہیں اہل سخن ہر طرف حرف ہے حکایت ہے
تو بھی تقریب فاتحہ سے چل بہ خدا واجب الزیارت ہے

"میر" میں جیتوں میں آؤں گا اسی دن ، جس دن
دل نہ تڑپے گا مرا ، چشم نہ بھر آوے گی

ہر چند ضبط کرئے ، چھپتا ہے عشق کوئی
گذرے ہے دل پہ جو کچھ، چہرے ہی سے عیاں ہے
از خویش رفتہ اس بن رہتا ہے "میر" اکثر
کرتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

اس دل جلے کی تاب کے لانے کو عشق ہے
فانوس کی سی شمع جو پردے میں جل سکے
کس کو ہے آرزوے رفاقت فراق میں
ایسا تو ہو کہ کوئی گھڑی جی سنبھل سکے

هم ساری ساری رات رہے گریہ ناک لیک
مانند شمع داغ جگر کا نہ دھو سکے

آتش کے شعلہ سر سے ہمارے گذر گئے
بس اے تپ فراق کہ گرمی میں مر گئے

یہ راہ و رسم دل شدگاں گفتنی نہیں
جانے دے "میر" صاحب و قبلہ جدھر گئے

دن کو نہیں ہے چین، نہ ہے خواب، شب مجھے
مرنا پڑا ضرور ترے غم میں اب مجھے
طوفاں بجائے اشک ٹپکتے تھے چشم سے
اے ابر تر دماغ تھا رونے کا جب مجھے
پوچھا تھا راہ جاتے کہیں ان نے "میر" کو
آتا ہے اس کی بات کا اب تک عجب مجھے

لوٹے ہے خاک و خون میں غیروں کے ساتھ "میر"
ایسے تو نیم کشتہ کو ان میں نہ سانئے

مرے اس رک کے مر جانے سے وہ غافل ہے کیا جانے
گذرنا جان سے آساں، بہت مشکل ہے کیا جانے

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مر مر کے زندگانی کی
حال بد ؛ گفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند " میر " نے کل
ابتدا پھر وہی کہانی کی

کچھ تو کہہ وصل کی پھر رات چلی جاتی ہے
دن گذر جائیں ہیں پر بات چلی جاتی ہے

روز آنے پہ نہیں نسبت عشقی موقوف
عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہے
ایک ہم ہی سے تفاوت ہے سلوکوں میں " میر "
یوں تو اوروں کی مدارات چلی جاتی ہے

پہونچا تو ہو گا سمع مبارک میں حال " میر "
اس پر بھی جی میں آوے تو دل کو لگائیے

کتنے دل سوختہ ہم جمع ہیں اے غیرت شمع
کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی

میکدے سے تو ابھی آیا ھے مسجد میں "میر"
هو نہ لغزش کہیں ' مجلس ھے یہ بیگانوں کی

نہیں وسواس جي گنوانے کے ھائے رے ذوق دل لگانے کے
میرے تغیر حال پر مت جا اتفاقات ھیں زمانے کے
دم آخر ھي کیا نہ آنا تھا اور بھي وقت تھے بہانے کے

تک آنکھ بھي کھولي نہ زخود رفتہ نے اس کے
ھر چند کیا شور قیامت نے سرھانے

میں پاشکستہ جا نہ سکا قافلے تلک
آتی اگرچہ دیر صدائے جرس رھی
جوں صبح اِس چمن میں نہ ھم کھل کے ھنس سکے
فرصت رھی جو "میر" بھي سو اک نفس رھي

تجھ بن آئے ھیں تنگ جینے سے مرنے کا اِنتظار رھتا ھے

آج کل بےقرار ھیں ھم بھی بیٹھ جا! چلنے ھار ھیں ھم بھي
منع گریہ نہ کر تو اے ناصح اس میں بےاختیار ھیں ھم بھي

غفلت میں گئی آہ مری ساري جوانی
اے عمر گذشتہ میں تیري قدر نہ جانی

مدت سے ہیں اک مشت پر، آوارہ چمن میں
نکلے ہے یہ کس کی ہوس بال فشانی

مر گیا کوہکن اسی غم میں   آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ھي میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے
ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے
کوئي نا اُمیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منہہ بھی چھپا کر چلے
جبیں سجدہ کرتے ھی کرتے گئی
حق بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کي یاں تک کہ اے بت تجھے
نظر میں سبھوں کے خدا کر چلے

نہ دیکھا غم دوستاں شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئي هم سے "میر"
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

اپنے تو هونٹھ بھي نہ هلے اس کے روبرو
رنجش کي وجہہ "میر" وہ کیا بات هو گئی

بغیر دل کے یہ قیمت هے سارے عالم کی
کسو سے کام نہیں رکھتي جنس آدم کی
کوئی هو محرم شوخی ترا تو میں پوچھوں
کہ بزم عیش جہاں، کیا سمجھ کے برهم کي
همیں تو باغ کی تکلیف سے معاف رکھو
کہ سیر و گشت نہیں رسم اهل ماتم کی
قفس میں "میر" نہیں جوش داغ سینے پر
هوس نکالي هے هم نے بھی گل کے موسم کی

اب چھیڑ یہ رکھي هے کہ عاشق هے تو کہیں
القصہ خوش گذرتي هے اُس بدگمان سے

چاک پر چاک هوا، جوں جوں سلایا هم نے
اس گریباں هی سے اب هاتھ اُتھایا هم نے

سی ' چاک‌دل کہ چشم سے ناصح لہو تھمے
ہوتا ہے کیا ہمارا گریباں سیئے ہوئے
کافر ہوئے بتوں کي محبت میں "میر" جی
مسجد میں آج آئے تھے قشقہ دیے ہوئے

غم سے ' یہ راہ میں نے نکالی نجات کي
سجدہ اس آستاں کا کیا پھر وفات کی
ہم تو ھي اِس زمانے میں حیرت سے چپ نہیں
اب بات جا چکي ہے سبھي کائنات کي

کیوں کر بجھاؤ آتش سوزان عشق کي
اب تو یہ آگ دل سے جگر کو بھي جا لگی
کشتہ کا اس کے زخم نہ ظاہر ہوا کہ "میر"
کس جائے اُس شہید کے تیغ جفا لگی

اخیر الفت یہي نہیں ہے کہ جل کے آخر ہوئے پتنگے
ہوا جو یاں کی یہ ہے تو یارو غبار ہوکر اُڑا کرو گے
غم محبت سے "میر" صاحب بہ تنگ ہوں میں فقیر ہو تم
جو وقت ہوگا کبھو مساعد تو میرے حق میں دعا کرو گے

گرئے سے داغ سینہ ' تازہ ہوئے ہیں سارے
یہ کشت خشک تو نے اے چشم پھر ہري کي

ہے یہ اندھیر، شہر میں خورشید
دن کو لے کر چراغ نکلے ہے

اس شہر دل کو تو بھی جو دیکھے تو اب کہے
کیا جانیے کہ بستي یہ کب کي خراب ہے

کیا کیا بیٹھے بگڑ بگڑ تم، پر ہم تم سے بنائے گئے
چپکے باتیں اوٹھائے گئے، سرگاڑے ووھیں آے گئے
اللہ رے یہ دیدہ درائي، ہوں نہ مکدر کیوں کر ہم
آنکھیں ہم سے ملائے گئے، پھر خاک میں ہم کو ملائے گئے
ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بھي حد ایک آخر ہوتي ہے
کشتے اس کی تیغ ستم کے گور تئیں کب لائے گئے
مرنے سے کیا "میر" جی صاحب ہم کچھ خوش تھے کیا کرئے
جي سے ہاتھ اٹھائے گئے پر اُسّے دل نہ اُٹھائے گئے

اِدھر سے ابر اوٹھ کر جو گیا ہے
ہماری خاک پر بھي رو گیا ہے
مصائب اور تھے، پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
سرھانے "میر" کے کوئی نہ بولو
ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے

عمر بھر ہم رہے شرابي سے
دل پر خوں کي اک گلابي سے
برقع اٹھتے ہي چاند سا نکلا
داغ ہوں اس کي بےحجابي سے
کام تھے عشق میں بہت پر "میر"
ہم ہي فارغ ہوئے شتابي سے

گر دل ہے یہی مضطرب الحال تو اے "مہر"
ہم زیر زمیں بھی، بہت آرام کریں گے

نکل آتے ہو گھر سے چاند سے یہ کیا طرح پکڑی
پہونچتا ہوں کبھو در پر ترے سو اس خرابی سے

آتے کبھو جو واں سے تو یاں رہتے تھے اداس
آخر کو "میر" اس کی گلی ہی میں جا رہے

ہر صبح اٹھ کے تجھ سے، مانگوں ہوں میں تجھی کو
تیرے سوائے میرا کچھ مدعا نہیں ہے

ناتوانی سے اگر مجھ میں نہیں ہے جی تو کیا
عشق جو چاہے تو مردے سے بھی اپنا کام لے

پلکوں سے رفو ان نے کیا خاکِ دلِ "مہر"
کس زخم کو کس نازکی کے ساتھ سیا ہے

لطف اس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو
کیا جانیے؟ جان ہے کہ تن ہے

کس کو خبر ہے کشتی تباہوں کے حال کی

تختہ مگر کنارے کوئی بہہ کے جا لگے

اسیر زلف کرے تھدئی کمند کرے

پسند اس کي ہے وہ جس طرح پسند کرے

ہمیشہ چشم ہے نمناک ' ہاتھ دل پر ہے

خدا کسو کو نہ ہم سا بھي درد مند کرے

شوق ہم کو کھپائے جاتا ہے   جان کو کوئي کھائے جاتا ہے

جائے غیرت ہے خاک دان جہاں   تو کہاں منھ اُتھائے جاتا ہے

دیکھ سیلاب اس بیاباں کا   کیا ھی سر کو جھکائے جاتا ہے

کعبے میں جاں بہ‌لب تھے ہم دوري بتاں سے

آے ہیں پھر کے یارو ! اب کے خدا کے یاں سے

کیا خوبي اس کے منھ کی اے غنچے نقل کر لي

تو تو نہ بول ظالم بو آتي ہے دہاں سے

اتنی بھي بدمزاجي ہر لحظہ "میر" تم کو

الجھاؤ ہے زمیں سے جھگڑا ہے آسماں سے

کي اس طبیب جاں نے تجویز مرگ عشق

آزار کی مناسب تدبیر کیا نکالي

دل بند ہے ہمارا موج ہوائے گل سے
اب کے جنوں میں ہم نے زنجیر کیا نکالی

تاثیر ہے دعا کو فقیروں کي " میر '' جی
تک آپ بھي ہمارے لئے ہاتھ اُٹھائے

ہم آپ سے گئے سو الهي کہاں گئے
مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں اِنتظار ہے
بس وعدۂ وصال سے کم دیجے مجھے فریب
آگے ھي مجھ کو تیرا بہت اِعتبار ہے
کب تک ستم کبھو تو دلاسا بھي دیجئے
بالفرض " میر '' ایسا ھي تقصیر وار ہے

شاید اب ٹکڑوں نے دل کے قصد آنکھوں کا کیا
کچھ سبب تو ہے جو آنسو آتے آتے تھم گئے
ربط صاحب خانہ سے مطلق بہم پہونچا نہ '' میر ''
مدتوں سے ہم حرم میں تھے پہ نا محرم گئے

کرتا ہے کب سلوک وہ اہل نیاز سے
گفتار اس کي کبر سے ' رفتار ناز سے
خاموش رہ سکے نہ تو بڑھ کر بھی کچھ نہ پوچھ
سر شمع کا کٹے ہے زبان دراز سے

جي رشک سے گئے جو اُدھر کو صبا چلی
کیا کہئے آج صبح عجب کچھ ہوا چلي

کوئی آب زندگی پیتا ہے یہ زہراب چھوڑ
خضر کو ہنستے ہیں سب مجروح خنجر کے ترے

کار دل اس مہ تمام سے ہے
کاہش اک روز مجھ کو شام سے ہے
کوئي تجھ سا بھی کاش تجھ کوملے
مدعا ہم کو انتقام سے ہے

کوئی بھي "میر" سے دل ریش سے یوں دور پھرتا ہے
ٹک اس درویش سے مل چل کہ تجھ کو کچھ دعا دے دے

ہشیار کہ ہے راہ محبت کي خطرناک
مارے گئے ہیں لوگ بہت بے خبري سے

کچھ کرو فکر مجھ دوانے کي
دھوم ہے پھر بہار آنے کي
تیز یونہیں نہ تھي سب آتش شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی

قطعہ

جو ہے سو پائمال غم ہے ''میر'' چال بے ڈول ہے زمانے کی

اب تو ہم ہو چکتے ہیں تک تیرے ابرو خم ہوتے
کیا کیا رنج اٹھاتے تھے، جب جی میں طاقت رکھتے تھے

دین و مذہب عاشقوں کا قابل پرسش نہیں
یے ادھر سجدہ کریں ابرو جدھر اس کے لیے

طپش سے رنگ اڑ جاوے قلق سے جان گھبرا وے
دیا ہے دل الٰهي هم کو یا کوئی ؟

دلوں کو کہتے ہیں ہوتی ہے راہ آپس میں
طریق عشق بھي عالم سے کچھ نرالا ہے
هزار بار گھڑی بھر میں " میر " مرتے ہیں
انھوں نے زندگي کا ڈھب نیا نکالا ہے

دل دھڑکے ہے جاتے کچھ بتخانے سے کعبے کو
اس راہ میں پیش آوے کیا ہم کو خدا جانے

چھاتی جلا کرے ہے، سوز دروں بلا ہے
ایک آگ سی لگی ہے، کیا جانئے کہ کیا ہے

ہمارا تو ہے اصل مدعا تو خدا جانے ترا کیا مدعا ہے
تماشا کردنی ہے داغ سینہ یہ پھول اس تختے میں تازہ کھلا ہے
کب اس بیگانہ خو کو سمجھے عالم اگرچہ یار عالم آشنا ہے
نہ عالم میں ہے نے عالم سے باہر یہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے
لگا میں گرد سر پھرنے تو بولا تمھارا "میر" صاحب سر پھرا ہے

افراط اشتیاق میں سمجھے نہ اپنا حال
دیکھے ہیں سوچ کر کے تو اب ہم بھی ہوچکے

شور بازار میں ہے یوسف کا
وہ بھی آنکلے تو تماشا ہے
ٹک گریباں میں سر کو ڈال کے دیکھ
دل بھی دامن وسیع صحرا ہے

کیا کف دست ایک میداں تھا بیاباں عشق کا
جان سے جب اس میں گزرے تب ہمیں راحت ہوئی

ہم "میر" تیرا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن
رہتا ہے ہوئے بن کب؟ جو کچھ کہ ہوا چاہے

ہم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے
کیا کہئے داغ ہے دل ، ٹکڑے جگر ہے سارا
جانے وہی جو کوئی ظالم وفا کرے ہے

گرم آکے ایک دن وہ ، سینہ سے لگ گیا تھا
تب سے ہماری چھاتی ہر شب جلا کرے ہے
کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یار سے ہم
اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے
ایک آفت زماں ہے یہ "میر" عشق پیشہ
پردے میں سارے مطلب اپنے ، ادا کرے ہے

جاناں کی رہ سے آنکھیں ، جس تس کی لگ رہی ہیں
رفتہ ہیں لوگ سارے یاں پاؤں کے نشاں کے
خمیازہ کش رہے ہے اے "مہر" شوق سے تو
سینے کے زخم کے ، کہہ ! کیوں کر رہیں گے ٹانکے

جفا اس کی نہ پہونچی انتہا کو دریغا عمر نے کی بے وفائی

کیا جانئے کہ عشق میں خوں ہوگیا کہ داغ
چھاتی میں اب تو دل کی جگہہ ایک درد ہے

ہم نہ کہتے تھے رہے گا ہم میں کیا یاں سے گئے
سو ہي بات آئي ، اُٹھے اس پاس سے ، جاں سے گئے
جي تو اس کی زلف میں، دل کاکل پیچاں میں ''میر''
جا بھي نکلے اس گلے تو ہم پریشاں سے گئے

ہائے کس خوبی سے آوارہ رہا ہے مجنوں
ہم بھي دیوانے ہیں اس طور کے دیوانے کے
آہ ! کیا سہل گذر جاتے ہیں جی سے عاشق
ڈھب کوئي سیکھ لے اِن لوگوں سے مرجانے کے
کاہے کو آنکھ چھپاتے ہو یہي ہے گر چال
ایک دو دن میں نہیں ہم بھی نظر آنے کے

کبھو " میر '' اس طرف آکر جو چھاتي کوٹ جاتا ہے
خدا شاہد ہے اپنا تو کلیجہ ٹوٹ جاتا ہے

مستی میں جا و بے جا مدنظر کہاں ہے
بے خود ہیں اس کی آنکھیں ان کو خبر کہاں ہے
اُڑنے کي ایک ہوس ہے ہم کو قفس سے ورنہ
شایستۂ پریدن ، بازو میں پر کہاں ہے

یاران دیر و کعبہ ، دونوں بلا رہے ہیں
اب دیکھیں " میر '' اپنا جانا کدھر بنے ہے

رکھنا تمہارے پاؤں کا کھوتا ہے سر سے ہوش
یہ چال ہے تو اپنی کسے پھر خبر رہے

——

وے دن گئے کہ پھروں کرتے نہ ذکر اس کا
اب نام یار اپنے لب پر گھڑي گھڑي ہے
آتش سي پھک رہي ہے سارے بدن میں میرے
دل میں عجب طرح کي چنگاری آپڑی ہے

——

ریجھنے ہی کے ہے قابل یار کی ترکیب "میر"
واہ وا رے چشم‌وابرو، قد و قامت ہاے رے

——

رشتہ کیا ٹھہرے گا یہ جیسے کہ مونازک ہے
چاک دل پلکوں سے مت سي کہ رفو نازک ہے

——

چھاتي کے داغ یکسر آنکھوں سے کھل رہے ہیں
دیکھیں ابھي محبت کیا کیا ہمیں دکھاوے

——

آسماں شاید ورے کچھ آگیا
رات سے کیا کیا رکا جاتا ہے جي

——

کیا جانئے کہ چھاتي جلے ہے کہ داغ دل
اک آگ سی لگی ہے کہیں، کچھ دھواں سا ہے

——

مزاجوں میں یاس آگئی ہے ہمارے
نہ مرنے کا غم ہے ، نہ جینے کی شادی
نہ ہو عشق کا شور تا "میر" ہرگز
چلے بس تو شہروں میں کرے منادی

باؤلے سے جب تلک بکتے تھے سب ، کرتے تھے پیار
عقل کی باتیں کیں، کیا ہم سے نادانی ہوئی

جنوں کا عبث میرے مذکور ہے
جوانی دوانی ہے ، مشہور ہے
گدا ، شاہ دونوں ہیں دل باختہ
عجب عشق بازی کا دستور ہے
نیاز اپنا جس مرتبے میں ہے یاں
اسی مرتبے میں وہ مغرور ہے
گیا شاید اس شمع رو کا خیال
کہ اب "میر" کے منھ پہ کچھ نور ہے

بے خودی یہ ہے تو ہم آپ میں اب آچکے
کیا تمھیں یاں سے چلے جاتے ہو ہم بھی جا چکے

کسی سیر ہم نے سینۂ یکسر فگار کی
اس تختے نے بھی اب کے قیامت بہار کی

آنکھوں غبار لائیں مری ' انتظار میں
دیکھوں تو گرد کب اُٹھے اس رہ گزار کی
مقدور تک تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں
منہ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی
کیا جانوں چشم ترسے اُدھر دل پہ کیا ہوا
کس کو خبر ہے " میر " سمندر کے پار کی

اب حوصلہ کرے ہے ہمارا بھی تنگیاں یاں
جانے بھی دو بتوں کے تئیں کیا خدا ہیں یہ

تھا ملک جن کے زیر نگیں صاف مٹ گئے
تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشاں رہے
اک قافلے سے گرد ہماری نہ تک اُٹھی
حیرت ہے " میر " اپنے تئیں ہم کہاں رہے

رہتے رہتے منتظر' آنکھوں میں جی آیا ندان
دم غنیمت جان اب مہلت کوئی دم اور ہے
جی تو جانے کا ہمیں اندوہ ہی ہے ایک "میر"
حشر کو اُٹھنا پڑے گا پھر یہ اک غم اور ہے

الٰہی کہاں منہ چھپایا ہے تو نے
ہمیں کھو دیا ہے تری جستجو نے

جو خواهش نه هوتي تو کاهش نه هوتی
همیں جي سے مارا تری آرزو نے
مداوا نه کرتا تها مشفق همارا
جراحت جگر کے لگے دکهنے دونے
تري چال تیز هي تری بات روکهي
تجهے "میر" سمجها هے یاں کم کسو نے

جی گیا اس کے تیر کے همراه — تهي تواضع ضرور مهماں کي
پهوڑ ڈالیں گے سر هی اس در پر — منت اٹهتی نهیں هے درباں کي
آدمی سے ملک کو کیا نسبت — شان ارفع هے "میر" انساں کي

یه رات هجر کی، یاں تک تو دکهه دکهاتي هے
که صبح شکل مري سب کو بهول جاتي هے

کوفت سے جان لب په آئی هے — هم نے کیا چوٹ دل په کهائي هے
لکهتے رقعه، لکهے گئے دفتر — شوق نے بات کیا بڑهائي هے
یاں هوے خاک سے برابر هم — واں وهی ناز خود نمائي هے

سجده کوئی کرے تو در یار پر کرے
هے جاے پاک شرط عبادت کے واسطے

قصد ہے کعبہ کا لیکن سوچ ہے
کیا ہے منھ جو اس کے در پر جائیے

گردش میں جو ہیں "میر" مہہ و مہر ستارے
دن رات ہمیں رہتی ہے یہ چشم نمائی

خوبی سے نداں اس کی سب صورتیں یاں بگڑیں
وہ زلف بنی دیکھی سب بن گئے سودائی

اَبِ حسرت آنکھوں میں اس کی نو میدانہ پھرتا تھا
"میر" نے شاید خواہش دل کی آج کوئی پھر رخصت کی

بتانِ دیر سے ایسی نہیں لاگ
خدا ہی ہو تو کعبہ "میر" جاوے

نہ بک شیخ اتنا بھی واہی تباہی
کہاں رحمت حق کہاں بے گناہی

پتا پتا، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

آنا ادھر اس بت کا، کیا میری کشش سے ہے
ہو موم جو پتھر تو، تائید خدا کی ہے
دامانِ دراز اس کا جو صبح نہیں کھینچا
اے "میر" یہ کوتاہی سب دست دعا کی ہے

شکایت کروں ہوں تو سونے لگے ہے
مری سرگذشت اب ہوئی ہے کہانی

عالم عالم عشق و جنوں، ہے دنیا دنیا تہمت ہے
دریا دریا روتا ہوں میں، صحرا صحرا وحشت ہے

آنسو ہو کر خون جگر کا، بے تابانہ آیا تھا
شاید رات شکیبائی کی جلد بہت کچھ رخصت تھی

دل بھی بھرا رہتا ہے میرا، جی بھی رندھا کچھ جاتا ہے
کیا جانوں میں روؤں کا کیا؟ دریا چڑھتا آتا ہے
عشق و محبت کیا جانوں میں؟ لیکن اتنا جانوں ہوں
اندر ہی اندر سینے میں میرے، دل کو کوئی کھاتا ہے
عاشق اپنا جان لیا ہے اُن نے شاید "میر" ہمیں
دیکھ بھری مجلس میں اپنی، ہم ہی سے شرماتا ہے

گردش دلوں کی کم نہ ہوئی کچھ کڑے ہوئے
روزے رکھے غریبوں نے تو دن بڑے ہوئے

بیمار امیدوار ہے، بستر پہ اپنے ہم
دروازے ہی کے اور تکے ہیں پڑے ہوئے

گلستاں کے ہیں دونوں پلے بھرے
بہار اِس طرف، اُس طرف ابر ہے

آنکھوں کی کچھہ حیا تھی، سو موند لیں ادھر سے
پر وہ جو رہ گیا تھا وہ بھی اُٹھا دیا ہے

سر کسو سے فرو نہیں آتا
حیف بندے ہوے خدا نہ ہوے
کیسا کیسا قفس سے سر مارا
موسم گل میں ہم رہا نہ ہوئے
میں نہ گردن کٹائی جب تک "میر"
عشق کے مجھہ سے حق ادا نہ ہوے

دیکھئے کیا ہو سانجھہ تلک احوال ہمارا ابتر ہے
دل اپنا تو بجھا سا دیا ہے جان چراغ مضطر ہے
تاب و توان کا حال وہی ہے، آج تلک ہم جیتے ہیں
تم پوچھو تو اور کہیں کیا؟ نسبت کل کے بہتر ہے

تسبیحیں ٹوٹیں ، خرقے ، مصلے ، پھٹے جلے
کیا جانے خانقاہ میں ، کیا "مہر" کہ گئے

جی کے لگنے کی "مہر" کچھ کہ بھی
ہے وہی بات جس میں ہو تہ بھی

شائستۂ ستم و ستم یار ہم ہوئے
عاشق کہاں ہوئے کہ گنہگار ہم ہوئے
جی کھنچ گیا اسیر قفس کی فغاں کے ساتھ
تھی چوٹ اپنے دل کو گرفتار ہم ہوئے
ہوتا نہیں ہے بے خبری کا مآل خوب
افسوس ہے کہ دیر خبر دار ہم ہوئے

تعارف کیا رہا اہل چمن سے
ہوئی اک عمر میں اپنی رہائی
کہاں کا بے ستون فرہاد کیسا
یہ تھی سب عشق کی زور آزمائی
جفا اُٹھتی ، وفا جو عمر کرتی
سو کی اس رفتنی نے بے وفائی
پھر آنا کعبے سے اپنا نہ ہوگا
اب اس کے گھر کی ہم نے راہ پائی

اُن دونوں صورتوں میں ، شکل اب نباہ کی ہے
یا صبر ہم کو آوے یا رحم اُس کو آوے
کچھ زخم کھل چلے کچھ داغ کھل رہے ہیں
اب کی بہار دیکھیں کیا کیا شگوفے لاوے

بہار آئي نکالو مت مجھے اب کے گلستاں سے
مرا دامن بھرے تو باندھ دو گل کے گریباں سے
خدا جانے کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے
کھڑے تھے ''میر'' صاحب گھر کے دروازے پہ حیراں سے

موسم گل تلک رہے گا کون چبھتے ہي دل تو خار رہے
وصل یا ہجر کچھ ٹھہر جاوے دل کو اپنے اگر قرار رہے
دل لگے پر رہا نہیں جاتا رہے اپنا جو اختیار رہے

یوں جنوں کرتے جو یاں سے ہم گئے
تو یہاں مجنوں بیاباں سے گئے

پلکوں کي اس کي جنبش جاتي نہیں نظر سے
کانٹے سے اپنے دل میں رہتے ہیں کچھ کھٹکتے
ہوتا تھا گاہ گاہے محسوس درد آگے
اب دل، جگر، ہمارے پھوڑے سے ہیں ٹپکتے

غم مرگ سے، دل جگر ریش ہے
عجب مرحلہ ہم کو درپیش ہے
ہمیں کیا جو ہے '' میر '' بے ہوش سا
خدا جانے یہ کیا ہے؟ درویش ہے

گوش ہر اک کا اسي کي اور هے
کیا قیامت کا قیامت شور هے

آشنا ہو اس سے ہم ، مر مر گئے آیندہ " مہر "
جیتے رهئے تو کسو سے اب نہ یاري کیجئے

آینہ دار اسي کے ، پاتے ہیں شش جہت کو
دیکھیں تو منہ دکھاوے ، وہ کام جاں کدھر سے
جب گوش‌زدہو اس کے تب بے دماغ ہو وہ
بس ہوچکي توقع اب نالۂ سحر سے

چاهیے کس سے تیری داد ستم
کاش انصاف اپنے دل میں کرے

چلے ہم ، اگر تم کو اکراہ هے فقیروں کي اللہ اللہ هے

خواهش بہت جو ہو تو کاهش هے جان و دل کي
کچھ کم کر ان دنوں میں ، اے "مہر" چاہ کو بھي

بے تابي ، جو دل ہر گھڑی اظہار کرے هے
اب دیکھوں مجھے کس کا گرفتار کرے هے

کچھ میں بھی عجب جنس ہوں بازار جہاں میں
سوناز مجھے لیئے خریدار کرے ہے
کیوں کر نہ ہو تم "میر" کے آزار کے درپے
یہ جرم ہے اس کا کہ تمہیں پیار کرے ہے

دشمنوں کے رو بہ رو دشنام ہے
یہ بھی کوئی لطف بے ہنگام ہے
عشق کی ہے راہ کیا مشکل گزر
سر کا جانا جس میں ہراگ گام ہے
روز و شب پھرتا ہوں اس کوچہ کے گرد
کیا کہوں ؟ کیا گردش ایام ہے

اس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہے
لوگوں کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے

بہ رنگ طائر نو پر ، ہوئے آوارہ ہم اوٹھ کر
کہ پھر پائی نہ ہم نے راہ اپنے آشیانے کی

تیرے بیمار کی بالیں پہ جاکر ، ہم بہت روے
بلا حسرت کے ساتھ اس کی نگاہ واپسی دیکھی

بے طاقتی دل سے میری جان ہے لب پر
تم ٹھہرو کوئی دم ، تو مرا جی بھی ٹھہر جائے

جاتا ہے جدھر منزل مقصود نہیں وہ
آوارہ جو ہو عشق کا، بیچارہ کدھر جائے
اس زلف کا ہر بال رگ جان ہے اپنی
یاں جی بھی بکھرتا ہے صبا وہ جو بکھر جائے

بتوں کے جرم الفت پر، ہمیں زجرو ملامت ہے
مسلماں بھی خدا لگتی نہیں کہتے قیامت ہے
پئے دارو، پڑے پھرتے تھے کل تک "میر" کوچوں میں
اُنہیں کو، مسجد جامع کی دیکھی آج خدمت ہے

خدا کرے مرے دل کو تک اک قرار آوے
کہ زندگی تو کروں جب تلک کہ یار آوے
ہمیں تو ایک گھڑی، گُل بغیر دوبھر ہے
خداھی جانے کہ اب کب تلک بہار آوے
اُٹھے بھی گرد رہ اِس کی کہیں، تو لطف ھی کیا
جب اِنتظار میں آنکھوں ھی پر غبار آوے
تمہارے جوروں سے اب حال جائے عبرت ہے
کسی سے کہئے تو اس کو نہ اِعتبار آوے

دل کی بیماری سے طاقت طاق ہے
زندگانی اب تو کرنا شاق ہے
دم شماری سی ہے رنج قلب سے
اب حساب زندگی بے باق ہے

صمت پڑا رہ دیر کے ٹکڑوں پہ ''میر''
اٹھ کے کعبہ چل ، خدا رزاق ہے

بات کیا آدمی کی بن آئی آسماں سے زمین نپوائی

دست افشاں، پائے کوباں، شوق میں
صومعے سے '' میر '' بھی باھر گئے

واعظ ناکس کی باتوں پر ، کوئی جاتا ہے '' میر ''
آؤ میخانے چلو ، تم کس کے کہنے پر گئے

خستہ ہوا اپنا کوئی پھر بھی ڈلے سے لگاتے ہیں
وحشی - ایک تمہیں کو دیکھی اپنے سینہ فگاروں سے

کچھ نہیں اور دیکھے ہیں کیا کیا
خواب کا سا ہے یاں کا عالم بھی
کھپ ہی جاتا ہے آدمی اے '' میر ''
آفت جاں ہے عشق کا غم بھی

باغ میں سیر ، کبھو ہم بھی کیا کرتے تھے
روش آب رواں پھلے پھرا کرتے تھے

اب تو بے تابئی دل نے ہمیں بٹھلاهي دیا
آگے رنج و تعب شق ' اٹھا کرتے تھے

کیسا کیسا عجز ہے اپنا' کیسے خاک میں ملتے ہیں
کیا کیا ناز و ادا اس کو ہے ' کیا کیا بے پروائی ہے

کیا ابر رحمت اب کے برستا ہے لطف سے
طاعت گزیں جو ہو سو گنہگار ہو کوئی
یکساں ہوئے ہیں خاک سے پامال ہوکے ہم
کیا اور اس کي راہ میں ہموار ہو کوئی

معشوقوں کي گرمی بھي' اے '' میر '' قیامت ہے
چھاتی میں گلے لگ کر تک آگ لگاویں گے

لہو ' میری آنکھوں میں آتا نہیں
جگر کے مگر زخم سب بھر گئے

ہمیں ہے عشق میں جینے کا کچھ خیال نہیں
وگرنہ سب کے تئیں جان اپني پیاري ہے

ں تو ایک قطرہ خون ہے لیکن قہر ہے دل' جو اضطراب کرے
یر'' اٹھ بت کدے سے کعبے گیا کیا کرے جو خدا خراب کرے

عشق کیا ہے جب سے ہم نے ، دل کو کوئي ملتا ہے
اشک کي سوخي، زردیء چہرہ، کیا کیا رنگ بدلتا ہے

ہماری جان لبوں پر سے، سوے گوش گئی
کہ اس کے آنے کی سن گن، کچھہ اب بھی یاں پاوے

اس رفتہ کی جاں بخشی تک آتے ہوے اس کے
رکھتے ہی قدم مجھہ میں پھر جاں گئی، آئی

کیا ہوتا جو پاس اپنے اے "مہر" کبھو وے آجاتے
عاشق تھے ، درویش تھے اخر ، بے کس بھی تھے، تنہا تھے

راہ جاناں سے ہے گزر مشکل جان ہی سے کوی مگر گزرے

درد دل طول سے کہے عاشق روبہ رو، اس کے جو کہا بھی جائے

اس دشت سے غبار ہمارا نہ تک اٹھے
ہم خانماں خراب نہ جانا کدھر رہے

رہنا گلی میں جیتے جی ، اس کي نہ ہوسکا
ناچار ہوکے واں جو گئے اب، سو مر رہے

بدنامی کیا عشق کی کہئے، رسوائی سی رسوائی ہے
صحرا صحرا وحشت بھی تھی، دنیا دنیا تہمت تھی

کہنا جو کچھ جس سے ہوگا، سامنے "میر" کہا ہوگا
بات نہ دل میں پھر گئی ہوگی، منہ پر میرے آئی ہوئی

حسرتیں اس کی سر پٹکتی ہیں   مرگ فرہاد، کیا کیا تو نے

میلان نہ آئینے کا اس کو، نہ ہے گھر کا
کیا جانئے اب روے دل یار کدھر ہے
اے شمع! اقامت کدہ اس بزم کو مت جان
روشن ہے ترے چہرے سے تو گرم سفر ہے
اس عاشق دیوانہ کی مت پوچھ معیشت
دنداں بہ جگر، دست بہ دل، داغ بہ سر ہے

گیا ہی دامن‌گیر تھی، یا رب! خاک بسمل‌گاہ وفا
اس ظالم کے تیغ تلے سے ایک گیا تو دو آے

جوں ابر، بے کسانہ روتے اٹھے ہیں گھر سے
برسے ہے عشق اپنے دیوار اور در سے
شاید کہ وصل اس کا ہووے تو جی بھی ٹھہرے
ہوتی نہیں ہے اب تو تسکین دل، خبر سے

گلشن سے لے قفس تک ' آواز ایک سی ہے
کیا طائر گلستاں ہیں نالہ کش اثر سے
یہ عاشقی ہے ایسی ' جیؤ گے یار کب تک
ترک وفا کرو ہو مرنے کے " میر " ڈر سے

برسوں ہم درویش رہے ' پردے میں دنیا داری کے
ناموس اس کے ' کیوں کہ رہے ' یہ پردا جن نے اٹھایا ہے

چلتے ہوئے تسلی کو کچھ یار کہہ گئے
اس قافلے میں ہم بھی تھے ' افسوس رہ گئے

کیسی سعی و کوشش سے ' ہم کعبہ گئے بت‌خانے سے
اُس گھر میں کوئی بھی نہ تھا ' شرمندہ ہوئے ہم جانے سے

اپنی نیاز تم سے اب تک بتاں رہی ہے
تم ہو خدائے باطل ' ہم بندے ہیں تمہارے
ٹھہرے ہیں ہم تو مجرم تک پیار کرکے تم کو
تم سے بھی کوئی پوچھے تم کیوں ہوئے پیارے
چپکا چلا گیا میں آزردہ ہو چمن سے
کس کو دماغ اتنا بلبل کو جو پکارے

کیا رات دن کٹے ھیں ھجراں کے ' بےخودی میں
سدھ اپنی '' میر '' اس بن ' دو دو پھر نہ آئی

اِتفاق ان کا مار ڈالے ھے   ناز و اندز کو جدا کرئیے

دل میں گرہ لگی رھی پرواز باغ کی
موسم گلوں کا جب تئیں تھا ' ھم اسیر تھے

مر گئے عشق میں نازک بدنوں کے آخر
جاں کا بھی دینا محبت کی گنھ گاری ھے

واے وہ طائر بے بال ھوس ناک جسے
شوقِ گل‌گشت گلستاں میں گرفتاری ھے
آنکھ ' مستی میں کسو پر نہیں پڑتی اس کی
یہ بھی اس سادۂ پرکار کی ھشیاری ھے
واں سے جز ناز و تبختر نہیں کچھ یاں سے ''میر''
عجز ھے دوستی ھے ' عشق ھے ' غم خواری ھے

بندے کا دل بجا ھے ' جانا ھوں شاد ھر جا
جب سے سنا ھے میں نے ' کیا غم ھے جو خدا ھے

مقصود کو دیکھیں پہونچے کب تک
گردش میں تو آسماں بہت ہے
اکثر پوچھے ہے جیتے ہیں '' میر ''
اب تو کچھ مہرباں بہت ہے

آشوب هجر هستی ' کیا جانئے ہے کب سے
موج و حباب اُٹھ کر لگ جاتے ہیں کنارے
کوئی تو تھا طرف پر آواز دی نہ ہم کو
ہم بےقرار ہو کر چاروں طرف پکارے

عشق ہمارا درپے جاں ہے کیسی خصومت کرتا ہے
چین نہیں دیتا ہے ظالم ' جب تک عاشق مرتا ہے
شاید لمبے بال اس مہ کے بکھر گئے تھے باد چلے
دل تو پریشاں تھا ہی میرا ' رات سے جی بھی بکھرتا ہے

نالہ جب گرم کار ہوتا ہے دل ' کلیجے ' کے پار ہوتا ہے
جبر ہے ' قہر ہے ' قیامت ہے دل جو بے اختیار ہوتا ہے

'' میر '' اتنی سماجت جو بندوں سے تو کرتا ہے
دنیا میں مگر تیرا اللہ نہیں کوئی

یاد زلف یار، جی مارے ہے "میر"
سانپ کے کاٹے کي سی یہ لہر ہے

موسم گل میں توبہ کی، واعظ کہ میں کھیلے سے
اب جو رنگ بہار کے دیکھے، شرمندہ ہیں ندامت ہے

نہ تو جذب رسا، نہ بخت رسا کیوں کر کہئے کہ واں رسائي ہے
میں نہ آتا تھا باغ میں اس بن مجھ کو بلبل پکار لائی ہے
عشق دریا ہے ایک لنگر دار تہہ کسو نے نہ اس کي پائي ہے
بے ستوں کوہکن نے کیا توڑا عشق کي زور آزمائی ہے

تیرے بندے ہم ہیں، خدا جانتا ہے
خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے
نہیں عشق کا درد لذت سے خالی
جسے ذوق ہے وہ مزا جانتا ہے
بلا شور انگیز ہے چال اس کی
اسی طرز کو خوش نما جانتا ہے
مرے دل میں رہتا ہے تو ہی، تبھی تو
جو کچھ دل کا ہے مدعا، جانتا ہے

بدی میں بھي کچھ خوبي ہو وے گي تب تو
برا کرنے کو وہ بھلا جانتا ہے

نہیں اتحاد تن و جان سے واقف
ہمیں یار سے جو جدا جانتا ہے

اس گلی سے جو اٹھ گئے بے صبر "میر" گویا کہ وے جہاں سے گئے

عشق میں ہم نے جان کنی کی ہے
کیا محبت نے دشمنی کی ہے

قافلہ لٹ گیا جو آنسو کا
عشق نے "میر" رہزنی کی ہے

وصف اس کا باغ میں کرنا نہ تھا
گل ہمارا اب گریباں گیر ہے

دل غم سے خوں ہوا تو بس اب زندگی ہوئی
جان امید وار سے شرمندگی ہوئی

بال و پر بھی گئے بہار کے ساتھ
اب توقع نہیں رہائی کی
جور اس سنگدل کے سب نہ کھنچے
عمر نے سخت بے وفائی کی
نسبت اس آستاں سے کچھ نہ ہوئی
برسوں تک ہم نے جبہہ سائی کی

"میر" کي بندگي میں جاں بازي
سیر سي هو گئی خدائی کي

هم آپ سے جو گئے هیں گئے هیں مدت سے
الهی اپنا همیں کب تک اِنتظار رهے
نہ کرئے گریۂ بے اِختیار هر گز ''میر''
جو عشق کرنے میں دل پر کچھ اِختیار رهے

جس آنکھ سے دیا تھا اُن نے فریب دل کو
اُس آنکھ کو جو دیکھو اب آشنا نہیں هے

وہ اب هوا هے اتنا کہ جور و جفا کرے
افسوس هے جو عمر نہ میری وفا کرے
مستی شراب کی سی هے یہ آمد شباب
ایسا نہ هو کہ تم کو جوانی نشا کرے

پھرتے هیں '' میر '' خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

گل نے بہت کیا کہ چمن سے نہ جائیے
گل گشت کو جو آئیے آنکھوں پہ آئیے
میں بے دماغ کرکے تغافل چلا گیا
وہ دل کہاں کہ ناز کسو کے اٹھائیے

صحبت عجب طرح کی پڑي اتفاق ھائے
کھو بیٹھئے جو آپ کو تو اس کو پائیے

دل میں مسودے تھے بہت، پر حضور یار
نکلا نہ ایک حرف بھی میری زبان سے

پھرا کرتے ھیں خوار گلیوں میں ھم
کہاں تک یہ بے اعتباری رھے

یارب رکھیں گے پنبہ و مرھم کہاں کہاں
سوز دروں سے ھاے بدن داغ داغ ھے

گھر کو اس کے خراب ھی دیکھا جس کے یہ چشم و دل مشیر ھوئے

آؤ کبھو تو پاس ھمارے بھي ناز سے
کرنا سلوک خوب ھے اھل نیاز سے
کرتا ھے چھید چھید ھمارا جگر تمام
وہ دیکھنا ترا مژۂ نیم باز سے

اب کی دل، ان سے بچ گیا تو گیا چور جاتے رھے کہ اندھیاري
کیوں نہ ابر بہار پر ھو رنگ برسوں دیکھی ھے میري خوں‌باري

دوستی نے تو ہماری جاں‌گدازی خوب کی
آہ اس دشمن نے یہ عاشق نوازی خوب کی

اس سخن رس سے اگر شب کی ملاقات رہے
بات رہ جائے نہ یہ دن رہیں، نے رات رہے

سہرے کہاں تک پڑیں، آنسوؤں کے چہرے پر
گو یہ گلے کا ہار دیکھیے کب تک رہے
اس سے تو عہدو قرار کچھ بھی نہیں درمیاں
دل ہے مرا بے قرار دیکھئے کب تک رہے
آنکھیں تو پتھرا گئیں تکتے ہوئے اس کی راہ
شام و سحر انتظار دیکھیے کب تک رہے
گیسو و رخسار یار آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں
"میر" یہ لیل و نہار دیکھئے کب تک رہے

بہت نا مہرباں رہتا ہے یعنی
ہمارے حال پر کچھ مہرباں ہے
ہمیں جس جا پہ کل غش آگیا تھا
وہیں شاید کہ اس کا آستاں ہے
اسی کا دم بھرا کرتے رہیں گے
بدن میں اپنے جب تک نیم جاں ہے

غنچہ ہے سرپہ داغ سودا کا
دیکھیں کب تک یہ گل بہار کرے

پڑتا ہے پھول برق سے گلزار کی طرف
دھڑکے ہے جي قفس میں غم آشیان سے
آنکھوں میں آکے دل سے نہ ٹھہرا تو ایک دم
جاتا ہے کوئي دید کے ایسے مکان سے

فردیات

کیا کہیئے عشق، حسن کي آپ ہی طرف ہوا
دل نام قطرہ خون یہ، ناحق تلف ہوا

مئے گل گوں کے بو سے بس کہ مے خانہ مہکتا تھا
لب ساغر پہ منہ رکھ رکھ کے ہر شیشہ بہکتا تھا

جبکہ تابوت مرا جائے شہادت سے اٹھا
شعلۂ آہ، دل گرم محبت سے اٹھا

گرچہ امید اسیري پہ یہ ناشاد آیا
دام صیاد کا ہوتے ہی خدا یاد آیا

یک پارہ جیب کا بھی ' بجا میں نہیں سیا
وحشت میں جو سیا سو کہیں کا کہیں سیا

خاک سے ''میر'' کیوں نہ یکساں ہو
مجھ پہ تو آسمان ٹوٹتا ہے

وصل کی جب سے گئی ہے چھوڑ دلداری مجھے
ہجر کی کرنی پڑی ہے نازبرداری مجھے
میں گریباں پھاڑتا ہوں وہ سلا دیتا ہے ''میر''
خوش نہیں آتی نصیحت گر کی غم خواری

حیران اُس بھبھو کے سے سب دوش ہوگئے
شمع و چراغ بزم میں خاموش ہوگئے

نسبت مہ ہے دور اِس گل سے
وہ شگفتہ ہے ' یہ گرفتہ ہے

اُن نے دیکھا جو اٹھ کے سوتے سے ازگئے آیئنے کے توتے سے

دیکھتا ہوں تو کام میرا '' میر '' اول عشق ہی میں آخر ہے

بس نہ لگ چل نسیم مجھ سے کہ میں
رہ گیا ہوں چراغ سا بجھ کر

چلی جاتی ہے جاں ہی بس ' بھلا تدبیر کیا کرئیے
مداوے سے مرض گزرا ' کہو اب " میر " کیا کرئیے

عاشق کی مناجات

مرا زخم یارب نمایاں رہے
پس ازمرگ صد سال خنداں رہے
رہے دشمنی جیب سے چاک کو
صبا دوست رکھے مری خاک کو
مژہ اشک خونیں سے سازش کرے
غم دل بھی مجھ پر نوازش کرے
جگر سے طپیدن موافق رہے
مرا درد دل مجھ پہ عاشق رہے
جو نالہ ہو شب گیر کا روشناس
وہ آٹھوں پہر رہی رہے میرے پاس
مژہ گرم افسوس و نم ناک ہو
کہ سیلاب آتش پہ خاشاک ہو
کریں نیزہ بازی یہ آہ سحر
کہ خورشید کی پھوٹ جاوے سپر
خموشی سے مجھ کو رہے گفتگو
اُڑے پر لگا کر مرا رنگِ رو
نہ مرہم سے افسردہ ہو داغ دل
شگفتہ رہے یہ گلِ باغِ دل
سدا چشم حیرت سے نسبت رہے
مجھے دیکھ رہنے کی فرصت رہے

اگر ضعف تک کسب طاقت کرے
مری ناتوانی قیامت کرے
مری بےکسی ناز بردار ہو
مروں میں تو مرنے کو تیار ہوں
بیاباں میں آشفتہ حالی کروں
کبھی تو دل پر کو خالی کروں
کریں دونو عالم ملامت مجھے
ڈبو دیوے اشک ندامت مجھے
مرا ہاتھ ہو چاک کا دست‌یار
کہ تاجیب و دامن ہو قرب و جوار
جنوں میرے سر پر سلامت رہے
بیاباں میں مجھ سے قیامت رہے
بھٹکنے سے مجھ کو نہ ہو وارہی
بھلاوے خضر کو مری گمرہی
جو ہو گرم رہ پائے پر آبلہ
تو ہوجائے سرد آتش قافلہ

—

محبت

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
محبت مسبب محبت سبب
محبت سے آتے ہیں کار عجب
محبت بن اس جا نہ آیا کوئی
محبت سے خالی نہ پایا کوئی

محبت ہی اِس کار خانے میں ہے
محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے
محبت سے سب کو ہوا ہے فراغ
محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں داغ
محبت اگر کار پرداز ہو
دلوں کے تئیں سوز سے ساز ہو
محبت ہے آب رخ کار دل
محبت ہے گرمئی بازار دل
محبت عجب خوب خوں ریز ہے
محبت بلائے دل آویز ہے
محبت کی آتش سے اخگر ہے دل
محبت نہ ہووے تو پتھر ہے دل
محبت لگاتی ہے پانی میں آگ
محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ
محبت سے ہے اِنتظام جہاں
محبت سے گردش میں ہے آسماں
محبت سے پروانہ آتش بجاں
محبت سے بلبل ہے گرم فغاں
اِسی آگ سے شمع کو ہے گداز
اِسی کے لئے گل ہے سرگرم ناز
محبت سے لے تحت سے تابہ فوق
زمین آسماں سب ہیں لبریز شوق
اس آتش سے گرمی ہے خورشید میں
یہی ذرے کی جانِ نومید میں

اِسي سے دل ماہ ھے داغ‌دار
کتاں کا جگر ھے سراسر فگار
اِسی سے قیامت ھے، ہر چار اور
اِسی فتنہ گر کا ھے عالم میں شور

عشق

عشق ھے تازہ کار تازہ خیال
ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال
دل میں جاکر کہیں تو درد ہوا
کہیں سینے میں آہ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے خون ہوکے بہا
کہیں سر میں جنون ہوکے رہا
کہیں رونا ھوا ندامت کا
کہیں ہنسنا ہوا جراحت کا
گہ نمک اُس کو داغ کا پایا
گہ پتنگا چراغ کا پایا
واں طپیدن ھوا جگر کے بیچ
یاں تبسم ھے زخم تر کے بیچ
کہیں آنسوں کی یہ سرایت ھے
کہیں یہ خون چکاں شکایت ھے
تھا کسی دل میں نالۂ جاں کاہ
ھے کسو لب پہ ناتواں اک آہ
تھا کسو کی پلک کي نم ناکي
ھے کسو خاطروں کی غم ناکي

کهیں باعث ہے دل کي تنگی کا
کهیں موجب شکسته رنگی کا
کهیں اندوه جان آگه تها
سوزش سینه ایک جاگه تها
کهیں عشاق کی نیاز هوا
کهیں اندوه جاں گداز هوا
ہے کهیں دل جگر کی بے تابي
تها کسو مضطرب کی بےخوابي
کسو چهرے کا رنگ زرد هوا
کسو محمل کے آگے گرد هوا
طرر پر جاکے شعله پیشه رها
بے ستوں میں شرارتیشه رها
کهیں لے بست کو لگائی آگ
کهیں تیغ و جگر میں رکهی لاگ
کبهو افغان مرغ گلشن تها
کبهو قمری کا طوق گردن تها
کسو مسلخ میں جا فناره هوا
کوئی دل هوکے پاره پاره هوا
ایک عالم میں درد مندی کی
ایک محفل میں جاسپندی کي
ایک دل سے اٹهے هے هوکر دود
ایک لب پر سخن هے خوں آلود
اک زمانے میں دل کی خواهش تها
اک سمے میں جگر کی کاهش تها

کہیں بیٹھے ہے جی میں ہوکر چاہ

کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ

خار خار دل غریباں ہے

انتظار بلا نصیباں ہے

کہیں شیون ہے اہل ماتم کا

کہیں نوحہ ہے جان پر غم کا

آرزو تھا اُمیدواروں کی

دود مندي جگر فگاروں کي

نمک زخم سینہ ریشاں ہے

نگہ ناز مہر کیشاں ہے

حسرت آلودہ آہ تھا یہ کہیں

شوق کي اک نگاہ تھا یہ کہیں

عاشق اور معشوق

(عاشق)

ضبط کروں میں کب تک آہ اب
چل اے خامے بسم‌اللہ اب

کر تک دل کا راز نہانی
ثبت جریدہ میري زبانی

یعنی ''میر'' ایک خستہ غم تھا
سر تاپا اندوہ و الم تھا

آنکھ لڑی اُس کي اک جاگھہ
بے خود ہوگئي جان آگہ

صبر نے چاھي دل سے رخصت
تاب نے ڈھونڈي اِک دم فرصت

تاب و توان و شکیب و تحمل
رخصت اُس سے ہوگئے بالکل

سینہ فگاري سامنے آئی
بے تابي نے طاقت پائی

خون جگر ہو بہنے لاگا
پلکوں ہی پر رہنے لاگا

خواب و خورش کا نام نہ آیا   ایک گھڑی آرام نہ آیا
چاک جگر سے محبت ٹپکی   آنسو کی جاگہ حسرت ٹپکی
سوز سے چھاتی، تابہ گویا   اور پلک خونابہ گویا
آہ سے اس کی مشکل جینا   درد فقط تھا، سارا سینا
دل میں تمنا، داغ جگر میں   شیریں لب پر یاس نظر میں
رو و جبیں پہ خراش ناخن   داغوں سے خوں کے قامت گلبن
زخم سہنہ دل تک پہنچا   کوئی نہ اُس گھائل تک پہنچا
سونہ گیا یک دم وہ بے کل   بخت نہ جاگے اُس کے اک پل
کام رہا نا کامی ہی سے   تسکیں بے آرامی ہی سے
نے طاقت نے یار اُس کو   ضعف دلی نے مارا اُس کو
نالۂ دل میں حزینی اُس کے   خاطر میں غمگینی اُس کے
رنگ اُڑے چہرے کا ہردم   تھا گویا گل آخر موسم
دیدۂ تر کے، دریا قائل   ساحل خشک لبی کے سائل
خاک بسر آ شفتہ سری سے   شور قیامت نوحہ گری سے
سرتا پا آ شفتہ دماغی   داغ جنوں دے جس کو چراغی
وا ہی پر جب اپنی اوے   صحرا صحرا خاک اُڑاوے
کلفت دل جب خاک فشاں ہو   اشک کی جاگہ ریگ رواں ہو
سر پر اس کے سنگ ہمیشہ   جی پر عرصہ تنگ ہمیشہ
گرد کی تہ اس کا پیراہن   دامن صحرا جس کا دامن
بار دامن، تار گریباں   دامن قرب و جوار گریباں
پا مالی میں مثل جادہ   نقش قدم سا خاک افتادہ
جن نے دیکھا اس کو اک دم   اُس نے کہا یہ بھول کے سب غم
چندے یہ ناشاد رہے گا   پھر مدت تک یاد رہے گا

لوہو ٹپکے آہ سحر سے ۔۔۔ نالہ گتھواں لخت جگر سے
درد دل سے کچھ نہ کہے وہ ۔۔۔ ہر اک کا منہ دیکھ رہے وہ
نے کعبہ نے دیر کے قابل ۔۔۔ مذہب اُس کا سیر کے قابل
کیا کہیے اب کیسا کچھ تھا ۔۔۔ القصہ وہ ایسا کچھ تھا

(معشوق)

وہ کیسا تھا جس پر عاشق ۔۔۔ جي سے تھا یہ عاشق صادق
دیدۂ گل میں جاگہہ اُس کی ۔۔۔ نکہت گل گرد رہ اُس کي
چشم برہ سارا چمن اُس کا ۔۔۔ نقش قدم تھا یا سمن اُس کا
گل آشفتہ اُس کے رو کا ۔۔۔ سنبل اک زنجیري مو کا
دیکھ اُس رخ کی نور افشانی ۔۔۔ شمع مجلس پانی پانی
دور چشم ہے اُس کا جب سے ۔۔۔ فتنا اک سوتا نہیں تب سے
رخ لب سے ' جاں بخش عالم ۔۔۔ بلکہ سراپا جان مجسم
کوئي مرے انداز حیا پر ۔۔۔ چشم اُس کي تھی پشت پا پر
دونوں لب اُس کے لعل بدخشاں ۔۔۔ دست حنائي پنجۂ مرجاں
جس دم برقع منہ سے اُٹھا تا ۔۔۔ خورشید اُس دم ڈوبا جاتا
پار دلوں میں خدنگ مژہ کا ۔۔۔ کاوش کم کم ننگ مژہ کا
بھوں کی کشش سے' دوانہ عالم ۔۔۔ تیر نگہ کا ' نشانہ عالم
تیغ و تبر تھي ابرو اُس کی ۔۔۔ آتش سرکش تھي خو اُس کی
سائے سے اُس کے سرو بنایا ۔۔۔ خاک رہ سے تدرو بنایا
چشم کرشمہ جان تغافل ۔۔۔ شایاں اُس کے شان تغافل
کیا جانے وہ حال کسو کا ۔۔۔ پتھر دل اُس آئینہ رو کا
پاتے هي ابرو کا اشارہ ۔۔۔ غمزے نے اک خنجر مارا
جب وہ خرام ناز کرے ہے ۔۔۔ جي کو جور نیاز کرے ہے

رخصت دے گر عشوہ گری کو | ایک ھی جلوہ بس ھے پری کو
ھسنے میں وہ صفائی دنداں | برق خرمن عالم امکاں
اشک سحر کو صفائے تن پر | خون صراحي اُس گردن پر
شکل چیں میں' یہ ناز کہاں ھے | صورت ھے انداز کہاں ھے
جب وہ شکل نظر آتی تھی | کلفت دل کي نکل جاتی تھي
بار نزاکت کیونکہ اتھاوے | شاخ گل سا لھکا جاوے
صید فلک قربانی اُس کا | یوسف اِک زندانی اُس کا
اور جو خوباں پاویں اُس کو | یک دیگر دکھلاویں اُس کو
کیا کوئي شوخی اُس کي بتاوے | کچھ تھہرے تو کھنے میں آوے
کیا ھے اُس کے آب و گل میں | آرزو اس کي سب کے دل میں
سب کو میل اُس بت کي ادا کا | بندہ کون رھا ھے خدا کا
دیکھے نہ عاشق زار کو اپنے | پوچھے نہ بیمار کو اپنے
عاشق ظلم و جور و جفا کا | دشمن جانی اھل وفا کا
کوچہ' رشک فضائے کعبہ | واں پھنچے نہ دعائے کعبہ

قاتل حسن

مژہ' بخت عاشق کی بر گشتگي
نگھ' ایک عالم کي سر گشتگي
قد و قامت اُس کا کروں کیا بیاں
قیامت کا ٹکڑا ھوا تھا عیاں
شکن اُس کی کاکل کا دام بلا
ھر اک حلقۂ زلف' کام بلا

اگر ابرو اُس کي جهمک جاتی تهی
مہ نو کي گردن ڈهلک جاتي تهی
هلیں اُس کے ابرو جدهر کر کے ناز
کرے اُس طرف ایک عالم نثار
کماں اُس کے ابرو کي عاشق کمیں
خدنگ اُس کی مژگاں کے سب دل‌نشیں
نہ آنکھوں کی مستي کي اُس کو خبر
خرابي نہ عاشق کي مد نظر
شہید اُس کي چشمک کے دل خستگاں
نشانے نگاهوں کے دل بستگاں
پری منفعل رنگ رخسار سے
خجل کبک انداز رفتار سے
خضر تشنہ اُس کے هي دیدار کا
مسیحا شہید اُس کے بیمار کا
ترحم کو پاؤں تلے وہ ملے
ستم اُس کے کوچے سے بچ‌کر چلے
جو آمد هو اُس کي نصیب چمن
کرے ترک گل عندلیب چمن
گلي اُس کی فردوس کا تهی شرف
بہشت' اک گنهگار سي اک طرف
زمیں اُس کي یک دست گلزار تهي
نسیم چمن واں گرفتار تهی

گلی اُس کی وہ قتل گاہ عجیب
شہادت جہاں خضر کو ہو نصیب
صبا گر اُڑا وے تنگ واں کی خاک
تو نکلیں زمیں سے دل چاک چاک

بوسیدہ مکان

کیا لکھوں "میر" اپنے گھر کا حال
اِس خرابی میں میں ہوا پا مال
گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسف جاں ہے
کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ
چار دیواری سو جگہہ سے خم
تر تنگ ہو تو سوکھتے ہیں ہم
لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی
کیا تھمے منہ، سقف چھلنی تمام
چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام
اس چکھش کا علاج کیا کر لے
راکھ سے کب تلک گڑھے بھریئے
جا نہیں بیٹھنے کو گھر کے بیچ
ہے چکھش سے تمام ایواں کیچ
ایک حجرہ جو گھر میں ہے واقع
سو شکستہ تر ازدل عاشق

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک
کہیں گھوسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا
کہیں لکڑي کے لٹکے ہیں جالے
کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
کونے ٹوٹے ہیں' طاق پھوٹے ہیں
پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں
اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے
جي اِسی حجرے ہی میں پھرتا ہے
آگے اِس حجرے کے ہے اک ایواں
وهي اِس تنگ خلق کا ہے مکاں
کڑی تختے سبھي دھوئیں سے سیاہ
اُس کی چھت کي طرف ہمیشہ نگاہ
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے
کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مد نظر
گھر کہاں - صاف موت کا ہے گھر
مٹی تودہ جو ڈالے چھت پر ہم
تھے جو شہتیر' جوں کماں ہیں خم
اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر
گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر

کیونکہ ساون کٹے گا اب کی بار
تھر تھرا وے بھنبیری سی دیوار
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب
اُڑ بھنبیری کہ ساون آیا اب
تیتری یاں جو کوئی آتی ہے
جان محزوں نکل ہی جاتی ہے
ایک چھپر ہے شہرہ دلی کا
جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا
بانس کی جا دئے تھے سرکنڈے
سو وہ مینھوں میں سب ہوے ٹھنڈے
گل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب
پا کھے رہنے لگے ہیں گیلے سب
مینھ میں کیوں نہ بھیگئے یکسر
پھوس بھی تو نہیں ہے چھپر پر
واں پہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا
یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا
ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
پیچ کوئی لڑاؤں فند کروں
یاں تو جھانکے ہزار میں تنہا
کچھ نہیں آج مجھ سے ہو سکتا
بسکہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی
کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی
کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں
کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں

پوچھ مت زندگانی کیسی ہے
ایسے چھپر کي ایسی تیسی ہے
کیا کہوں جو جفا چکش سے سہي
چار پائي ہمیشہ سر پہ رهي
بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو
کونے هی میں کھڑا رها یکسو
جلس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹي رهے هیں جن کے پھاٹ
کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھي
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھي
شب بچھونا جو میں بچھاتا هوں
سر پہ روز سیاہ لاتا هوں
کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے
سانجھ سے کھانے هي کو دوڑا ہے
گرچہ بھتوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا
هاتھ تکیے پہ، گھہ بچھونے پر
کبھو چادر کے کونے کونے پر
سلسلایا جو پائینتی کي اور
وهیں مسلا، کرایڑیوں کا زور
توشک ان رگڑوں هي میں سب پھاٹي
ایڑیاں یوں رگڑتے هی کاٹی
اک هتیلي میں ایک گھائی میں
سیکڑوں ایک چار پائی میں

ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے
کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے
دو طرف سے ہے کتوں کا رستا
کاش جنگل میں جا کے میں بستا
ہو گھڑي دو گھڑی تو دتکاروں
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار آتے ہیں چار جاتے ہیں
چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز

واسوخت

یاد ایام کہ خوبي سے خبر تجھ کو نہ تھي
سرمہ و آئینے کی اُور نظر تجھ کو نہ تھي
فکر آراستگی شام و سحر تجھ کو نہ تھي
زلف آشفتہ کی سدھ دو دو پہر تجھ کو نہ تھی
نا بلد شانے سے تھا کوچہ گیسو تیرا
آئینہ کا ہے کو تھا حیرتئي رو تیرا
آ گئي حسن سے اپنے تجھے زنہار نہ تھي
اپنی مستی سے تري آنکھ خبردار نہ تھی
پاؤں بےڈول نہ پڑتا تھا یہ رفتار نہ تھي
ہر دم اس طور کمر میں ترے تلوار نہ تھی
خون یوں کا ہے کو کوچے میں ترے ہوتے تھے
دل زدے کب تري دیوار تلے روتے تھے

شانہ اب ہاتھ میں ہے زلف بنا کرتی ہے
مسی دانتوں میں کئی بار لگا کرتی ہے
پاس سرمے کی سلائی بھی رہا کرتی ہے
آنکھ رعنائی پہ اپنی ہی پڑا کرتی ہے
جان آنکھوں میں کسی کی ہو نظر تم کو نہیں
غش کرے کوئی ستم دیدہ خبر تم کو نہیں

پیشتر ہم سے کوئی تیرا طلب گار نہ تھا
ایک بھی نرگس بیمار کا بیمار نہ تھا
جنس اچھی تھی تری، لیک خریدار نہ تھا
ہم سوا کوئی ترا رونق بازار نہ تھا
کتنے سودائی جو تھے دل نہ لگا سکتے تھے
آنکھیں یوں موند کے وے جی نہ جلا سکتے تھے

یا تو ہم ہی تھے پر اب ہم سے نہیں کچھ یاری
مفت برباد گئی عزت و حرمت ساری
بار خاطر رہے اب ہم کو بھی ہے بیزاری
یعنی اس شہر سے اُٹھ جانے کی ہے تیاری
رتبۂ غیر نہیں آنکھوں سے دیکھا جاتا
طاقت اب یہ دل بے تاب نہیں تک لاتا

کوئی نا دیدہ مکتب سادہ نکالیں گے ہم
سادہ یا مرتکب بادہ نکالیں گے ہم
بوس و آغوش کا آمادہ نکالیں گے ہم
بند خود رائی سے آزاد لگا لیں گے ہم
اُس کو آغوش تمنا میں اب اپنی لیں گے
اُس سے داد دل نا کام سب اپنی لیں گے

چہرے کو اُس کے کر آراستہ دل‌خواہ کریں
آرسي اُس کو دکھا حسن سے آہ کریں
راہ خوبی کی بتا کر اُسے گمراہ کریں
تو سهي ضد سے تري ایسا هی شتاہ کریں
کہ تجھے سدھ نہ رهے خوبي و رعنائي کي
دھجیاں لے ترے اِس جامۂ زیبائی کي

دست افشاں هو تو عزت بهي تري هاتھ سے جاے
چشم مکحول کو دکهلاے تو، تو آنکھ چھپاے
مار ٹھوکر چلے دامن کو تو، تو سر نہ هلائے
جس طرف اس کا گزر هووے تو اودهر کو نہ جاے
چھیڑے گالي دے اشارت کرے چشمک مارے
عشوہ و غمزہ و انداز بهلا دے سارے

زندگانی هو تجھے هاتھ سے اُس کے دشوار
کوئي دن تو بهی پهرے جان سے اپنی بیزار
پہونچیں هر آن میں اُس سے تجھے سو سو آزار
طنز و تعریض و کنایے کي رهے اک بوچھار
جا کے تک سامنے اُس کے تو بهت تر اوے
عرق شرم میں ڈوبا هوا سب گهر آوے

دل واسوختہ کو اپنے لیے جاتے هیں
غصے سے خون جگر اپنا پیئے جاتے هیں
اپنی جا غیروں کو ناچار دے جاتے هیں
اب کے یوں جاتے نہیں عہد کیے جاتے هیں
آوے گا تو بهي منانے کو نہ آویں گے هم
جان سے جاویں گے پیماں سے نہ جاویں گے هم

رباعیاں

دامن غربت کا اب لیا ھے میں نے
دل مرگ سے آشنا کیا ھے میں نے
تھا چشمۂ آب زندگانی ' نزدیک
پر خاک سے اس کو بھر دیا ھے میں نے

اب وقت عزیز کو تو یوں کھوؤ گے
پر سوچ کے غفلت کے تئیں روؤ گے
کیا خواب گراں پہ میل روز و شب ھے
جاگو تک " مہر " ! پھر بہت سوؤ گے

اندوہ کھپے عشق کے ' سارے دل میں
اب درد ' لگا رھنے ھمارے دل میں
کچھ حال نہیں رھا ھے دل میں اپنے
کیا جانئے وہ کیا ھے تمہارے دل میں

راضی تک آپ کو رضا پر رکھئے
مائل دل کو تنک قضا پر رکھئے
بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا اے " مہر "
سب کچھ موقوف اب خدا پر رکھئے

ھم سے تو بتوں کی وہ حیا کی باتیں
وہ طرز ادا کلام اس ادا کی باتیں

دیکھیں قراں میں فال غیروں کے لئے
کیا ان سے کہیں یہ ہیں خدا کي باتیں

دل، غم سے ہوا گداز سارا اللہ
غیرت نے ہمیں عشق کي مارا اللہ
ہے نسبتِ خاص تجھ سے ہراک کے تئیں
کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ

سودا

محمد رفیع نام ' اُن کے آبا و اجداد کابل کے مرزاؤں میں تھے '
سپہ‌گری پیشہ تھا اُن کے والد مرزا محمد شفیع تجارت کے سلسلے
سے ھندوستان آئے ' اور یہیں قیام کر لیا -

مرزا رفیع ' سودا ' سنہ ۱۱۲۵ ھ میں بہ‌مقام دھلي پیدا ھوے
اور وھیں پرورش اور تعلیم پائی ' طبیعت کا رجحان ابتدا سے شاعري
کی طرف تھا ' کچھہ دن سلیمان قلي ' وداد ' سے اصلاح لی پھر
شاہ حاتم کے حلقہ بگوش ھو گئے -

' سودا ' کي طبیعت میں خداداد جوھر پہلے سے موجود تھا '
کثرت مشق اس پر مستزاد ' تھوڑے ھي دنوں میں اُن کي شاعري
کي شہرت ھو گئي اور اُستاد کی زندگی ھی میں اُن کي اُستادی
کا ڈنکا بجنے لگا -

رفتہ رفتہ ' سودا ' کي شہرت ' شاہ عالم بادشاہ کے دربار تک
پہونچی ' تقدیر کي یاوري بھی ساتھہ تھی بادشاہ نے مشورۂ سخن
کے لئے اُن کو منتخب کیا - ایک مدت تک دھلي میں فراغت
سے بسر کرتے رھے - جب شاہ عالم کی قسمت کا ستارہ ڈوب گیا تو
مرزا سودا ' بھی دھلی کو خیر باد کہہ کر فرخ‌آباد پہنچے - وھاں
کے نواب احمد خاں غالب جنگ کے دیوان مہربان خاں ' شاعر
اور مردم شناس تھے - اُنھوں نے مرزا کو ھاتوں ھاتھہ لیا -

سنہ ۱۱۸۵ ھ میں نواب احمد خاں کی وفات پر مرزا فیض آباد چلے گئے - وہاں نواب شجاع الدولہ نے معقول تنخواہ مقرر کر دی اور قدر منزلت کے ساتھ رکھا -

شجاع الدولہ کے اِنتقال کے بعد مرزا سودا ' نواب آصف الدولہ کے ساتھ لکھنؤ پہنچے اور فراغت سے زندگی بسر کرنے لگے -

آبائی سپہگری ' خاندانی میرزائیت ' ذاتی کمال اور شاہی قدر دانی اِن سب چیزوں نے مل کر مرزا کو بد دماغ بنا دیا تھا ' اس لئے ذرا ذرا سی بات پر ناخوش ہو جاتے تھے اور جس سے ناخوش ہوتے اُس کی ہجو کہہ کر دھجیاں اُڑا دیتے تھے -

مرزا جب قصیدہ پیش کرتے ہیں تو شکوہ اَلفاظ کے ڈنکے بجا دیتے ہیں - غزل سناتے ہیں تو دلوں میں چٹکیاں لیتے ہیں - مرثیہ پڑھتے ہیں تو سامعین کو خون کے آنسو رلاتے ہیں - ہجو کرتے ہیں تو حریفوں پر ہستی تنگ کر دیتے ہیں - اُردو شاعری اس جامعیت کا کوئی دوسرا شاعر پیش نہیں کر سکتی - بہر حال مرزا سودا ' اُن مسلم الثبوت اساتذہ میں ہیں جن پر فن شاعری کو ہمیشہ ناز رہے گا -

مرزا کی ہمہ گیری نے کسی صنف سخن کو نہیں چھوڑا ' قصیدے - غزلیں - مثنویاں - رباعیاں - قطعے - مستزاد - تاریخیں - پہیلیاں - ترجیع بند - مخمس ' مرثیے ' ہجویں ' سب کچھ کہیں اور خوب کہیں -

مرزا سودا ' نے تنبیہ الغافلین کے نام سے فارسی میں ایک رسالہ لکھا ہے اُس میں اُن اِعتراضات کا جواب دیا ہے جو مرزا فاخر

' مکمن ' نے فارسی شعرا پر کئے تھے ' یہ رسالہ اور مرزا کا فارسی کلام اُن کی ادبي تحقیق - صحت ذوق اور فارسي زبان پر غیر معمولي عبور کي نا قابل اِنکار دلیلیں هیں -

مرزا سودا ' کے تمام معاصر اور تمام تذکرہ نویس اُن کے اِعتراف کمال میں ' یک زبان هیں - ' میر ' اُن کو '' سر آمد شعرائے هند '' کہتے هیں - حکیم قدرت اللہ خاں اُن کو '' دریاے بیکراں '' قرار دیتے هیں -

طبقات‌الشعر کے مصنف کا قول هے '' در فنون انواع سخنجي طاق و بہ جمیع کمالات سخن وري شہرہ آفاق '' -

میر حسن کہتے هیں '' تاحال مثل او درهندوستان کسے برنخاستہ '' نواب مصطفی خاں '' شیفتہ '' کہتے هیں '' قصیدہ اش بہ از غزل و غزلش بہ از قصیدہ '' شیخ علی '' حزیں '' کی خود داری اور خود پرستي کسي کو خاطر میں نہ لاتي تھی مگر ان کو بھی '' سودا '' کے کمال کا اقرار کرنا هي پڑا -

'' سودا '' کي غزل میں '' میر کا درد اور '' درد '' کا تصوف تو نہیں هے مگر خیالات کی بلندی- بیان کي قدرت - کلام کا زور - جذبات کا جوش کسي سے کم نہیں- ان کے اشعار تمام جذبات کو متحرک کرتے هیں-

سودا کو چھوڑ کر اُردو شاعری کي ابتدا سے لے کر آج تک کوئي شاعر ایسا نہیں گزرا جس کے قصیدے اساتذۂ ایران کے قصائد کي شان رکھتے اس صنف سخن میں '' سودا '' کا پایہ سب سے بلند هے -

'' میر '' ایک غمگین ' غیور ' خود دار ' پریشاں حال نازک مزاج شخص تھے اُن کا دل درد اور گداز سے پھوڑا نظر آتا هے وہ جو کچھ کہتے هیں

اس طرح کہتے ہیں کہ سننے والا آب‌دیدہ ہو جاتا ہے بہ خلاف " میر " کے " سودا " ایک فارغ‌البال ' عیش میں زندگی بسر کئے ہوئے - خوش طبع' ظریف ' خودبیں اور زود رنج آدمی تھے - جس طرح ''میر'' کی طبیعت غزل گوئی کے لئے مناسب تھی اُسی طرح " سودا " فطرتاً قصیدے اور ہجو کے لے موزوں تھے -

" سودا ' نے ستر سال کی عمر میں سنہ ۱۱۹۵ ھ میں وفات پائی اور لکھنؤ میں آغابا قر کے امام باڑے میں دفن ہوے شیخ مصحفی نے تاریخ کہی : —

سودا کجا و آں سخن دل‌فریب او

اِنتخاب

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر حرف زباں کا
پردے کو یقیں کے جو در دل سے اٹھاوے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا
اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے ' لیکن
جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار
لیکن نہیں خواہاں کوئی واں جنس گراں کا

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا
توڑوں گا آئینہ کہ ہم آغوش عکس ہے
ہووے نہ مجھ کو پاس جو تیرے حضور کا
بے کس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا
گویا ہے یہ چراغ غریباں کی گور کا
ہم تو قفس میں آن کے خاموش ہو رہے
اے ہم‌صفیر! فائدہ ناحق کے شور کا

کعبہ جاوے ، پوچھتا کب ہے چلن آگاہ کا
اٹھ گیا جیدھر قدم، رتبہ ہے بیت اللہ کا

عشق کی بھی منزلت ، کچھ کم خدائی سی نہیں
ایک سا احوال یاں بھی ہے گداؤ شاہ کا

دین و دل و قرار و صبر ، عشق میں تیرے کھو چکے
جیتے جو اب کے ہم بچے نام نہ لیں گے چاہ کا

نہ پہونچا میرے اشک گرم سے آسیب مژگاں کو
بہا خاشاک کے سایہ تلے سیلاب آتش کا

کمال کفر ہے اے شیخ ایسا کچھ کہ اُس بت نے
پرستش سے مری پیدا کیا جلوہ خدائی کا
عجب قسمت ہماری ہے کہ جس کی شمع الفت سے
چراغ دل کیا روشن سو ہے داغ آشنائی کا

گلا کہوں میں اگر تیری بے وفائی کا
لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا
زبان ہے شکر میں قاصر شکستہ پائی کے
کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

دکھاؤں گا تجھے زاھد اس آفت جاں کو
خلل دماغ میں تیرے ھے پارسائي کا

تجھ سا دانا ھزار حیف کہ تو   یہ نہ سمجھا کہ وہ نہ سمجھے گا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا
پھونچے کب اُس کو ھاتھ ھمارے غبار کا
موج نسیم آج ھے آلودہ گرد سے
دل خاک ھوگیا ھے کسي بے قرار کا

عاشقو اس شیخ دین و کفر سے کیا کام ھے
دل نہیں وابستہ اپنا ' سبحہ و زنار کا

ٹوٹے تیری نگہ سے اگر دل حباب کا
پاني بھي پھر پئیں تو مزا ھے شراب کا
دوزخ مجھے قبول ھے اے منکر و نکیر
لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا
تھا کس کے دل کو کشمکش عشق کا دماغ
یارب برا ھو دیدۂ خانہ خراب کا
قطرہ گرا تھا جو کہ مرے اشک گرم سے
دریا میں ھے ھنوز پھپھولا حباب کا

آفتاب صبح محشر داغ پر دل کے مرے
حکم رکھتا ہے طبیبو! مرہم کافور کا

تو ھي اے رات سن اب سوز تک اس چھاتي کا
پنبہ و داغ میں ہے ربط دیا بانی کا

مجھ صید ناتواں کے احوال کو نہ پوچھو
محروم ذبح سے ہوں، مردود ہوں قفس کا

قفس کے پاس نہ جاکرکے نام‌لو گل کا
ضرور کیا ہے کہ ناحق ہو خون بلبل کا
کبھو گذر نہ کیا خاک پر مری، ظالم!
میں ابتداھي سے کشتہ ہوں اس تغافل کا
خبر شتاب لے "سودا" کے حال کی پیارے
نہیں ہے وقت مری جان، یہ تامل کا

لطف، اے اشک کہ جوں شمع گھلا جاتا ہوں
رحم اے آہ شرر بار کہ جل جاؤں گا
چھیڑ مت باد بہاري کہ میں جوں نکہت گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

ہو یہ دیوانہ مرید اس زلف چھٹ کس پیر کا

سلسلہ بہتر ہے "سودا" کے لئے زنجیر کا

توڑ کر بت خانہ کو مسجد بنا کے تونے شیخ

برھمن کے دل کی بھی کچھ فکر ہے تعمیر کا

نہ دو ترجیح اے خوباں کسی کو مجھ پہ غربت میں

زیادہ مجھ سے کوئی بے کس و نا کام کیا ہوگا

رھا کرنے کو لیں ہم منت صیاد ھی ظالم

بس اتنا ھی نہ، مر رھئے گا زیر دام، کیا ہوگا

ھو جس کی چشم گردش سے یہ بے ھوشی دو عالم کی

بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقی گل فام کیا ھو گا

مجھے مت دیر سے تکلیف کر کعبہ کی اے زاھد

جو میرا کفر ایسا ہے تو پھر اسلام کیا ھو گا

نہ کھینچ اے شانہ اُن زلفوں کو یاں "سودا" کا دل اٹکا

اسیر ناتواں ہے یہ، نہ دے زنجیر کا جھٹکا

اے دیدۂ خانماں تو ھمارا ڈبو سکا

لیکن غبار یار کے دل سے نہ دھو سکا

"سودا" قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن

بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منھہ سے پھر تو آپ کو کہتا ھے عشق باز
اے روسیاہ ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ھو سکا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جاے گا
جوں اشک پھر زمیں سے اُٹھایا نہ جائے گا

پھونچیں گے اس چمن میں نہ ھم داد کو کبھی
جوں گل یہ چاک جیب سلایا نہ جائے گا
عمامہ کو اُتار کے پڑھیو نماز شیخ
سجدے سے ورنہ سر کو اُٹھایا نہ جاے گا
دامان داغ‌تیغ ' جو دھویا تو کیا ھوا
عالم کے دل سے داغ مٹایا نہ جائے گا

کریں شمار بہم دل کے یار داغوں کا
تو آ کہ سیر کریں آج اپنے باغوں کا

غنچہ کو دل کے یاں ھے دم سرد سے شگفت
شرمندہ اس چمن میں نہیں میں نسیم کا
ٹھہرا نہ گالیوں سے تری کوئی بوالہوس
اک میں ھی رہ گیا ھوں دعا گو قدیم کا

ساقی پہونچ کہ تجھ بن یوں جسم و جاں ہے میرا
لب ریز خوں پیالہ اور ہاتھ مر تعش کا
کیا جانے کس طرح کا وہ سنگ دل ہے ورنہ
یہاں رشتۂ محبت ہے کوہ کی کشش کا

جوش طوفان دیدۂ غمناک سے کیا کیا ہوا
دیکھ لے دنیا میں مشت خاک سے کیا کیا ہوا
پر تجلی ' شہرۂ آفاق جلوہ حسن کا
عشق بازوں کی نگاہ پاک سے کیا کیا ہوا
جوشش دریاے خوں ' ھنگامۂ شور و فغاں
دیدۂ تر ' سینۂ صد چاک سے کیا کیا ہوا
دور ساغر تھا ابھی یا ہے ابھی چشم پرآب
دیکھو "سودا" گردش افلاک سے کیا کیا ہوا

کہوں کیا ؟ انقلاب اس وقت میں یارو زمانے کا
نہ آنکھوں میں تھا اشک اور نہ سینے میں جگر تھہرا
عبث تو گھر بناتا ہے مری آنکھوں میں اے پیارے
کسی نے آج تک دیکھا نہیں پانی پہ گھر تھہرا
کہیں یہ بھی ستم دیکھا ہے یارو آشنائی میں
سمجھتے تھے جسے ہم نفع' سو جی کا ضرر تھہرا

قتل سے میرے' عبث قاتل پھرا   اُس نے منھ پھیرا' ہمارا دل پھرا

ایک شب آ، کوئی دل سوز نہ رویا اس پر
شمع تک گور ہماری سے جلی دور سدا
دوستو سنتے ہو "سودا" کا خدا حافظ ہے
عشق کے ہاتھ سے رہتا ہے یہ رنجور سدا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منھ موڑا
الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا
صبا سے ہر سحر مجھ کو لہو کی باس آتی ہے
چمن میں آہ گلچیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا

جو گذرے مجھ پہ مت اس سے کہو، ہوا سو ہوا
بلا کشان محبت پہ، جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
میرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا
پہونچ چکا ہے سر زخم دل تلک یارو
کوئی رفو کوئی مرہم کرو، ہوا سو ہوا
یہ کون حال ہے احوال دل پہ اے آنکھو
نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو، ہوا سو ہوا
دیا اُسے دل و دیں اب یہ جان ہے "سودا"
پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو، ہوا سو ہوا

اب تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا
مجھ سے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

خون دل' چشم سے بہتا تھا مرے دامن تک
موج زن تابہ‌گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

ھنر ھے گرچہ فن شاعري آفاق میں " سودا "
اگر نادان کو پہونچے' تو اس میں عیب ھو پیدا

تجھ قید سے دل ھوکر آزاد بہت رویا
لذت کو اسیري کی کر یاد بہت رویا

سر شک چشم نہ تھا میں کہ اے فلک تونے
نظر سے خلق کے گرتے' نہ مجھ کو تھام لیا
معاش اھل چمن' جائے اشک ھے " سودا "
کہ زندگي کا انھوں نے مزا تمام کیا

تاثیر عشق نے' مزۂ درد کھو دیا
ان نے نداں دیکھ مرا حال' رو دیا
بوسہ کے ذائقہ کو نہیں شہدو سم میں فرق
هم پي گئے اُسے' ھمیں قسمت نے جو دیا
" سودا " ھے بے خلش یہ زخود رفتگي کی راہ
کانٹا نہ پا میں ان کے فلک نے چبھو دیا

کرتا ہوں سیر ، جب سے باغ جہاں بنایا
کیا جانے گل خدا نے تجھ سا کہاں بنایا
جتنے ہیں خوبرو یاں ، سب دل ستاں ہیں لیکن
اللہ نے تجھي کو اک جان ستاں بنایا
دیر و حرم کو دیکھا ، اللہ رے فضولي
یہ کیا ضرور تھا ، جب دل کا مکاں بنایا

قومت پکار اس کو اے باغباں کہ ہم نے
نزدیک آتش گل ، آپ آشیاں بنایا

اس کا تو گلہ کیا ہے کہ بستان جہاں میں
مجھ تک ، قدح بادۂ گل فام نہ آیا

کچھ کبر سے خاطر میں نہ لایا ہمیں کوئي
رتبہ کسي خاطر میں ہمارا نہ سمایا
رونے سے کیا حال دل اس شوخ پہ روشن
" سودا " نے دیا عشق کا پاني سے جلایا

سمجھے تھا میں ، خطر راہ محبت ناصح
مري تقصیر نہیں دل نے مجھے بہکایا
خوں کے ہر قطرے سے کہتا تھا یہي لخت جگر
تو مژہ تک بھي نہ پہونچے گا کہ میں یہ آیا

آنکھوں سے اشک جتنا آتا تھا، شب نہ آیا
زخم جگر نے یارو پانی مگر چووایا

قسم نہ کھائیے ملنے کی غیر سے ہرگز
کہا یہ تم نے میاں ہم کو اعتبار آیا
بہ رنگ آئینہ ہم اور سینہ صاف ہوئے
جو اپنے دل پہ کسی شکل سے غبار آیا
ممانعت نے کیا تیرے شہرۂ آفاق
وگرنہ میں ترے کوچہ سے لاکھ بار آتا
خبر لے وادی میں "سودا" کی، یوں سنا ہے آج
کہ ایک شوخ کسی بے گنہ کو مار آیا

اکسیر ہے تو کیا ہے وہ مشت خاک "سودا"
خاطر پہ جب کسی کے اس سے ملال آیا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
سرگرم نالہ ان دنوں میں بھی ہوں عندلیب
مت آشیاں چمن میں مرے متصل بنا
اپنا ہنر دکھاویں گے ہم تجھ کو شیشہ گر
ٹوٹتا ہوا کسی کا اگر ہم سے دل بنا

جس طرح چاھتا ہے، دنیا میں زندگی کو
لیکن تو یاد رکھیو، عاشق کبھی نہ ھونا

کہتے تھے ھم نہ دیکھ سکیں روز ھجر کو
پھر جو خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

اگر سمجھو تو خاکستر صبا کے ھاتھ بھیجوں میں
نہیں گویا زبان شعلہ، دوں کس کو پیام اپنا

اے زخم جگر سودۂ الماس سے خو کر
کتنا وہ مزہ تھا جو نمک دان میں دیکھا

دیکھا ھے تجھ کو دریچہ ترے جن نے ایک بار
پھر جب تلک جیا پس دیوار ھی رھا

عشق تھا، یا کیا تھا، جس سے دل اٹکتا ھی رھا
خار سا سینے میں میرے کچھ کھٹکتا ھی رھا
تاب کس کو ھے کہ تیرے درسے آگے جا سکے
جو ترے کوچے میں آیا سر پٹکتا ھی رھا

مشہور ھے یہ بات کہ جی ہے تو ہے جہاں
آپ ھی اٹھے جہاں سے، تو گویا جہاں اُٹھا

بوئے وفا و رنگ محبت ' نہیں ہے یاں
یارب تو اس چمن سے مرا آشیاں اُٹھا

چہرے پہ یہ نقاب دیکھا
پردے میں تھا آفتاب دیکھا
کچھ ہو وے ' تو ہو ' عدم میں راحت
ہستي میں تو ہم عذاب دیکھا

اعمال سے میں اپنے بہت بے خبر چلا
آیا تھا آہ کس لیے اور کیا میں کر چلا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کر اپنا جو نکالا
سو حضرت دل سلمہ‌اللہ تعالا
اتنا ہے تو یوسف سے مشابہ کہ عدم کے
پردے میں چھپا اس کے تئیں تجھ کو نکالا

رد ہستی نے دل کو دی ہے شکست آئینہ اِس غبار سے ٹوٹا

تلاش خضر ' پھر منزل مقصد ' نہ کر " سودا "
کوئي خود رفتگی سے راہ بر بہتر نہیں ہوتا

صحبت تجھے رقیب سے، میں اپنے گھر میں داغ
کیدھر پتنگ، شمع کہاں، انجمن کجا؟

اِس مرغِ ناتواں کی، صیاد کچھ خبر ہے
جو چھوٹ کر قفس سے، گل‌زار تک نہ پہونچا

"سودا" پھر آج تیری آنکھیں بھر آئیاں ہیں
عالم کے ڈوبنے میں، کل کچھ بھی رہ گیا تھا

اختلاط اهلِ آبادی سے دل آیا ہے تنگ
اے خوشا وقتے کہ تنہا ہم تھے اور ویرانہ تھا
اس چمن میں جب تلک ہم نشۂ مستی میں تھے
عمر کا اپنے پر، از خونِ جگر پیمانہ تھا

کس گلی دیکھ کے میں اس کو پکارا نہ کیا
مرٔ کے تک دیکھنے کا ننگ گوارا نہ کیا
کسی کا دین کیا حق نے، کسی کی دنیا
سب کا سب کچھ کیا، پر تجھ کو ہمارا نہ کیا

غیروں کو دیکھ بیٹھے ہوئے، بزم میں تری
جب کچھ نہ بس چلا تو میں ناچار اُٹھ گیا

نے رستم اب جہان میں نے سام ، رہ گیا
مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا
ہوں تو چراغ راہ ہلر ، زیر آسماں
لیکن خموش ہوکے ، سر شام رہ گیا

لذت دي نہ اسیري نے ، صیاد کی بے پروائي سے
تڑپ تڑپ کر مفت دیا جي ، ٹکڑے ٹکڑے دام کیا
شمع رخوں سے روشن ہو گھر ایسے اپنے کہاں نصیب
صبح ازل سے قسمت نے خاموش چراغ شام کیا
فخر نہیں اے شیخ مجھے کچھ ، دین میں تیرے آنکلا
راهب نے جب منھ نہ لگایا ، تب میں قبول اسلام کیا
ادب دیا ہے ہاتھ سے اپنے کبھی بھلا میخانے کو
کیسے ہی ہم مست چلے پر سجدہ ہر اک گام کیا

حشر میں بھی نہ اُٹھوں بسکہ اذیت کھینچي
زندگانی نے دوعالم سے مجھے سیر کیا

قابو میں ہوں میں تیرے ، گو اب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسونے تک دم لیا تو پھر کیا
کر قطع ہاتھ ، پہلے پھر فکر کر ، رفو کا
ناصح جو یہ گریباں تونے سیا تو پھر کیا

وہم غلط کارنے دل خوش کیا　　کس پہ نہ جانے وہ نظر کر گیا

نفع کو پہونچا میں تجھے دے کے دل　　جان کا اپنی میں ضرر کر گیا

دیکھیے واماندگي اب کیا دکھائے　　قافلہ یاروں کا سفر کر گیا

کیونکہ کوئی کھائے ترا ' اب فریب　　حال مرا سب کو خبر کر گیا

بھلا کچھ اپنی چشم کا ' دستور ہوگیا

دي تھي خدانے آنکھ ' یہ ناسور ہوگیا

آنکھوں کی رہبری نے کہوں کیا کہ دل کے ساتھ

کوچے کي اُس کے راہ بتانے نے کیا کیا

" سودا " ہے بے طرح کا نشہ جام عشق میں

دیکھا کہ اس کو منھہ کے لگانے نے کیا کیا

کی سیر ملک ملک کی " سودا " نے بھی ' ولے

اے شیخ میکدے کي ہے آب و ہوا عجب

گرچہ ہوں زیر فلک ' نالۂ شب گیر نصیب

پر اُسے کیا کروں ؟ یارو نہیں تاثیر نصیب

کیمیا خاک در شاہ نجف ہے " سودا "

حق تعالیٰ کرے اس طرح کی اکسیر نصیب

مجھہ اشک میں جوں ابر ' اثر ہوے گا یارب
قطرہ کبھی میرا بھی گہر ہوئےگا یارب
گذرے ہے شب و روز اِسی فکر میں مجھہ کو
کیا جانیے اس وقت کدھر ہوے گا یارب
کہتے یہی کٹتی ہے مجھے ' ہجر کی ہر شب
اب پھر بھی کبھی وقت سحر ہوے گا یا رب

کیوں اسیری پر مری ' صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہوگئے ' کون سے گلشن خراب
بہہ گئے پانی ہو' سب اعضا مری آنکھوں کی راہ
پیرہن میں ' ایک دم باقی ہے مانند حباب

پروانہ اور شمع کی صحبت نہ مجھہ سے پوچھہ
اپنی نہ کہہ سکا تو کہوں کیا پرائی بات

ہندو ہیں بت‌پرست ' مسلماں خدا پرست
پوجوں میں اُس کسی کو' جو ہو آشنا پرست

زمانے کو بھلا " سودا " کوئی کس طرح پہچانے
کہ اُس ظالم کی' کچھہ سے کچھہ ہے' ہراک آن میں صورت

آتش ہے تری گرمی بازار محبت
کیا لے گا بہ جز داغ، خریدار محبت
کرتے ہیں اسیر قفس و دام بھی فریاد
لے سکتے نہیں سانس، گرفتار محبت

اد کس کو، رحم جی میں کب ؟ دماغ و دل کہاں
یاں نہ آنے کو مرے صاحب، بہانا ہے عبث
وسہ کیا مانگے ہے اس بت سے، باایں ریش سفید
زاہدا نزدیک آتش، پنبہ لانا ہے عبث

رہتے تھے ہم تو شاد نہایت، عدم کے بیچ
اس زندگی نے لاکے پھنسایا ہے غم کے بیچ

ناصح تو نہیں چاشنی درد سے آگاہ
بے عشق بتاں، جینے کی لذت دیا تجھے

ہوتی ہے ایک طرح سے ہرکام کی جزا
اعمال عشق کے ہیں مکافات بے طرح
بلبل کو اس چمن میں سمجھ کر تک آشیاں
صیاد لگ رہا ہے تری گھات بے طرح

دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہرایک کا منہہ
طلب رحم کی نظروں سے ' گنہ گار کي طرح

لہرائی ہے نسیم سحر ' کیا ہے ساقیا ؟
گویا ہے موج بادۂ جام بلور صبح

زاہد اب کي مغ نے مے ' اس بو کي کھینچي ہے کہ آج
کوئی مےخانے سے گذرا محتسب ' پڑھتا درود

ہوئي ہے عمر کہ ہم لگ رہے ہیں دامن سے
جھٹک نہ دیجیو پیارے ' غبار کے مانند

مجھہ ساتھہ تري دوستی ' جب ہوگئي آخر
دنیا کي مرے دل سے طلب ' ہوگئي آخر

شوکت نے ہمیں حسن کي ' کہنے نہ دیا کچھہ
بات آن کے سو بار بہ لب ' ہوگئی آخر

دل و دیں بیچتے ہیں ہم تو ' اک بوسے کی قیمت پر
اگر تو اس میں اپنا نفع جانے ' آ کے سودا کر

کر خانۂ گردوں پہ نظر، چشم فنا سے
ہے مثل حباب، اس کي بھي تعمیر ہوا پر

نا صحا اس عشق سے ہوتا ہے لذت یاب، دل
جس میں حرمت کم ہو، رسوائي و خواري بیشتر

دل نا آشنائے نالہ سے، صدرۂ جرس بہتر
نہ ہو مژگاں جو خوں آغشتہ، ان سے خار و خس بہتر
وفا، نے گل میں، نے چشم مروت باغباں میں ہے
نکل بلبل! کہ ہے اس باغ سے کنج قفس بہتر

کعبہ و دیر سے کیا کام ہے ہم کو اے دوست
ہے ہمیں کون سي جاگہ ترے در سے بہتر
آشیاں سے نہ اڑے، پہونچے نہ ہم دام تلک
ہم تو بے بال و پری سمجھے ہیں، پر سے بہتر

طاقت اک آن تحمل کي نہیں، اور دوست
صبر فرمائے ہے مقدور بشر سے باہر
جنس نا کارہ کے خواں ہیں، خریدیں مجھ کو
یہ وہ "سودا" ہے کہ ہے نفع و ضرر سے باہر

ساقي گئي بہار ' رهی دل میں یہ هوس
تو منتوں سے جام دے ' اور میں کہوں کہ بس

کچھ اس چمن میں آ کے نہ دیکھا میں جوں حباب
آب رواں کو سیر کیا سو بھي یک نفس

هم گرم تکاپو هیں ' تری راہ طلب میں
یاں آبلۂ پا هے ' سر خار کو آتش

یا نالے کو کر منع تو ' یا گریہ کو ناصح
دو چیز نہ عاشق سے هو یک بار ' فراموش

آشیاں کو مت اجاڑو کر کے فریاد و خروش
باغباں ظالم بھی سویا هے ' اے بلبل خموش

روسیاهي سوا نہیں حاصل نام سے مت کر اے نگیں اخلاص
مثل نقش قدم یہ رکھتي هے تیرے در سے مري جبیں اخلاص

سینے میں دل جو هے ' تو تیري یاد کے لئے
جز دید کیا هے دیدۂ خوں‌بار سے غرض

آنکھیں بہ‌رنگ نقش قدم هو گئیں سفید
اس سے زیادہ خاک کروں انتظار خط

فضل حق جس کے طرف ہو تو اُسے بخشے ہے

دور ساغر کی طرح گردش ایام نشاط

دل جنھوں کا ہے اسیری کے مزے سے آگاہ

ہے قفس بیچ اُسے عیش تہہ دام نشاط

کھاتے جو ہو قسم کہ تجھے چاہتا ہوں میں

مشفق غلط ' ملاذ غلط ' مہربان غلط

ساقی نہ ہو تو سیر چمن کا ہے کیا مزا

جانا بغیر بادہ سوے بوستاں غلط

دونوں سے ہم نے اثر دل میں نہ پایا اس کے

نالۂ شب ہے عبث ' آہ سحر گہ غلط

بزم آراستہ کی جس کے لئے اے "سودا"

آج آنے کی خبر اس کی ہے افواہ غلط

یوں ہی طریق عشق میں ہو راست یا غلط

اجر جفا درست ہے مزد وفا غلط

واشد ہے دل مرے کو دم سرد سے ترے

اس غنچہ کو شگفتہ کرے گر صبا غلط

عبث ہیں منتظر اس شوخ کی مری آنکھیں

سوائے آئینہ کس کو ہے انتظار سے خط

سنا کسی سے تو نام بہشت پر تجھ کو
گل بہشت کی پہونچی نہیں ہے بو واعظ

تو میرے غم سے نہ رویا اور میری خاک پر
شام سے تا صبح اپنی چشم تر رکھتی ہے شمع

گو اب نہ مجھ غریب کے بالیں تک آے شمع
دل بے کسی کا مجھ پہ جلے ہے بجاے شمع

دل سوز عاشقاں کوئی " سودا " سا اب نہیں
پروانہ جل مرے تو وہ ہو شمع وار داغ

ہے خواہش گلزار تو سینے کو مرے دیکھ
تختہ سے چمن کے ہیں فزوں اس پہ بھرے داغ
" سودا " نظر آتا ہے بہار آنے کا آثار
ہوتے چلے ہیں پھر مرے سینے کے ہرے داغ

پہونچا کے تری زلف کی بو غیر کو پیارے
کرتی ہے مجھے موج نسیم سحری داغ
ہوتا ہوں خجل مفت میں پروانہ کے آگے
جب شمع کو کرتی ہے تری جلوہ گری داغ

مائل تھا بسکہ دل مرا بیداد کی طرف
خون بہہ چلا بدن سے تو جلاد کی طرف
سامان نالہ سب ہے مہیا پر اے اثر
میں دیکھتا ہوں تیری بھی امداد کی طرف
خوں کر رہا ہے جوش، رگ جاں میں تری
"سودا" نہ دیکھ نشتر فصاد کی طرف

بچ کر رہ میخانہ سے اے شیخ نکلنا
ہر رند ہے واں جبۂ و دستار کا عاشق
کیا قدر رکھے جنس دل اس شخص کی "سودا"
جس کا ہو، فروشندہ خریدار کا عاشق

ترک مجھ سے کیوں کہ ہو عشق بتاں، اے اہل دیں
سمجھوں ہوں تار نفس کو اپنے میں، زنار عشق
اس چمن میں طرح بلبل کے وہ نالاں کیوں نہ ہو
روز و شب کھٹکا کرے سینہ میں جس کے خار عشق

پروانہ رات شمع سے کہتا تھا راز عشق
مجھ ناتواں نے کیا کیا اُٹھایا ہے، ناز عشق

بس نہ تھا اک داغ اے دل پھر تو اس سے لگ چلا
اس دبی آتش کو ڈرتا ہوں نہ سلگائے فراق

زندگی کیوں نہ ہووے مجھ پر شاق
یار بے التفات دل مشتاق
غم نہیں اس کی بے وفائی کا
کرے ترک وفا نہ ہم سے فراق

شمع اس عارض کی، سب کہتے ہیں پہونچی نور تک
ہم سے جو پوچھے کوئی ہے صرف شمع طور تک
کون سے عارف کو یاں دعویٰ خدائی کا نہیں
یہ ترانہ ختم لیکن ہوچکا منصور تک
خوبی مےخانہ و ساقی نہیں اس کے نصیب
پہونچے گو زاهد عبادت سے قصور و حور تک

رهے اس فصل هم، اے بلبل و گل ناتواں یاں تک
کہ نالہ لب تلک پہونچا نہ چاک جیب داماں تک

تک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک
کیا جانے پھر جئیں نہ جئیں هم بہار تک
ساقی سمجھ کے دیجیو جام شراب عشق
آخر کو کام پہونچے گا اس کا خمار تک

رخصت جو در تلک بھی مجھے دے نہ باغباں
جھانکا کروں میں رخنۂ دیوار کب تلک

یک نفس گرد چمن ہم نہ ہوے بال افشاں
آشیانے سے نہ اٹھے رات ' گئے دام تلک

اس چمن کی سیر میں لے جا بسر تو اس طرح
چاهئیے ہو وے نہ تیرا خار دامن گیر ایک

رونے کو میرے' تا بہ کجا دل سے آئے اشک
نکلے ہے خون چشم سے اب تو بہ جائے اشک
آنکھوں سے ایک دم نہیں ہوتا مرے جدا
'' سودا '' میں کیا بیاں کروں اب وفائے اشک

کرتی ہے مرے دل میں تری جلوہ گری رنگ
اس شیشہ میں ہر آن دکھاتی ہے پری رنگ

ابھی جھپکی ہے تک اے شور قیامت! یہ پلک
صبح کا وقت ہے ظالم نہ خلل خواب میں ڈال

شاید کہ سیل اشک نے اس کو بہا دیا
سینے میں اب تو خاک بتایا سراغ دل

نہ دیکھا ہم نے کچھ اپنے سوا وہ جس کو دل چاہے
جو طالب ہوں کسی کے تو کوئی مطلوب دیکھیں ہم

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرا بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام
آتش کو رنگ گل کی صبا تونے پھونک دی
جلوائے آشیاں کے مرے خار و خس تمام
''سودا'' ہوئی ہے شام کو زلفوں میں اس کی راہ
اس دست نارسا کو ہے کیا دسترس تمام

نہ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے کام
مدعا ساقی سے اپنے ہمیں اور جام سے کام
دل نالاں کو مرے کس کے ہے آرام سے کام
کوئی بے چین رہو، اپنے اُسے کام سے کام

کیا مچائی اس نے میرے دل کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جس کے لئے کعبے میں بت‌خانے میں دھوم
زلف کو کھولا تو، کر اس دل کی شورش کا علاج
سخت، دیوانے نے کی زنجیر کھل جانے میں دھوم

تیرا جو ستم ہے اس کو تو جان اپنی سی تو خوب کرگئے ہم
جوں شمع لبوں پہ آرہا جی تھا تن سو گداز کر گئے ہم

ہوگی نہ کسی کو یہ خبر بھی　　اس بزم سے آ کدھر گئے ہم

ہے صفائے بادہ و درد تہ پیمانہ ہم
نور چشم مجلس و سوز دل پروانہ ہم
فیض سے مستی کے دیکھا ہم نے گھر اللہ کا
جا رہے مسجد میں شب گم کردۂ کاشانہ ہم
ماندگی گر محنت دنیا کی خواب آور ہو یاں
شور محشر کو بھی "سودا" سمجھیں اک افسانہ ہم

دوستی کا غیر کے کیا ذکر اس دل میں کہ دوست
آشنائی میں ترے ہیں آپ سے بے گانہ ہم

دیکھیں تو کس کی چشم سے گرتے ہیں لخت دل
تو اس طرح سے رو سکے اے ابر تر کہ ہم
بیٹھا نہ کوئی چھاؤں نہ پایا کسی نے پھل
بے برگ و بر نہیں کوئی ایسا شجر کہ ہم
قاصد کے ساتھ چلتے ہیں یوں کہہ کے میرے اشک
دیکھیں تو پہلے پہونچے ہے واں نامہ برکہ ہم

خانہ پرورد چمن ہیں آخر اے صیاد ہم
اتنی رخصت دے کہ ہو لیں گل سے تک آزاد ہم

خندۂ گل بے نمک ' فریاد بلبل بے اثر
اس چمن سے کہہ تو جاکر کیا کریں گے یاد ہم
خاکساروں سے موافق کب ہے دنیا کی ہوا
راہ میں تیری ' پھرے جوں نقش پا برباد ہم
ذبح تو کرتا ہے تک فرصت گلے لگنے کی دے
عید قرباں ہے تجھے دے لیں مبارک باد ہم

اے گل! صبا کی طرح پھرے اس چمن میں ہم
پائی نہ بو وفا کی ترے پیرہن میں ہم

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کس کی ہستی موہوم پر شبنم
مجھے وضع جہاں اس رشک سے محفوظ رکھتا ہے
بہار آخر ہے اک پل میں' کہاں پھر گل' کدھر شبنم؟

پیتا ہوں یاد دوست میں ہر صبح و شام جام
بے یاد دوست مجھ کو ہے پینا حرام جام
"سودا" تھا وقت نزع کے کلمے کا منتظر
جنبش لبوں کی دیکھی تو کرتا تھا جام جام

مجھے عاشق نہ بوجھ اپنا جفا کا کب میں حاصل ہوں
لگا لوہو شہیدوں میں ترے کانے کو داخل ہوں

مجھے یارو دماغ اب کب ہے گلگشت دوعالم کا
قدم رکھنے میں باہر گوشۂ خاطر سے کاہل ہوں

برہ کی آگ سے کیوں کر گریزاں ہوں میں اے ناصح
ازل سے ہم ہیں شعلے کی طرح پابندؔ آتش میں

ہمارے درد کی تدبیر ایسی ہو نہیں سکتی
تاسف ہی مرا کرتے ہیں یہ غم خوار آپس میں

قیس کی آوارگی ہے دل میں سمجھوں تو کہوں
ورنہ لیلیٰ ہے ہراک محمل میں سمجھوں تو کہوں

دیکھا جو باغ دہر تو مانند صبح و گل
کم فرصتی ملاپ کی باہم بہت ہے یاں

عاشق ترے، ہم نے کیئے معلوم بہت ہیں
ظالم توہی دنیا میں ہے مظلوم بہت ہیں

ہوئے غبار نہ " سوداؔ " جو چھوٹتے دامن یار
پر اب کی ہوکے حنا پاؤں سے لپٹ جاویں

یار آزردہ ہوا رات جو مےنوشی میں
کیا ہوا ہم سے خدا جانئے بےہوشی میں
بھولنا ہم کو نہیں شرط مروت کہ ہمیں
یاد تیری ہے دوعالم کی فراموشی میں

اشک گل‌رنگ سے ہوں غم میں تیرے باغ و بہار
نالہ بلبل ہے، چمن نقش و نگار دامن

بلبل تصویر ہوں جوں نقش دیوار چمن
نے قفس کے کام کا ہرگز نہ درکار چمن
کیا گلا صیاد سے ہم کو یوں ہی گذری ہے عمر
اب اسیر دام ہیں تب تھے گرفتار چمن
نوک سے کانٹوں کے ٹپکے ہے لہو اے باغباں
کس دل آزردہ کے دامن کش ہیں نا چار چمن
لخت‌دل گرتے خزاں میں، جاے برگ اے عندلیب
ہم اگر ہوتے تری جاگہ گرفتار چمن

زہد کو چاہئے ہے زور تو عصیان کو زر
میں بھی یوں ہی بسر اوقات کروں یا نہ کروں
دل سے لب تک سخن آتے ہوئے ''سودا'' سوبار
مصلحت یار سے ہے بات کروں یا نہ کروں

غم میں تسکین دل زار، کروں یا نہ کروں
نالہ جاکر پس دیوار، کروں یا نہ کروں
سن لے اک بات مری تو کہ رمق ہے باقی
پھر سخن تجھ سے ستمگار کروں یا نہ کروں
تا صبا اُٹھ مری بالیں سے کہ دم رکتا ہے
نالے دل کھول کے دو چار کروں یا نہ کروں
سخت مشکل ہے کہ ہر بات کنا یہ سمجھو
ہے زباں میرے بھی، گفتار کروں یا نہ کروں
خواب شیریں میں وہ اور دل ہے مرا مائل شوق
جی دھڑکتا ہے کہ بیدار کروں یا نہ کروں
حال باطن کا نمایاں ہے مرے ظاہر سے
میں زباں اپنی سے اظہار کروں یا نہ کروں
کوچۂ یار کو میں رشک چمن اے "سودا"
جاکے با دیدۂ خوں بار کروں یا نہ کروں

چمن کا لطف سیر اور رونق محفل ہے شیشے میں
پھونچ ساقی کہ اپنی دوستوں کا دل ہے شیشے میں
تڑپتی ہے یہ خون دل میں ظالم! آرزو میری
کہوں کیا تجھ سے میں گویا وہ اک بسمل ہے شیشے میں

آشنا مفت نہیں دل سے خیال رخ یار
اتری ہے لاکھ فسوں سے یہ پری شیشے میں

خانۂ دل کہ ھو خوں ہونے کا آئیں جس میں
ھے وہ اک بیت کہ سو معنے ھیں رنگیں جس میں
ھجر اور وصل سے کچھہ کام نہیں ھے مجھہ کو
بات وہ کیجئے کہ تک دل کو ھو تسکیں جس میں
کار فرما جو ھمیں پوچھے تو کیا دیں گے جواب
وہ کیا کام ' نہ دنیا ھوئی نے دیں جس میں

گدا دست اھل کرم دیکھتے ھیں
ھم اپنا ھی دم اور قدم دیکھتے ھیں
نہ دیکھا جو کچھہ جام میں جم نے اپنے
سو اک قطرۂ مے میں ھم دیکھتے ھیں
غرض کفر سے کچھہ نہ دیں سے ھے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ھیں
متا جاے ھے حرف حرف آنسوں سے
جو نامہ اُسے کر رقم دیکھتے ھیں

لخت جگر آنکھوں سے' ھرآن نکلتے ھیں
یہ دل سے محبت کے ارماں نکلتے ھیں

سنتا نہیں کسی کا کوئی درد دل کہیں
اب تجھہ سوا میں جا کے خدا یا کہاں کہوں

اپنی توبہ زاھدا! جز حرف رندانہ نہیں
خم ھو تو یاں احتیاج جام و پیمانہ نہیں
صبح دیکھا تھا جو کچھ، وہ کم نہیں ھے خواب سے
ذکر اس کا شام ھو تو بیش از افسانہ نہیں

سنگ سے بیت الحرم کی شیخ اتھائی ھے بنا
آئینہ دل کا مجھے اس گھر میں بٹھلانا نہیں
نا صحا بالیں سے میری' اٹھ، خدا کے واسطے
جان کہانی اس کو کہتے ھیں یہ سمجھانا نہیں

کوسوں کا نہیں ' فرق وجود اور عدم میں
قصہ ھے تمام آمد و شد کا دو قدم میں
ھم ساقیٔ قسمت سے بھر شکل ھیں راضی
یاں فرق نہیں ذائقۂ شربت و سم میں

غیر کے پاس یہ اپنا ھی گماں ھے کہ نہیں
جلوہ گر ' یار مرا ورنہ کہاں کہ نہیں
پاس ناموس مجھے عشق کا ھے اے بلبل
ورنہ یاں کون سا انداز فغاں ھے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھر تا ھوں
کچھ علاج ان کا بھی' اے شیشۂ گراں ھے کہ نہیں

سر گوشي پر مري ہے تو آشفتہ کیوں ہوا
میں درد دل کہا ہے یہ، کچھ اور تو نہیں

دلا! میں پیتے ھی پیتے پیوں‌گا عشق کی مے
یہ جام زہر ہے پیارے کچھ انگبیں تو نہیں

تنہا کہیں بٹھا کے تجھے آج ایک بات
دل چاہتا ہے کہیئے مري جان، پر نہیں

نہ تلطف نہ محبت نہ مروت نہ وفا
سادگي دیکھ کہ اس پر بھی لگا جاتا ہوں

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں، شاخ بریدہ ہوں
گریاں بہ شکل شیشہ و خنداں بہ‌طرز جام
اس میکدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

پیارے نہ برا مانو تو اک بات کہوں میں
ہو لطف کي اُمید تو یہ جور سہوں میں
یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو انصاف
جھوٹي بھي تسلي ہو تو جیتا تو رہوں میں

لخت دل کس دن نہیں گرتے مرے دامن کے بیچ
تر نہیں ہوتی لہو میں کون سی شب آستیں

جن نے سجدہ کیا نہ آدم کو
شیخ کا پوجتا ہے بایاں پاؤں

بے اختیار منھہ سے نکلے ہے نام تیرا
کرتا ہوں جس کسی کو پیارے خطاب تجھہ بن
مل جا جو چاہتا ہے "سودا" کی زندگانی
کچھہ بے طرح سے اس کو ہے اضطراب تجھہ بن

گتھی نکلی ہیں لخت دل سے تار اشک کی لڑیاں
یہ انکھیاں کیوں مرے جی کے گلے کے ہار ہو پڑیاں

فرہاد و قیس ووں گئے "سودا" کا ہے یہ حال
کیا کیا کیا ہے عشق نے خانہ خرابیاں

نہ اشک آنکھوں سے بہتے ہیں نہ دل سے اٹھتی ہیں آہیں
سبب کیا ؟ کاروان درد کی مسدود ہوں راہیں

تونے "سودا" کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم ! اسے کیا کہتے ہیں ؟

نہ اپنا سوز ہم تجھ سے بیاں جوں شمع کرتے ہیں
جو دل خالی کیا چاہیں تو آہ سرد بھرتے ہیں
جگر ان کا ہے جو تجھ کو صنم کہہ یاد کرتے ہیں
میاں! ہم تو مسلماں ہیں، خدا بھی کہتے ڈرتے ہیں
گلی میں اس کی مت جا بوالہوس آ مان کہتا ہوں
قدم پڑتا نہیں اس کو میں واں سر سے گذرتے ہیں
نہ چارہ کرسکے کچھ موج دریا کی روانی کا
کہیں وار ستگاں زنجیر جکڑے سے ٹھہرتے ہیں

بس خشت کو اٹھا کر دیکھیں وہ چشم دل سے
صورت کو اپنے اس میں موجود جانتے ہیں
کیا شکر؟ کیا شکایت؟ اپنی ہے شکل یکساں
دونوں سے آپ ہی کو مقصود جانتے ہیں
ہم سر نوائیں کس کے آگے کہ بعد آسا
اپنے قدم کو اپنا مسجود جانتے ہیں

قدرت اوروں کو ہے سر گرم سخن ہونے کی
نہیں بھرنے کا دم سرد کے مقدور ہمیں
کام ہے چشم کا نظارہ نہ بہنا شب و روز
آنکھ خالق نے رقیبوں کو دی، ناسور ہمیں
کوئی سمجھے ہے ترے گھر میں کہ ہم آئیں ہیں کیوں
ہوکے مانع تو نہ کر خلق میں مشہور ہمیں

ان خوش قدوں کی چال کا انداز، کیا لکھوں
ٹھوکر لگے ہے دل کے تئیں جس خرام میں

جب میں گیا اس کے تو اسے گھر میں نہ پایا
آیا وہ اگر میرے تو در خود نہ رہا میں
کیفیت چشم اس کی، تجھے یاد ہے " سودا "
ساغر کو میرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

'' سودا '' خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

سجدہ کیا صنم کو میں دل کے کنشت میں
کہہ اس خدا سے شیخ! جو ہے سنگ و خشت میں
گذرا ہے آب چشم میرے سر سے بارہا
لیکن نہ وہ مٹا جو کہ تھا سر نوشت میں
'' سودا '' کو شمع بزم، جو کہتے تو تھا بجا
ہے اشک و آہ سوختن اس کی سرشت میں

خلش کروں نہ کسی سے اگرچہ خار ہوں میں
جلے نہ مجھ سے دل خس جو شعلہ بار ہوں میں

جسم کا معلوم رهنا ' گر یهي هے سیل اشک
بیتھ هي جاوے گي یه دیوار دن دو چار میں

امید هوگئي کچھ، گوشهٔگیر سي' دل میں
رها کرے هے تمنا' اسیر سی' دل میں
خدا کے واسطے خاموش ناصح بے درد
لگے هے بات تري مجھکو تیر سی' دل میں

دل کو یه آرزو هے ' صبا کوئے یار میں
همراه تیرے پهونچئے مل کر غبار میں
میں وه درخت خشک هوں اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نه دیکھا بهار میں

دلا اب سر کو اپنے' پهوڑ مت سنگ ملامت سے
یهی هوتا هے ناداں عشق کا انجام دنیا میں
نه کر "سودا" تو شکوه هم سے' دل کی بےقراري کا
محبت کس کو دیتي هے میاں آرام دنیا میں

کفر سے اب تو مرا دل هے نهایت بیزار
درمیاں کیا کروں اے شیخ که هے پائے بتاں

جي تک تو دے کے لوں جو هو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں
هوتی نہیں هے صبح نه آتی هے مجھکو نیند
جس کو پکار تا هوں سو کہتا هے مر کہیں
ساقی هے اک تبسم گل ' فرصت بہار
ظالم بھرے هے جام تو جلدي سے بھر کہیں

قاصد کي کیا مجال جو اس کو میں جا سکے
جز موغ روح کوئي مرا نامه بر نہیں
میري طرف سے دیجیو صبا گل کو یه پیام
آؤں قفس بھی توڑ کے پھر بال و پر نہیں

طلب میں سلطنت جم کی نه صبح و شام کرتا هوں
در مے خانه پر جاکر سوال جام کرتا هوں
جو آزادي میں یاد آجاے هے لذت اسیري کي
تو کر پرواز گلشن سے تلاش دام کرتا هوں

ٹکڑے تو ابھی لعل کے دل بیچ دھرے میں
هم نے تو ابھی موتي هی آنکھوں میں بھرے هیں
صد شکر که مرنے کا خلش اُٹھ گیا دل سے
جب سے هوے پیدا هم' اُسی دن سے مرے هیں

میں کس کس شعلہ خو کو سینۂ صد چاک دکھلاؤں
جو دل تھا ایک سو تو جل بجھا کیا خاک دکھلاؤں
پرستش چھوڑ دے کعبہ کی، "سودا"! شیخ گر اس کو
جو میرے دل میں بستا ہے بت بے باک، دکھلاؤں

ہے اعتقاد ہمیں، ہندو و مسلماں پر
ہیں دونوں ترے پرستار یہ نہ ہو وہ ہو
نہیں ہے وصل میں درخواست ہجر کی مجھ کو
ولے خدا سے ہوں ناچار، یہ نہ ہو وہ ہو

لہو اس چشم کا پونچھے سے، ناصح! بند کیوں کر ہو
جو دل ٹوٹے کسی کے ہاتھ سے پیوند کیوں کر ہو

کرے تک منفعل کوئی مرے بے درد قاتل کو
دکھا دے خاک پروانہ پہ گریاں شمع محفل کو
الہی ہے سکت نعم‌البدل کے تجھ کو دینے کی
مجھے اس کے عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر لے دل کو

کس کی ملت میں گنوں آپ کو، بتلا اے شیخ
تو مجھے گبر کہے، گبر مسلماں، مجھ کو

اسرار خرابات سے واقف ہو جو زاہد

کعبے سے نہ کم سمجھے در پیر مغاں کو

"سودا" اُمید وصل کی کس کو ہے یاں کہ رہ نہیں

اپنے دل اور چشم میں ایسے خیال و خواب کو

باد شاہت دو جہاں کی بھی جو ہووے مجھ کو

تیرے کوچے کی گدائی سے نہ کھووے مجھ کو

خشک رکھتی ہے کبھو چشم جو دامن تجھ بن

آستیں چاہتی ہے خوں سے بھگووے مجھ کو

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبیں کو

اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمیں کو

آتا ہے تو آ شوخ کہ میں روک رہا ہوں

مانند حباب اپنے دم باز پسیں کو

دیتی ہی نہیں چین، بدی اپنے گماں کی

ساتھ اس کے میں ہوتا ہوں، کوئی جائے کہیں کو

نہ پوچھو قتل کرنے میں کسو سے بیر ہے اس کو

چلے تلوار تو آب رواں کی سیر ہے اس کو

تو نہ ہووے تو شب ہجر دے جینے ہم کو
خالق، اے صبح! سلامت رکھے تیرے دم کو

ہم کسو کی نہ چڑھے نظروں میں عنقا کی طرح
دیکھ ڈالا ہے بہ یک آن، ہم اس عالم کو

ہے کہ اب لا کے دکھاویں اُسے تجھ کو ناصح
مت فضیحت ہو عبث کر کے نصیحت ہم کو

کیجے جو اسیری میں اگر ضبط نفس کو
دے آگ ابھی شعلۂ آواز قفس کو

ہمیں گر نالۂ کنج قفس کہیے تو آتا ہے
چمن کے زمزمے کرنا گرفتاروں سے مت پوچھو

فراموش اِن دنوں ہم شہریوں کے دل سے ''سودا'' ہے
خبر اُس کی جہان آباد کے یاروں سے مت پوچھو

ناصح کو جیب سینے سے فرصت کبھو نہ ہو
دل یار سے پھٹے تو کسی سے رفو نہ ہو

تجھ بن تو دو جہاں سے کچھ اپنے تئیں نہ ہو
ہو ویں نہ ہم کہیں کے اگر تو کہیں نہ ہو

غمزہ، ادا، نگاہ، تبسم، ہے دل کا مول
تم بھی اگر ہو اس کے خریدار کچھ، کہو

ہر آن آ مجھی کو ستاتے ہو نا صحو
سمجھا کے تم اُسے بھي تو یک بار کچھ کہو

روا ہے کہہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
ریاے زہد چھپے، راز عشق رسوا ہو

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو
اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ہمیں
اے الفت چمن! ترا خانہ خراب ہو

اے نالہ! مت سبک ہو نکل کر جگر سے تو
مدت سے گر چکا ہے جگر کي نظر سے تو
دامن، مکان اشک سے ہے دو قدم کی راہ
آنکھیں چرا نہ لخت دل اتنے سفر سے تو

چھوڑوں گا نہ دامان اسیري کبھو صیاد
ہر صبح رہائی ہو مجھے، شام قفس ہو

کروں گرم با دیدۂ تر نگاہ　　کہ ڈالے پھپھولا نہ رخ پر نگاہ
نہیں زخم سے اس کے، واقف کوئي　　ہے باطن یہ برچھي، بہ ظاہر نگاہ

لینے لگا ھے اب تو مرا نام گاہ گاہ
بھیجیں گے ہم بھی نامۂ پیغام گاہ گاہ

عزت و آبرو و حرمت و دین و ایماں
روؤں کس کس کو میں یارو کہ گیا کیا کیا کچھ

مت مجھ کو ڈرا واعظ محشر کی صعوبت سے
ھے مبدأ صد محشر، میرا دل شوریدہ

رکھے ھے دل کو مرے اشتیاق سینے میں
کہ جیسے مرغ، قفس میں ہو اضطراب زدہ

یں تجھ سے نہ کہتا تھا مت گھر سے تو نکلا کر
اب شور قیامت نے گھیرا ھے در میخانہ
کعبے کی زیارت کو اے شیخ میں پہونچوں گا
مستی سے مجھے بھولی جس دن وہ میخانہ

کرتے ہو مداوا کب بیمار غم اپنے کا
جب کام ہوا آخر تدبیر نظر آئی
ھے گردش چشم اس کی، حلقہ در محشر کا
موج خط پیشانی، زنجیر نظر آئی

یار کا جلوہ مرے، کیا شہرۂ آفاق ہے
جس کو سنتا ہوں سو وہ دیدار کا مشتاق ہے
ذات پر اس شوخ کی، بس ختم ہے معشوقیت
جو بشر دنیا میں ہے، منجملۂ عشاق ہے
فائدہ اس ہرزہ گوئی سے بھلا ناصح تجھے
زندگی "سودا" کو اب بے عشق کرنی شاق ہے

کوئی تو سمجھے ہے اس چہرے کو مہ اور کوئی مہر
ہم تو سمجھے ہیں، فقط اللہ کا یہ نور ہے
اے خیال یار اس سینے میں اب مت رکھ قدم
شیشۂ دل سنگ سے ہجراں کے، چکنا چور ہے

کروں میں حال کس کس طرح ظاہر، سخت مشکل ہے
کہ دل سے بھی زیادہ خاطر دل دار نازک ہے

تیرے ہی سامنے کچھ لہکے ہے میرا نالہ
ورنہ نشانے ہم نے مارے ہیں بال باندھے

رفو ہوا جو گریباں مرا تو کیا ناصح
جو دل سے دل کہیں پیوند ہو رفو یہ ہے

کہوں کیا تجھ سے اے "سودا" خرام نازنیں اس کا
دلوں کو ڈھونڈھتی اک آفت ناگاہ پھرتی ہے

جرم کے عفو کی تدبیر بہت اچھی ہے
بے گنہ رہنے سے تقصیر بہت اچھی ہے
مجھ کو سونپا ہے زمانے کے تئیں قسمت نے
دست نا مرد میں شمشیر بہت اچھی ہے
نیک و بد سے نہ کروں اپنے لکھے کا شکوہ
جو کہ قسمت کی ہے تحریر بہت اچھی ہے
جتنے ہیں کام ترے، سونپا خدا کو "سودا"
تیری تدبیر سے، تقدیر بہت اچھی ہے

کب کر سکے وہ تیغ ادا سے ہو جو کچھ کام
گو زخم نہ معلوم ہو قاتل تو وہی ہے

مری بھی سن لے کہ مانند شمع بزم اخیر
پگھل چکا ہے سراپا، زبان باقی ہے
نہ درد دل ہی کے کہنے کی تجھ سے ہے طاقت
نہ چپ ہی رہنے کی تاب و توان باقی ہے

دل جنس فرد شندۂ بازار ہنر ہے
دیکھو تو کہیں کوئی خریدار ہنر ہے

تک ہم رہاں قافلہ سے، کہ دے اے صبا
ایسے ہی گر قدم ہیں تمہارے تو ہم رہے

اے تڑپ چین تو بسمل کو کہیں تل بھر دے
یہ نہ ہو خوں سے کہیں دامن قاتل بھر دے
بادہ پینے سے تو خو گر میں نہیں ہوں اے تیغ
ہو کسی شیشہ میں لوہو تو مرا دل بھر دے

دنیا تمام گردش افلاک سے بنی
ماتی ہزار رنگ کی، اس چاک سے بنی

غافل ہماری آہ سے رہنا نہ بے خطر
کر خوف ایسے تیر سے جو بے کماں چلے

کہیو صبا سلام ہمارا بہار سے
ہم تو چمن کو چھوڑ کے سوئے قفس چلے
تیرے سخن کو میں بہ سرو چشم ناصحا
مانوں ہزار بار، اگر دل سے بس چلے

یار جس سے خوش رہے مجھ کو وہ آئیں چاہیے
اس سوا طالب نہ دنیا کا ہوں نے دیں چاہئے

مخلصی "سودا" کی کچھ، حق کے کرم سے ہو تو ہو
ورنہ یاں ہر کام کی تقصیر دامن گیر ہے

کاٹی مصیبت شب ہجراں، میں با رہا
واعظ نہیں ہے روز قیامت سے ڈر مجھے
جوں شمع، پانوں گڑ کے جاتا ہوں میں کہاں
در پیش آ گیا ہے کدھر کا سفر مجھے

ساغر دل، خوں سے مالا مال رہتا ہے مرا
اہل دل گر مست رہتے ہیں تو ایسے جام کے

تو کہہ کے ہمیں سخت، نہ بدنام ہو ناصح
یہ شیشۂ دل ہاتھ سے ہے چور کسو کے

ہوا کس پر، یہ دیوانہ الہی
کہ موج اشک ہے زنجیر دل کی
جفا سے تیرے اٹھ جاؤں میں لیکن
وفا ہوتی ہے دامن گیر دل کی

مجھ چشم سے اب اشک نہیں آنے کا ناصح
آوے بھی غم دل سے تو لخت جگر آوے

نہ عندلیب گرفتار کو قفس چھوڑے
نہ تیرے دام کے مشتاق کو ہوس چھوڑے

یارب کہیں سے گرمیٔ بازار بھیج دے
دل بیچتا ہوں، کوئی خریدار بھیج دے

تری دریا دلی کا شور ہے اے مہرباں جب سے
ہمارے دل سے دریائے تمنا، موج مارے ہے

تنزل سے بھی ہم ہرگز ترقی میں نہ کم ہوتے
جو ہوتے کوہ سے پتھر تو پتھر سے صنم ہوتے

طوبےٰ تلے میں بیٹھ کے روؤں گا زار زار
جنت میں، تیرے سایۂ دیوار کے لئے

گرمی اس شعلہ سے ہیہات نہ ہونے پائی
ہوں وہ پرواز، جسے رات نہ ہونے پائی
جی کی جی ہی میں رہی، یار مری بالیں تک
پہونچا اس وقت کہ کچھ بات نہ ہونے پائی

شیخ کعبہ میں خدا کو تو عبث ڈھونڈھے ہے
طالب اس کا ہے تو ہر ایک کی کر دل‌جوئی

نا صحا ! هر چند یه بندہ سبک اطوار ھے
پر سبک ھے کب جو خاطر پر کسي کی بار ھے

جو طبیب اپنا تھا اُس کا دل کسی پر زار ھے
مژدہ باداے مرگ ! عیسیٰ آپ ھی بیمار ھے

طاقت کہاں ھے اب کہ گنوں وعدے کے میں دن
اس وقت بھي ملو تو دموں کا شمار ھے

کیا چیز ھے وہ' دل جسے کہتے ھیں الٰهي !
اک قطرۂ خوں سینے میں آفات طلب ھے
دشنام تو دینے کي قسم کھائي ھے ' لیکن
جب دیکھے ھے وہ مجھ کو تو اک جنبش لب ھے

مت دیکھ خاک ساری " سودا " بہ چشم کم
گر آسماں ھے تو ' تو مقابل زمین ھے

آتے نہیں نظر میں کسو کے جو ھم تو کیا
عالم تو سب طرح کا ھماري نظر میں ھے

ان سے جو ہیں نا بینا، وعدہ ہے قیامت کا
بینا کے بہ ہر یک پل، دیدار نظر میں ہے

کرے ہے توبہ جو واعظ کی ہرزہ گوئی سے
مگر بہار کو "سودا" نے دور دیکھا ہے

نشہ کو ہرگز حقیقت کے نہ پہونچے گا کوئی
جب تلک اے یار خالی عمر کا پیمانہ ہے

اک رنگ کے جلوے نے کھینچا ہے مرے دل کو
صورت تو نہ میں سمجھا گوری ہے کہ کالی ہے

جان تک چاہے اگر وہ تو ہے بندہ حاضر
دل اسے دیوے جو کوئی تو جگر اس کا ہے

چشم پرآب سے "سودا" کے نہ ٹپکا کبھو اشک
صورت آئینہ کچھہ دیدۂ تر اس کا ہے

پاک میرے نہ کسی دوست نے کی چہرے سے گرد
دیدہ ہے دشمن جاں، پر مرا منھہ دھوتا ہے

گوھر کو جوھری اور صراف زر کو پرکھے
ایسا کوئی نہ دیکھا وہ جو بشر کو پرکھے

سنے ھے مرغ چمن کا تو نالہ اے ساقی
بہار آنے کی بلبل خبر لگا کہنے

ہم ھیں وارستہ محبت کی مدد گاری سے
سب سے آزاد ھوئے دل کی گرفتاری سے
سبب غفلت دنیا ھے فقط عیش شباب
خواب آور ھے سحر' رات کی بیداری سے

مآل مردم ماضی و حال و استقبال
سنا تو ایک کی' کچھ داستان ھے سب کی

عدو بھی ھو سبب زندگی جو حق چاھے
نسیم صبح ھے روغن' چراغ میں گل کے
چمن کھلیں ھیں پہونچ بادہ لے کے اے ساقی
گرفتہ دل مجھے مت کر فراغ میں گل کے

پاس اب ھمارے' نکہت گل کو نہ لا نسیم
دل سے ھوس چمن کی اسیروں کے دور کی

محرم! فقط تسلی کے دینے سے کیا حصول
کر فکر ہوسکے تو دل نا صبور کی

مرے ملنے کی اس کو تب ہوس ہووے اثر ہووے
کہ مجھ میں اک رمق باقی نفس ہووے اگر ہووے

ہمارے کفر کے پہلو سے دیں کی راہ یاد آوے
صنم رکھتے ہیں جس کو دیکھ کر اللہ یاد آوے

آئے جو بزم میں تو اٹھا چہرے سے نقاب
پروانے ہی کو شمع سے بیزار کر چلے
آزاد کرتے تم ہمیں قید حیات سے
اس کے عوض جو دل کو گرفتار کر چلے
تو خوش رہو گھر اپنے میں، جس شکل سے ہو تم
دو چار نالے ہم پس دیوار کر چلے

اثر، نے آہ میں ہر چند، نے تاثیر نالے میں
پر اتنا ہے کہ ان دونوں سے میرا دل بہلتا ہے

خو گر کو اسیری کے، ہے ظلم رہا کرنا
خوشتر زچمن، اس کو ہے دام گرفتاری

جو کچھ جہاں میں ہے وہ فرق ہے تعین کا
سخن مرا نہ سمجھنا قصور کس کا ہے
یہ سمجھیں ہیں کہ تو خالق ہے اور ہم مخلوق
ترے گناہ سمجھنا شعور کس کا ہے
جہاں کی بزم سے یا رو کسی کا اُٹھ جانا
یہ کون جانے کہ نزدیک و دور کس کا ہے

تمیز خوب و زشت اے مہرباں کب عشق نے پائی
محبت میں سبھی یکساں ہیں جس کی جس سے بن ائی
جھکایا تھا مجھے زاھد نے کوچہ رنج دنیا کا
مغاں نے راحت دنیا کی مجھ کو بات بتلائی

دھن غنچے کا جب دیکھوں ھوں گوش گل پہ گلشن میں
تو اپنا درد دل کہنا کسو سے یاد آتا ھے

زیست قاتل ھے مری، تجھ بن، اجل بدنام ھے
سینے میں موج نفس اک تیغ خوں آشام ھے
عشق کے انجام سے دل کو ھے غفلت اس طرح
جیسے وہ ماھی کہ دریا میں میان دام ھے

یاں جو ھوں خاموش سو تیری ندامت کے لئے
ورنہ شکوں کے ذخیرے ھیں قیامت کے لئے
آنکھ اُٹھا کر دیکھ تو اے یار میری بھی طرف
کب سے ھوں میں منتظر صاحب سلامت کے لئے

زخم سینہ کا تو بھر آیا ھے، لیکن داغ دل
وہ گیا ھے دوستی کي یہ علامت کے لئے

میں حال کہوں کس سے، ترے عہد میں اپنا
روتے ھیں کہیں دل کو، کہیں جی کی پڑی ھے
محکوم تصور کسي مرے ھے، تری صورت
آگے مري آنکھوں کي شب و روز کھڑي ھے

جان بھی دیجے جو اس جینے کا اب جھگڑا چکے
دین و دل کھو کر میاں اپني سزا ھم پا چکے
یہ نوید آمد کے پیارے! مجھ سے مجھ کو لے گئے
آپ میں آیا میں تب اُکتا کے جب وہ جا چکے
گوش زد اس کے کیا اعدا نے میرا حرف عشق
کیا رھا جلنے میں اب جب آگ وہ سلگا چکے

جھلک جس شوخ میں ذرہ نہ ھو نور محبت کی
اگر خورشید ھے کیا ھے و گر مہتاب ھے کیا ھے

سینے کو دور کر مرے سینے کے داغ سے
سوز شب فراق کو دیکھ اس چراغ سے

شمع و چراغ گو کہ مری شب سے دور ھے
تو گھر میں ھو مرے تو اندھیرا بھی نور ھے

جب نظر اس کی آن پڑتی ھے
زندگي تب دھیان پڑتی ھے
دل سے پوچھا میں یہ کہ عشق کي راہ
کس طرف مہربان پڑتی ھے
کہا ان نے کہ یہ نہ ھندستاں
نے سوئے اصفہان پڑتی ھے
یہ دور رھا جو کفر و دیں کا ھے
دونوں کے درمیان پڑتي ھے
نہیں عیسی تو پھر سخن سے تیرے
تن بےجاں میں، جان پڑتی ھے

گذر ادھر بھي وہ شاہ خوباں کرے جو اک دم تو کیا عجب ھے
ھوئی ھے آگے بھی بادشاھوں سے اس طرح کي گدا نوازی

گل ھے عاشق ترا قسم مت کھا
یوں گریباں کسي کا پھٹتا ھے
عشق سے تو نہیں ھوں میں واقف
دل کو شعلہ سا کچھ لپٹتا ھے

جان تو حاضر ہے ، اگر چاہئے
دل تجھے دینے کو ، جگر چاہئے

عشق ہو، شرط ہے کیا ؟ ہو مرض الموت مجھے
یارب ! انسان کے مرنے کے ہیں آزار کئی
ترے بازار میں اب کیونکہ نہ بگڑے "سودا"
ایک یوسف نظر آتا ہے ، خریدار کئی

چھڑ کی تو مدتوں سے مساوات ہوگئی
گالی کبھو نہ دی تھی سو اب بات ہوگئی
بس اب ستم سے در گذر اے یار ! تا کجا
اعمال دے کے میری مکافات ہوگئی
ملنا ترا، ہر ایک سے میں کیا بیاں کروں
عالم سے مجھ کو ترک ملاقات ہوگئی

کیجیو اثر قبول کہ تجھ تک ہماری آہ
سینے سے ار مغاں لئے لخت جگر، گئی

اب کی بھی دن بہار کے یوں ہی چلے گئے
پھر پھر گل آ چکے پہ صنم تم بولے گئے
اے شمع ! دل ، گداز کسي کا نہ ہو کہ شب
پروانہ داغ تجھ سے ہوا ، ہم چلے گئے

ہے مدتوں سے خانۂ زنجیر ' بے صدا

معلوم ہي نہیں کہ دوانے کدھر گئے

''سودا'' جہاں میں آکے کوئی ' کچھ نہ لےگیا

جاتا ہوں ایک میں' دل پر آرزو لئے

وعدۂ لطف و کرم ' گر نہ وفا کیجئے

مہر نہیں تو ستم' کچھ تو بھلا کیجئے

فرصت عمر اپنی یہ' لطف خداوند وہ

کہہ تو حق بندگی کیونکہ ادا کیجئے

کہوں میں کسي سے کہ مطلب قرار وا کیجئے

بھلا ہے ترک تعلق کا مدعا کیجے

کہے تھا شمع سے پروانہ' رات جلتے وقت

کہ حق بندگي اس طرح سے ادا کیجئے

کہا طبیب نے احوال دیکھ کر میرا

کہ سخت جان ہے ''سودا'' کا اُہ کیا کیجئے

بھاگ دیوانے سے مت اے غافل

وہیں جاناں ہے جہاں مجنوں ہے

گر تجھ میں ہے وفا تو جفا کار کون ہے

دل دار تو ہوا تو دل آزار کون ہے

ہر آن دیکھتا ہوں میں اپنے صنم کو شیخ

تیرے خدا کا طالب دیدار کون ہے

"سودا" کو جرم عشق سے کرتے ہیں آج قتل
پہچانتا ہے تو؟ یہ گنہ گار کون

الفت میں کچھ اپنی بھی اثر چاہئے "سودا"
ہر چند وفا شیوۂ محبوب نہیں ہے

جگر اور دل پہ اب میرے، بہار ایسی ہے داغوں سے
کہ زخم سینہ گویا، رخنۂ دیوار گلشن ہے

دل لے کے ہمارا جو کوئی طالب جاں ہے
ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جی ہے تو جہاں ہے
ہر ایک کے دکھ درد کا، اب ذکر و بیاں ہے
مجھ کو بھی ہو رخصت تو مرے منھ میں زباں ہے
جو یندۂ ہر چیز ہے یابندہ جہاں میں
جز عمر گذشتہ کہ وہ ڈھونڈھو سو کہاں ہے
پیری جو تو جاوے تو جوانی سے یہ کہنا
"خوش رہیو مری جان تو جبدھر ہے، جہاں ہے"

جو وہ پوچھے تجھ سے اے قاصد کہ "سودا" خوش تو رہتا ہے
تو یہ کہیو! کبھو رو رو، دل اپنا شاد کرتا ہے
بسان نے، ترے ہاتھوں سے نالاں اس کو دیکھا میں
کوئی تک منھ لگاتا ہے تو وہ فریاد کرتا ہے

خواہ کعبے میں تجھے، خواہ میں بت‌خانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار! کہیں دیکھا ہے
پھرے ہے کوچہ و بازار میں تو کیوں "سودا"
جنس دل کا بھی خریدار کہیں دیکھا ہے

یاں چشم سرمہ سا کا، مارا کوئی جیا ہے
ہر سرو، اس چمن کا اک آہ بے صدا ہے
لب تشنگان جام تسلیم، ہم ہیں ساقی!
یا بادہ، یا ہلاہل، جو ہو سو واہ وا ہے

قاصد کو اپنے ظالم جو کچھ کہ دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے
ترا غرور، مرا عجز، تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی اخر کچھ انتہا بھی ہے
سمجھ کے رکھیو قدم خار دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں "سودا" برہنہ پا بھی ہے

کب تاب قفس لا سکے، وحشت مری صیاد
اک الفت گل بس ہے کہ سو دام یہی ہے

"سودا" کے ہاتھ کیونکہ لگے وہ متاع حسن
لے نکلیں جس کو گھر سے تو بازار ساتھ ہے

اس چشم خوں چکاں کا احوال کیا کہوں میں
اب زخم ہے تو یہ ہے، ناسور ہے تو یہ ہے
کچھ بس نہیں ہے تجھ سے، جز رو کے چپ ہو رہنا
قدرت جو ہے تو یہ ہے، مقدور ہے تو یہ ہے
گردش سے آسماں کے نزدیک ہے سبھی کچھ
ہم سے تجھے ملانا اک دور ہے تو یہ ہے

گذرا ہے کس کی خاک سے ظالم تو بے خبر
دامن کے ساتھ ساتھ ترے گرد ہے سو ہے
"سودا" گلی میں یار سے گو بولتا ہے گرم
پھر ہر سخن کے ساتھ دم سرد ہے سو ہے

درد میرے استخواں کا کیا ترے دمساز ہے
اس قدر اے ! نے تری دل‌گیر کیوں آواز ہے

پروا عبث ہے ہم سے یہ خاطر نشاں رہے
جس دم اٹھا یہ بیچ سے، پھر ہم کہاں رہے

کیا پوچھتے ہو حال اسیران چمن کا
یک مشت پر اب کنج قفس میں ہمگی ہے
"سودا" کے جو بالیں پہ ہوا شور قیامت
خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

نہیں ممکن اسیروں کی کوئی فریاد کو پہونچے
صبا یہ مشت پر اس دام سے، صیاد کو پہونچے
عبث نالاں ہے اس گلشن میں تو اے بلبل ناداں
نہیں ہے رسم یاں کوئی کسی کی داد کو پہونچے

رہا کرنا ہمیں، صیاد! اب پامال کرنا ہے
پھڑکنا بھی جسے بھولا ہو سو پرواز کیا سمجھے
نہ پہونچے داد کو ہرگز، ترے کوچے کا فریادی
کسی کی، شور محشر میں کوئی آواز کیا سمجھے
نہ پوچھو مجھ سے میرا حال تک دنیا میں جینے دو
خدا جانے میں کیا بولوں کوئی غماز کیا سمجھے

پہونچی نہ تجھ کو آہ! مرے حال کی خبر
قاصد گیا تو ان نے بھی کچھ اپنی ہی کہی

شعلہ میں برق کا ہوں، پر افسردہ یاں تلک
ہر خار اس چمن کا سمجھتا ہے خس مجھے

اک گل سے بو وفا کی گر آتی ہو اے نسیم
ہر صبح اس چمن کی ہو شام قفس مجھے

منھ لگاوے کون مجھ کو، گر نہ پوچھے تو مجھے
عکس بھی دیتا نہیں اب آئینے میں رو، مجھے
منحصر جوں شمع جلنے پر مری ہے زندگی
تاپ و تپ سے عشق کے یاں تک ہوئی ہے خو، مجھے

ہے قسم تجھ کو فلک دے تو جہاں تک چاہے
جلوہ حسن اُسے، حسرت دیدار مجھے
ہوں تصدق ترے، او عالم فانوس خیال
گو تحیر نے کیا صورت دیوار مجھے
نہ پھرا ملک عدم سے تو کوئی اے "سودا"
جانا ہے ان کی خبر کے لئے، ناچار مجھے

جل موا، شمع کو دیکھا جو مری بالیں پر
بدگمانی سے میں اب داغ ہوں پروانے کی
شکر صد شکر نہیں میں کسی خاطر کا غبار
خاک کعبے کی ہوں، یا گرد صنم خانے کی

کسو نے حال سے میرے، کبھی نہ تجھ سے بات
اگر کبھی بھی کسو نے تو اپنے مطلب کی

نہیں ہے رشتۂ تسبیح صورت زنار
قسم ہے شیخ تجھے اپنے دین و مذہب کی

جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے
اس دل کی اسیری سے نہیں کچھ تمہیں حاصل
اک نالۂ جاں کاہ سن' آزاد کروگے

عشرت سے دو جہاں کے یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے' یہ نہ ہو سکے

ٹالا ہی تھا پہاڑ کو فرہاد نے ولے
آئے کو کیا کرے جو وہ سر سے نہ ٹل سکے

آہ و زاری سے مری' شب نہیں سویا کوئی
تجھ سے نالاں ہوں میں' اک خلق ہے نالاں مجھ سے

دل بے عشق کی دشمن ہے' تحریک نفس ناصح
کرے ہے کام پتھر کا ہوا' مینائے خالی سے

رکھیو اثر تو خاطر' نالے کی تک ہمارے
پہونچا ہے دل سے لب تک' یہ سخت زحمتوں سے

نہ بھول اے آرسی! گر یار کو تجھ سے محبت ہے
بھروسا کچھ نہیں اس کا، یہ منہ دیکھے کی الفت ہے

———

کون! محشر میں ہمارے خون کی دیوے گا داد
جب تو بولے گا کہ ہم قاتل ہیں، یہ مقتول ہے

———

منہہ پسارے کیا پھرے ہے اے فلک! سمجھے ہیں ہم
ایک دن تیرا دہن اور اپنی مشت خاک ہے

———

کہتا ہے عشق، عقل سے مجھ کو تو بیر ہے
ناصح تو کیوں بکے ہے دوانہ سا؟ خیر ہے

———

کیا نیاز عشق سے غافل ہے ناز حسن آہ
شیریں کیا جانے کہ خوں آلود جوئے شیر ہے

———

رحم کچھ آپی تجھے آوے تو آوے ورنہ یاں
آہ ہے سو بے اثر، نالہ سو بےتاثیر ہے
اس قدر آغوش میں نظارہ کھینچے ہے تجھے
پشت آئینہ کی تیرا عکس رو تصویر ہے
جو کوئی پوچھے کیا کس جرم پر ''سودا'' کو قتل
کہو ''کسی کو گر کوئی چاہے یہ کم تقصیر ہے''

———

گل پھینکے ہیں غیروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر انداز چمن! کچھ تو ادھر بھی
کیا ضد ہے مرے ساتھ، خدا جانے، وگرنہ
کافی ہے تسلی کو مری، ایک نظر بھی
اے ابر قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے
تجھ چشم سے ٹپکا ہے کبھو لخت جگر بھی
"سودا" تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

کریں ہیں دربہ ترے، شیخ و برہمن سجدہ
بتوں کے حسن و ادا! تیری، یاں خدائی ہے
تن گداز میں دل کیونکہ تیں رکھا "سودا"
یہ آگ، پانی میں کس سحر سے چھپائی ہے

بہار بے سپر جام و یار گذرے ہے
نسیم تیر سی چھاتی کے پار گذرے ہے
گذر مرا ترے کوچے میں گر نہیں تو نہ ہو
مرے خیال میں تو لاکھ بار گذرے ہے
ہزار حرف شکایت کا، دیکھتے ہی تجھے
زباں پہ شکر ہو بے اختیار گذرے ہے

سینوں کو دلوں سے تو نہ خالی کر اب اتنا
ڈرتا ہوں نہ چھاتی کسی بے دل کی بھر آوے

ظالم! کر اب انصاف کہ سینے میں کہاں سے
ہردم کے لہو پینے کو تازہ جگر آوے
بے خوابی سے مرتا ہے شب ہجر میں "سودا"
اب کہنے کو افسانہ، کوئی نوحہ گر آوے
نامے کا جواب آنا تو معلوم ہے اب کاش
قاصد کے بد و نیک کی مجھ تک خبر آوے

درخت خشک ہوں اس باغ میں، خدا نہ کرے
کہ باغباں میرے احوال سے خبر پاوے

ہر دانہ میرے خوشۂ خرمن میں ہے شرر
کہہ! برق کو سمجھ کے ٹک ایدھر گذر کرے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہوئے خدا کرے
فکر معاش، عشق بتاں، یاد رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوب رو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

ڈھایا میں ترے کعبے کو، تیں دل مرا اے شیخ
تعمیر میں کروں اُسے، تو اس کو بنادے
بیمار کو تیرے ہو شفا، اس سے، نہ مانوں
عیسیٰ کو یہ قدرت ہے کہ مردے کو جلادے

بال و پر توڑ کے سونپے ہے قفس کو صیاد
تجھ سے رخصت ہے مری اے ہوس آزادی

کب شمع مجالس کی فانوس میں چھپتی ہے
جو حسن ہو بازاری؛ مت اس کو بٹھا پردے

" سودا " چمن دھر سے یہ چشم نہ رکھیو
وہ گل نظر آوے کہ جسے خار نہ ہووے
جز لخت دل اپنے، تو نہ دیکھے گل بے خار
سو بھی کہ جو مژگاں پہ نمودار نہ ہووے

پھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھو ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

دیوانگی ہماری کیا کیا مچاتی دھومیں
زنجیر پاؤں ہوکے، گر اپنے گھر نہ لاتی

اک خلق کی نظروں میں سبک ہو گیا لیکن
کرتا ہوں میں اب تک تری خاطر پہ گرانی
تک دیدۂ تحقیق سے تو دیکھ زلیخا
ہر چاہ میں آتا ہے نظر یوسف ثانی

انصاف کچھ بھی یارو! ہے عشق کی نگر میں
دل غم سے آب ہووے اور چشم موتی رو لے

آوے گا وہ چمن میں ترکے ہی مےکشی کو
شبنم سے کہہ دے بلبل! پیالے گلوں کے دھولے
کم بولنا ادا ہے ہر چند، پر نہ اتنا
مند جاے چشم عاشق تو بھی وہ لب نہ بھولے
چشم پرآب ہوں میں جوں آئینہ خیالی
رک رک کے پڑگئے ہیں چھاتی میں سب پھپھولے
کون ایسا اب کہے یہ "سودا" گلی میں اس کی
آ تجھ کو لے چلیں ہم دل کھول کرکے رولے

کدورت سے زمانے کی بہ رنگ شیشۂ ساعت
ملے ہم‌درد اگر کوئی تو کیجئے دل بہم خالی

پہونچے سو کیونکہ ? منزل مقصد کو یہ قدم
پیدا ہوئے ہیں گردش ایام کے لئے

"سودا" ہزار حیف کہ آکر جہاں میں ہم
کیا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لئے

مطلعات

غنچوں کو گو شگفتہ چمن میں صبا کیا
لیکن ہمارے غنچۂ دل کو نہ وا کیا

ہے سخت بے مروت، وہ بت وفا کرے کیا
پر اب تو لگ گیا دل دیکھیں خدا کرے کیا

سننے پائے نہ دھن اس کے سے، دشنام تمام
جنبش لب ہی میں اپنا تو ہوا کام تمام

"سودا" کے لئے برسر بازار ہوئے ہم
ہاتھ اس کے بکے، جس کے خریدار ہوئے ہم

آگے یا قسمت جلوے یار یا مارے ہمیں
اب تو آنکھوں سے لگا ہے دیکھنے بارے ہمیں

فردیات

دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کروں
آنکھیں تو مانتی نہیں میں اس کو کیا کروں

مےکشاں ! روح ہماری بھی کبھو شاد کرو
ٹوٹے گر بزم میں شیشہ تو ہمیں یاد کرو

وہ سمندر ہے کہ جس کا نہ کہیں پاٹ لگے
کشتی عمر مری دیکھئے کس گھاٹ لگے

رباعیات

کتنوں کا جہان میں زر و مال ہے شکر
کتنوں کا ہے با دولت و اقبال ہے شکر
یوں شکر تو سب کرتے ہیں لیکن "سودا"
شاکر ہے وہی جس کو بہر حال ہے شکر

"سودا" پے دنیا تو بہر سو کب تک
آوارہ ازیں کوچہ بہ آں کو، کب تک
حاصل یہی اِس سے ہے کہ دنیا ہوئے
بالفرض ہوا یوں بھی تو، پھر تو کب تک

۲۲۰

جہاں کے بحر میں اے دل لباس اتنا چاہ

کہ جوں حباب، وہی پیرہن وہی ہو کلاہ

تو کس تلاش میں سر مارتا پھرے ہے کہ عمر

بہ رنگ رشتۂ سوزن ہے ہر قدم کوتاہ

چاہی تھی بتوں کی آشنائی ہم نے

پر عقل کی مانی رہ نمائی ہم نے

اس دل کے کنارے سے ہمارے یارو

کچھ آگ لگی تھی سو بجھائی ہم نے

کوتاہ نہ عمر مے پرستی کیجے

زلفوں سے تری دراز دستی کیجے

ساقی جو نہ ہو شراب، ہے آج وہ ابر

پانی پی پی کے فاقہ مستی کیجے

سرمایۂ عیش، کامرانی تو ہے

آرام دل و مونس جانی تو ہے

گر تو نہیں آوے جینا کس کام

میری تو مراد زندگانی تو ہے

افسوس ہماری عمر روتے گذری

نت دل سے غبار غم ہی دھوتے گذری

دیکھا نہ کبھی خواب میں اپنا یوسف
هرچند تمام عمر سوتے گذری

رباعیات مستزاد

دنیا کی طلب میں دین کھوکر بیٹھے — ہوکر گم راہ
کرنا ھی نہ تھا جو کام سو، کر بیٹھے — اے عقل بتا،

کعبے میں شیخ بت‌کدے میں ھندو — بےرنگ و بہ رنگ
کس بو قلموں صنم کے کافر هم هیں — اللہ اللہ

قصائد

مدح امام حسین علیہ السلام

سوائے خاک نہ کھینچوں گا منت دستار
کہ سر نوشت لکھی ہے مری بہ‌خط غبار

چمن زمانے کا شبنم سے بھی رہے محروم
اگر نہ رو وے مرے روزگار پر شب تار

کروں هوں تیز میں دندان اشتہا هر صبح
زمانہ سنگ ملامت سے توڑتا ہے نہار

شراب، خون جگر ہے، گزک مجھے دل خوش
صدائے نالۂ دل ہے مجھے، ترانۂ یار

زمانہ دل کو مرے اور عہد یار کو اب
شکست سے نہیں دیتا ہے ایک آن قرار
ز بس کہ دل ہے مکدر مرا زمانے سے
بہ‌جائے اشک، میں آنکھوں سے پوچھتا ہوں غبار
کہاں تلک وہ کرے روزگار کا شکوہ
کہ جس کے بخت کی سو گند کھاوے ہے ادبار
دلا تو اپنے غم دل کو اب غنیمت جان
بدل خوشی سے تو اس دور میں نہ کر زنہار
کسو ہی سے غم دل یوں نہ لے گیا دوراں
کہ شادی مرگ کیا ہو نہ اس کو آخر کار
جو گوش ہوش تو رکھتا ہے تو برابر ہے
صدائے نغمۂ داؤد نالۂ دل زار
شکستگی سے مجھے دل کی یوں ہوا معلوم
فلک نے گوشۂ خاطر کو بھی کیا مسمار
پڑا پھرے ہے اسی فکر میں سدا ظالم
کسو طرح سے کسو دل کو دیجئے آزار
رکھے ہے مجھ سے خصوصاً عداوت قلبی
خیال خام کو یوں دے کے اپنے دل میں قرار
کہ خاک کر کے اسے ہند میں بناؤں گا
چراغ بت‌کدہ‌وخشت خانۂ خمار
کدھر خیال کو اب لے گیا ہے یہ بے مغز
ز بس بھرا ہے سر اس کا ہوائے کج رفتار
دکھاؤں‌گا اسے، اب مرد، یوں کریں ہیں عزم
مشیت از لی بھی ہوئی جو ہم سے برار

تو روسیاہ کر اس ہند کا ، کوئی دن اور
اسی دیار کی گلیوں کا ہو جئے گا غبار
جہاں کے مرگ کو کہتا ہے خضر عمر ابد
خدا نصیب کرے مجھ کو زندگی اک بار
جو کچھ کہ مجھ سے سنے صدق سے تو باور کر
متحمدی سے فرنگی ہو جو کرے انکار
خدا نہ خواستہ گر آسماں کی گردش سے
قضا طبیب ہوئی گر مسیح ہو بیمار
فلک سے اس کو ملائک کے آگے واں ہو ویں
جب اس دیار کے جاروب کش سے منت دار
اگر وہ خاک دے اس کو، شفا کی نیت سے
قضا قضا ہی کرے تک اگر کرے تکرار
ہے اس قدر وہ زمیں نور سے ہے مالا مال
کہ جس کی رات کے آگے نہیں ہے دن کو قرار
ہوا کے وصف میں اُس جا کی گر لکھوں میں غزل
مرا سخن رہے سر سبز تا بہ‌روز شمار

ز بس ہوا نے طراوت کو واں کیا ہے نثار
شرار سنگ میں ہیں رشک دانہ ہائے انار
گر اس طرف سے ہو جاوے صبا چمن کی طرف
نہ ہو سوائے زمرد عقیق واں زنہار
جو نخل خشک کی تصویر کھینچے واں نقاش
ہر ایک شاخ وہیں سبز ہوکے، لاوے بار

عجب نہیں ہے کہ ہوں اس ہوا سے دانۂ سبز
اگر زمیں پہ گرے توت سمیۂ زوار
غرض میں کیا کہوں یارو چمن میں قدرت کے
عجب ہے لطف کی اس قطعۂ زمیں پہ بہار
انہوں کی نظروں میں ہوگی بہشت کی کیا قدر
جنھیں ہے مسکن و ماوا کے واسطے وہ دیار
غرض کہ دیکھ کے اس جا کے مرتبے کے تئیں
لگا زمین سے کرنے فلک یہ استفار
خبر دے اس کی مجھے اے زمیں کہ تجھ میں سے
ہوا ہے کس لئے اس خاک کو یہ عز و وقار
دیا جواب زمین نے کہ اے فلک ہیات
نہ دیجو مجھ سے تناسب اُسے تو دیگر بار
نہیں ہے خاک وہ ہے آبروئے آب حیات
نہیں وہ خاک ہے کحل الجواهرالابصار
اگر نہ چشم کو اکب کو پہنچے اُس میں سے
نہ کر سکے شب تاریک بیچ تو رفتار
مجھے ہے نسبت اب اس خاک سے کہاں جس میں
ابو تراب کے فرزند نے کیا ہو قرار
امام مشرق و مغرب شہہ زمین و زمن
رموز دان خداوند ، لجۂ اسرار
اگر نہ ہو قلم صنع ہاتھ میں اس کے
تو لوح دفتر قدرت میں فرد ہو بے کار
خدا نہ خواستہ دیوے چہار عنصر میں
گر اس کی رائے بدلنا طبیعتوں کا قرار

ابھی فنا کرے منفذ ہوا کا ذرہ خاک
نہ چھوڑے پانی کا قطرہ جہاں میں ایک شرار

گر اس کا حکم اتھاوے جہاں سے رشتۂ کفر
مجال کیا جو سلیمانی میں رھے زنار

شکوہ خیمہ کا اُس کے بیاں کروں لیکن
کہاں خیال کو ھے پہونچنے کا واں تک بار

کہ جس کي دیکھ کے رفعت، فلک ھے چکر میں
اسی کے بوجھ سے ھے صفحۂ زمیں کا قرار

نہیں ستارے یہ ھیں بلکہ لوٹتا ھے گُ
اسی حسد سے انگاروں پہ چرخ لیل و نہار

کرے ھے عرش اُسے اپنے جبھہ پر صندل
گر اس کے فرش سے جاروب کا اٹھے ھے غبار

کمیت خامے نے اب اس کے وصف گل گوں میں
کیا ھے صفحۂ کاغذ کو تختۂ گلزار

چمن میں صدمے کے جس کی سبک روی آئے
کبھو نہ ایک قدم چل سکے نسیم بہار

غرض وہ گرم عناں ھو کے جب چمکتا ھے
نہیں پہونچتي ہے برق اس کی گرد کو زنہار

بیاں جلدی کا اُس کی کہاں تلک میں کروں
ملک کو جس کی سواری کا عزم ھو دشوار

چڑھا براق کے راکب نے دوش پر اپنے
سکھائی جس کو سواری وھي ھو اس پہ سوار

کہے ہے أشہد أن لا إلـہ إلاالله

عدم میں کفر سدا یاد کر تری تلوار

جہاں نہ پھونچے ہے تیرے خیال کا پیکاں

کرے ہے واں سے گزر تیرے تیر کا سوفار

نمط حباب کے ' قالب تہی کریں دریا

گریں جو اُن پہ تری آتش غضب کے شرار

کریں ہیں نہ ورق آسمان کوتاہي

شہا اگر تیري بخشش کا کیجئے طومار

بھرا ز بس شکم حرص جو دئے تیرے

نہیں اب اس کے تئیں درد امتلا سے قرار

گہر نہ ہوں جو ترے ابر فیض کے آگے

کرے نہ گر عرق انفعال ابر بہار

نگاہ فیض تري کیمیا اثر اتني

اگر وہ ہو کرۂ خاک کی طرف اک بار

نہ نکلے کان سے فولاد تا ابد ہرگز

عجب نہیں ہے بغیر از طلاے دست افشار

رہیں فلک پہ مہ و مہر جب تلک قائم

ہمیشہ دیکھے اسي طرح چشم لیل و نہار

موالیاں کے قدم سے لگا رہے اقبال

جدا نہ ہو سر اعدا سے چنگل ادبار

منقبت حضرت علی علیہ‌السلام

اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل

تیغ اُردي نے کیا ملک خزاں مستاصل

سجدۂ شکر میں ہے شاخ ثمردار ہر ایک
دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عز و جل
واسطے خلعت نو روز کے ہر باغ کے بیچ
آب جو قطع لگی کرنے روش پر مخمل
بخشتی ہے گل نو رستہ کی رنگ آمیزی
پوشش چھینٹ قلم کار بہر دشت و جبل
عکس گلبن یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے
ہنر نقاشی مانی ہے دوم وہ اول
تار بارش میں پروتے ہیں گہر ہائے تگرگ
ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل
بار سے آب رواں عکس ہجوم گل کے
لوٹتے ہے سبزے پہ از بسکہ ہوا ہے بے کل
شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہونچی ہے
شمع ساں گرمی نظارہ سے جاتی ہے پگھل
جوش روئیدگیٔ خاک سے کچھ دور نہیں
شاخ میں گاو زمیں کے بھی جو پھوٹے کو پل
یا سمن رنگ جو رکھتی ہے خزاں سے مانا
چاہتی ہے بہ سماجت کرے سبزے سے بدل
چشم نرگس کی بصارت کے ز بس ہے در پے
غنچۂ لالہ نے سرمے سے بھری ہے مکحل
اس قدر محو تماشا ہے کہ نرگس کی طرح
چشم ہشیار گلستاں میں جھپکتی نہیں پل
آبجو گرد چمن لمعۂ خورشید سے ہے
خط گلزار کے صفحے پہ طلائی جدول

سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر

ساغر لعل میں جوں کیجے زمرد کو حل

برگ برگ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے

گل کو دیکھو تو نگہ جاوے ہے سنبل پہ پھسل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم

پاؤں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل

اتنی ہے کثرت لغزش بہ‌زمین ہر باغ

جو ثمر شاخ سے اترا سو گرا سر کے بھل

فیض تاثیر ہوا یہ ہے کہ اب حنظل سے

شہد ٹپکے جو لگے نشتر زنبور عسل

دانہ جس شور زمیں میں نہ پھلا دھقاں سے

سبز واں دانۂ شبنم سے ہوا ہے جنگل

کشت کرنے میں ہر اک تخم سے از فیض ہوا

گرتے گرتے بہ زمیں برگ و بر آتا ہے نکل

جوہری کو چمنستان جہاں میں اس فصل

آگیا لعل و زمرد کے پرکھنے میں خلل

نسبت اس فصل کو پر کیا ہے سخن سے میرے

ہے فضا اس کی تو دو چار ہی دن میں فیصل

اور میرا سخن آفاق میں تا یوم قیام

رہے گا سبز بہ‌ہر مجمع و ہر یک دنگل

تا ابد طرز سخن کی ہے مری رنگینی

جلوۂ رنگ چمن جاوے گا اک آن میں ڈھل

نام تلخی نہیں مجھ نطق میں جز شیرینی

یک طرف تار گلستاں میں ہے یکسو حنظل

وہیں برومند سخن‌ور، مرے ہر مصرعہ سے
مصرعۂ سرو سے پایا ہے کسي نے بھي پھل
ہو جہاں کے شعرا کا مرے آگے سر سبز
نہ قصیدہ، نہ مخمس، نہ رباعی، نہ غزل
ہے مجھے فیض سخن اس کی ہے مداحي کا
ذات پر جس کي مبرهن کلم عزو جل
مہر سے جس کی منور رہے دل جوں خورشید
روسیہ کینے سے جس کے رہے مانند زحل
بغض جس کا کرے جوں مور سلیماں کو ضعیف
مور کو حب سے ملے جس کے، پیلوں کا سا بل
شہر یزداں، شہ مردان علي، عالي قدر
وصئ‌ی ختم رسل اور امام اول
خاک نعلین کی جس کي مدد طالع سے
پہنچے اس شخص کو جو شخص ہو اعمائے یزل
وہ نظر آئے اُسے دھر کی بینائي سے
رہ گیا اور رہےگا جو ابد تک اوجھل

مطلع دوم

دید تیرا بہ‌دوئی حق سے نگہ کا ہے خلل
ایک شے دو نظر آتی ہے بہ‌چشم احول
تیری قدرت بہ‌جہاں قدرت حق کی خاطر
خلق کے وہم غلط کار میں ٹھہری ہے مثل
رائے تیري کے موافق جو نہ لکھے نسخہ
کرے تاثیر نہ عیسے کا مداوا بہ کسل

سر کے پیکان نہ قبضے سے کماں کے سر مو
هو اشارہ جو ترا تیر قضا کو کہ "نہ چل"
معلئي علت غائي جو نہ هو، تو اُن کا
خانۂ هر دو جہاں پھر هوں دو بیت مہمل
جو گدا هے بہ جہاں تیرے گدائے در کا
اُس کے درکا وہ گدا کہئے جسے اهل دول
وصف تجھ تیغ دوسر کا میں کروں کیا شہ دیں
دل مجنوں کے جو میدان کرے هے صیقل
کھینچ اُسے گر تو عدو پر کرے میداں میں نہیب
اِستقامت کا زمانے کي قدم جائے نکل
عرض میں سے دو طرف هوکے لگے بھلنے طول
پڑے دریا میں جو وہ تفرقہ انداز اگل
جمع کب رہ سکیں اعدا کے حواس خمسہ
دیکھ کر اس کو علم هاتھ میں تیرے یک پل
توام اجزا جو موالید کے هیں یک دیگر
منجمد رهنے میں ان کے وهیں آجائے خلل
اس کو آسیب نہیں صورت شمشیر قضا
نہ جھڑے وہ، نہ مڑے وہ، نہ پڑے اس میں بل
زیر راں هے جو تیرے رخش فلک سیر شہا
هے وہ محبوب جسے کہیے نہایت اچپل
شکل کیا اس کي بتاؤں کہ جسے شوخي سے
دائرے بیچ تصور کے نہیں پڑتی کل
حسبت و خیز اس کي بیاں کیجئے گر پیش کلیم
اعتقادات حکیمانہ میں آجاوے خلل

میخ سے نعل کی اس کے میں اگر دوں تشبیہ
کرے دورے کو تمام اپنے بیک آن زحل
اس کی جلدی کا تو کیا ذکر ہے سبحان اللہ
نسبت اس کی فرس ایسا کہ جسے کہئے اچل
تو سن وہم کو دوڑائیے ساتھ اُس کے تو ہو
باز گشت اِس کا تمام اُس کے بہ گام اول
ہیبت عدل یہ تیری ہے کہ ہر دشت ' میں شیر
واسطے درد سر آہو کے گھسے ہے صندل
سامنے بز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو منڈھوا کے بجائیں جو دھل
ذکر وان کار ترے حفظ کا گر آ جاوے
کسی محفل میں بہ تقریب' زباں پر یک پل
شعلۂ شمع کی گرمی سے یقیں ہے' دل کو
شب سے تا صبح قیامت' نہ سکے موم پگھل
امر سے نہی کے تیرے بہ جہاں یا شہ دیں
کام پہنچا ہے مناہی کا بھی یاں تک بہ ذلل
کیونکہ آواز مغنی ہو گلے سے باہر
شرم سے ساز کے پردوں میں سدا ہے اوجھل
امر حق سے جو ملایک نے یہ چاہا سونپیں
علم کا بار ترے کوہ فلک کو بہ ازل
عرض دونوں نے کیا یوں بہ جناب اقدس
بوجھ اس میں ہے بہت ہم ہیں گرفتار کسل

آخرش تجھ کو ھي پایا متحمل اس کا
جب یہ دیکھا کہ کسي سے نہیں سکتا ھے سنبھل

مدح اپنی نہ سمجھ یہ جو کہا میں اس سے
رتبہ تجھ مدح کا اعلیٰ ھے سخن ھے اسفل

عرض احوال ھے اپنا ھي مجھے اس سے غرض
تا بہ آخر جو یہ موزوں میں کیا از اول

سو تو وہ کیا ھے رھا ھووے جو تجھ سے مخفي
سادہ لوحی پہ مری کیجئے یہ نظم حمل

سب کا احوال ترے پیش ضمیر روشن
ایک سے دونوں ھیں کیا ماضي و کیا مستقبل

پر کروں کیا میں کہ ھے آتھ پہر دل میرا
گردش چرخ سے جوں شیشۂ ساعت بے کل

نہ تو روزانہ مجھے اس سے خورش کا آرام
نہ مری چشم میں خواب اس سے شبانہ یک پل

راست کیشوں سے کجي اتنی ھے اس ملعوں کو
کہ دیا سرد کو ان نے نہ کبھو پھول نہ پھل

کرکے دریافت اس احوال کو اب یا مولا
تجھ سے یوں عرض کرے ھے یہ ترا عبد عقل

جلد پہنچا بہ زمین نجف اس عاصي کو
کہ اسے عمر ابد وہ' جو واں اے اجل

میری قسمت کے موافق تو معین کردے
اپني سرکار سے واں ما تحلل کا بدل

ہاتھ پھیلاوے جا زیر فلک کس کے حضور

دست ہمت نظر آتا ہے جہاں کا بہ بغل

لیکن اس امر میں ہے حق بہ طرف خلقت کے

کر کے جب دیدۂ قسمت سے سبھوں کے اوجھل

جوہر جود و کرم تھا جو بہ روز تقسیم

لکھ گویا ہو وے ترے نام سے منشی ازل

طاقت طول سخن آگے بھی تک "سودا" کو

بخش اے قوت بازوئے نبیٔ مرسل

چاہتا ہے کرے آخر وہ دعائیہ پر

نظم تجھ مدح کی بہتر ز کلام اول

تا ملے خلعت نو روز بہ بستان جہاں

پاوے تا نیر اعظم شرف برج حمل

تا کرے سبزہ بہ رخسار گل اندام نمود

تا پڑے سنبل پیچیدۂ محبوب میں بل

تا رہے داغ دل سوختۂ عاشق کو

پھولتا لالۂ خود رو رہے جب تک بہ جبل

بحر میں قطرۂ نیسا سے ہو جب تک گوہر

کر کے تا وقت تر شح کے' ہوا میں بادل

بوئے گل مست کرے باغ میں تا بلبل کو

تا کرے باد سحر عقدے کو غنچے کے حل

موج ہو آب کی تا سرو کے پائیں زنجیر

جب تلک طوق رہے گردن قمری کا محل

تالب جو یہ کرے خیمہ إستادہ حباب

تا بچھاوے بہ روش سبزۂ فرش مخمل

قدر ہو عود کي تا مجمر و آتش سے فزوں

لطف بوتا رہے عالم میں بہ چوب صندل

نخل امید سے اپنے ہوں برو مند محب

ہو محبت نہ تري جن کو نہ پاویں وہ پھل

نعت

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغاے مسلمانی

نہ ٹوٹي شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا

نہ ہو جوں تیغ بے جوہر و گر نہ ننگ عریاني

فراہم زر کا کرنا باعث اندوہ دل ہو وے

نہیں کچھ جمع سے غنچے کو حاصل جز پریشانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کي

نہ جھاڑے آستین کہکشاں شاہوں کي پیشانی

عروج دست ہمت کو نہیں ہے قدر بیش و کم

سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زر افشانی

کرے ہے کلفت ایام ضائع قدر مردوں کي

ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاتي ہے پہچاني

اکیلا ہوکے رہ دنیا میں چاہے گر بہت جیتا

ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمر خضر طولانی

اذیت وصل میں دونی جدائي سے هو عاشق کو
بہت رهتا هے نالاں فصل گل میں مرغ بستاني
مؤثر جان! ارباب هنر کو بے لباسی میں
که هو جو تیغ با جوهر' اُسے عزت هے عریانی
به رنگ کوه ره خاموش حرف نا سزا سن کر
که تا بد گو صد اے غیب سے کھینچے پشیماني
به روشن هے به رنگ شمع ربط با دو آتش سے
موافق گر نه هو وے دوست' هے وه دشمن جانی
نہیں غیر از هوا کوئي ترقي بخش آتش کا
نفس جب تک هے داغ دل سے فرصت کیونکه هے پانی
کرے هے دهر زینت ظالموں پر تیره روزي کو
که زیب ترک چشم یار سرمه هے صفا هاني

مطلع دوئم

عجب ناداں هیں جن کو هے عجب تاج سلطانی
فلک بال هما کو پل میں سونپے هے مگس راني
نہیں معلوم اُن نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا
که چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نه حیرانی
زمانے میں نہیں کھلتا هے کار بسته حیراں هوں
گره غنچه کي کھولے هے صبا کیوں کر به آساني
جنوں کے هاتھ سے سر تا قدم کاهیده اتنا هوں
که اعضا دیدهٔ زنجیر کي کرتے هیں مژگاني
نه رکھا جگ میں رسم دوستی اندوه روزی نے
مگر زانو سے اب باقي رها هے ربط پیشانی

سیہ بختی میں اے "سودا" نہیں طول سخن لازم
نمط خامے کے سر کٹوائے گی ایسی زباں دانی

سمجھ اے نا قباحت فہم کب تک یہ بیاں ہوئے
ادائے چین پیشانی و لطف زلف طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیف مسلمانی

زہے دین محمد پیروی میں اس کی جو ہووے
رہے خاک قدم سے اُس کی چشم عرش نورانی

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کی
امانت دار نور احمدی ہوتی نہ پیشانی

زباں پر اس کی گذرے حرف جس جاگہ شفاعت کا
کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی

موافق گر نہ کرتا عدل اُس کا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے بندھتی تھی شکل لعل رمانی

پلے ہے آشیاں میں باز کے بچہ کبوتر کا
شباں نے گرگ کو گلے کی سونپی ہے نگہبانی

ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں
و گر نہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی

حدیث من رآنی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اس کو اس نے دیکھی شکل یزدانی

غرض مشکل ھمیں ھوتی کہ پیدا کرکے ایسے کو
خدا گر یہ نہ فرماتا " نہیں کوئی مرا ثانی "
بس آگے مت چل اے "سودا" میں دیکھا فہم کو تیرے
کر استغفار اس منھ سے اب ایسے کی ثنا خوانی

نعت و منقبت

چہرۂ مہروش ھے ایک، سنبل مشک فام دو
حسن بتاں کے دور میں، ھے سحر ایک، شام دو
فکر معاد اب کریں، یا کہ معاش کی تلاش
زندگی اپنی ایک دم، کیجئے کیونکہ کام دو
پھینکے ہے منجنیق چرخ تاک کے سنگ تفرقہ
بیٹھ کے ایک دم کہیں، ھوویں جو ھم کلام دو
خرد و بزرگ دھر میں، نسبت جام و شیشہ جان
بادہ تو ان میں ایک ہے، گو کہ ھوے بہ‌نام دو
مثل زباں خامہ ھیں، گر نبی و امام دو
معنی تو ان میں ایک ھیں گو کہ ھوے بہ‌نام دو
ھونے نہ دے غروب ایک، پھر نماز مہر کو
ایک کرے اشارے سے، قرص مہ تمام دو
ان کے طواف روضہ کو پہنچے کبھی نہ جبرئیل
رکھ کے زمیں پہ ایک گام، تا نہ کرے سلام دو
موسیٰ و خضر اور مسیح، در پہ انھوں کے وقت طوف
ایک بنے جو چوبدار کرتے ھیں اهتمام دو

سجدہ کریں ہیں مہر و مہ، در پہ انھوں کے روز و شب
برھمن اس سے یوں ھوا داغی ھیں یہ غلام دو

ھوتے حکیم کس سبب؟ معتقد قیام دھر
دیتے نہ گر زمانے کو مل کے یہ انتظام دو

وصف براق و دلدل اب، کہئے تو میں بیاں کروں
شرق سے تا بہ غرب تک جن کے تگیں ھیں گام دو

مرضی حق نہیں ہے یہ دو ھوں ھوا اور ایک بام
ورنہ پھریں وہ عرش پر، ایسے ھیں خوش خرام دو

برش انھوں کی تیغ کی، مجھ سے بیاں نہ ھو سکے
خامے کی اب زباں ھوئی لکھنے سے جس کا نام دو

اس کے خیال میں کوئی دیکھے جو اپنے باپ کو
احولوں کی طرح اسے، آوے نظر تمام دو

"سودا" اب آگے کیا کہوں مجھ سے کہے ہے اُن کا ذکر
قطع کلام کرکے تم مدح کو اختتام دو

چاہے تھی طبع یہ مری طول دے اس کلام کو
کہویں علی نبی سے یوں، اس کا صلہ تمام دو

یہ بھی صلہ نہیں ھے کم عرصۂ حشر میں اگر
یاد کریں جو مجھ سے کو ایسے بہ احترام دو

مدح امام حسن عسکری علیہ السلام

عیب پوشی ہو لباس چرک سے کیا ننگ ہے
مان اے آئینہ بہتر اس صفا سے زنگ ہے

وضع سے کم مایہ اپنی' کیا ترقی کر سکے
چاہیے دریا ہو ' یہ کب گہر میں ڈھنگ ہے

غش بہم پہنچا نہ محروم تجلی دل کو رکھ
صیقل اس آئینہ کی' گرد شکست رنگ ہے

اپنے بھی مرہوں ہمت ہوں نہ عالی ہمتاں
کوہ کی شمشیر کو کب احتیاج سنگ ہے

تک پرے رکھنا قدم اس آستاں سے گرد باد
خاکساری کو ہماری ' سرکشی سے ننگ ہے

محو حیرت کے تئیں ہے' دوست اور دشمن سے کیا
آئینہ تصویر کا دور از غبار و زنگ ہے

صبحدم "سودا" چمن میں مجھ کو آیا تھا نظر
ان دنوں شاید وہ کچھ شور جنوں سے ننگ ہے

پائے گلبن' بے دماغانہ سا کچھ بیٹھا ہوا
اک غزل پڑھتا تھا یہ مطلع کا جس کے ڈھنگ ہے

شمع کا میرے صدائے خندۂ گل ننگ ہے
تک پرے جا بول بلبل گو تو میر آہنگ ہے

ہوسکیں نازک دلاں کب روکش صرف درشت
عکس بال طوطی اپنے آئینہ پر سنگ ہے

یاں سموم عشق سے کس کو ہے جوشش کا دماغ
شعلۂ آتش مرے کانٹے پہ گل کا رنگ ہے

گرد ہوں میں تو نہیں خاطر نشینی کا دماغ
آئینہ ہوں تو صفائی میری مجھ پر زنگ ہے

تک پرے گلشن سے میرے شور کر ابر بہار
یاں صدائے رعد آواز شکست سنگ ہے

ناز پروردہ جو استغنا کے ہیں اُن کے تئیں
یک قدم راہ طلب طے کرنی سو فرسنگ ہے

دیکھنا راہ اجل اُن کو تماشا رقص کا
درد دل سننا کسی کا ان کو عود و چنگ ہے

غم کسی دل سوختہ پر ان کو کھانا ہے کباب
نت اُنہیں خون جگر پینا مے گل رنگ ہے

خاک در ایک ایسے کے ہیں، وہ زری مسند ہے کیا
عرش کے دامن پہ گر بیٹھیں تو ان کا ننگ ہے

قبلۂ دنیا و دیں یعنے امام عسکری
جس کی میزان عدالت اتنی بے پا سنگ ہے

ایک پلے میں ہو کاہ اور دوسرے پلے میں کوہ
کاہ کو باور تو کرنا کوہ سے ہم سنگ ہے

دشت خوار آہوے صحرا ہے پنجہ شیر کا
باز کا، چڑیا کی خاطر، آشیانہ چنگ ہے

نہی سے تجھ امر کے اب یا امام المتقیں
بس کہ منہیات پر عرصہ جہاں کا تنگ ہے

چشم خوباں میں شراب آتی ہے لینے کو پناہ
گل رخاں کے خط نہیں آتش کے اوپر بنگ ہے

میں گداؤں کی ترے در کے کہوں ہمت سو کیا
اس پہ یہ ہے گفتگو جو ان میں لنج و لنگ ہے

کہہ سلیماں سے، نگیں اپنے پہ تو نازاں نہ ہو
پیش ارباب ہمم یہ دست زیر سنگ ہے

اس زمیں کو جس پہ اس کا دست ہو سایہ فگن
کچھ سوا گل اشرفی کے سبز کرنا ننگ ہے

ملتھ پہ تیغ برق دم، الماس پی کر کے ترے
یک قدم آنا عدو کو راہ سو فرسنگ ہے

گر سر دشمن پہ ہو میداں میں وہ سایہ فگن
خود و قاش زیں دو حصہ تا بہ حد تنگ

پر نہیں یہ وصف اس کے جو بیاں میں نے کیے
بلکہ یہ تعریف تو اس کی برش کا ننگ ہے

آسماں سے تا زمیں اور گاؤ سے ماھی تلک
امتحاں گر کیجئے اس کو تو اک چورنگ ہے

لیتے ہیں تعلیم واں ہر روز آکر گرد باد
جس جگہہ سر گرم کاوے پر ترا شبرنگ ہے

گرد جولاں گاہ کا اس کے کہوں میں کیا دماغ
عارض خوباں کے خط ہونے سے جس کو ننگ ہے

بگڑا ہی جاتا ہے ہاتھوں میں جلو لینے کے وقت
نکلا ہی پڑتا ہے رانوں سے یہ اس کا رنگ ہے

کر قصیدے کے تئیں "سودا" دعائیہ پہ ختم
قافیے کی وسعت اب آگے نہایت تنگ ہے

سر گل امید سے محروم تیرے دوست کا
ہو نہ جب تک گلشن دنیا میں آب و رنگ ہے

لالہ ساں ہو غرق آتش میں عدو سر تا قدم
پر شرر جس وقت تک دامان کوہ و سنگ ہے

شہر آشوب

کہا یہ آج میں "سودا" سے کیوں تو ڈالواں ڈول
پھرے ہے' جا کہیں نوکر ہو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اس کے جواب میں دو بول
جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کے نوکری بکتی ہے ڈھیر یوں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند
سو آمد اُن کی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند
جو ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند
رہی نہ اس کے تصرف میں فوجداری کول

بس اُن کا ملک میں کار نسق جو یوں ہو تباہ
کہ کوہ زر ہو زراعت میں تو نہ دیں پرکاہ
جگھہ وہ کون سی نوکر رکھیں یہ جس پہ سپاہ
کہاں سے آویں پیادے کریں جو پیش نگاہ
کدھر سوار جو پیچھے چلیں وہ باندہ کے غول

رہی فقط عربی باجے پر انہوں کی شان
جو چاہیں اس کو نہ بجواویں یہ تو کیا امکان
پر ان کا فکر ہے تخفیف خرچ پر ہر آن
رہے گا حال یہی ملک کا اگر تو ندان
گلے میں طاشا کہاروں کے پالکی میں ڈھول

پڑے جو کام انھیں تب نکل کے کھائی سے
رکھیں وہ فوج جو موئی پھرے لڑائی سے

پیادے ہیں سو ڈریں سر منڈاتے نائی سے
سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے
کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کے نیچے الول

نہ صرف خاص میں آمد نہ خالصہ جاری
سپاہی تا متصدی سبھوں کو بے کاری
اب آگے دفتر تن کسی میں کیا کہوں خواری
سوال دستخطی کو پھاڑ کرکے پنساری
کسی کو آنولہ دے باندھ کر کسی کو کتول

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصب دار
تلاش کرکے ڈیلتے انھوں نے ہو ناچار
ندان قرض میں بنیوں کے دے سپر تلوار
گھروں سے آپ جو نکلتے ہیں لے کے وہ ہتھیار
بغل کے بیچ تو سونٹا ہے ہاتھ میں کچکول

سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز
تو اس کو سن کے کریں ہوش چغد کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ ہو جس میں شغال کی آواز
کوئی جو شام کو مسجد میں جاے بہر نماز
تو واں چراغ نہیں ہے بجز چراغ غول

کسی کے یہاں نہ رہا آسیا سے تابہ اُ جاغ
ہزار گھر میں کہیں ایک گھر جلے ہے چراغ
سو کیا چراغ وہ گھر ہے گھروں کے غم سے داغ
اور ان مکانوں میں ہر سمت رینگتے ہیں اُلاغ
جہاں بہار میں سنتے تھے بیٹھ کر ھنڈول

خراب ہیں وہ عمارات کیا کہوں تجھ پاس
کہ جس کے دیکھے سے جاتی رہے تھی بھوک اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہو وے زندگی سے اُداس
بہ جاے گل، چمنوں میں کمر کمر ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے کہیں پڑے مرغول

یہ باغ کھاگئی کس کی نظر نہیں معلوم
نہ جانے کن نے رکھا یاں قدم وہ کون تھا شوم
جہاں تھے سرو و صنوبر وہاں اُگے ہے زقوم
مچے ہے راغ و زغن سے اب اس چمن میں دھوم
گلوں کے ساتھ جہاں بلبلیں کریں تھی کلول

جہاں آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا
مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں اتھا دیا گویا کہ نقش باطل تھا
عجب طرح کا یہ بحر جہاں میں ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھی خلق موتی رول

دیا بھی واں نہیں روشن، تھے جس جگہہ فانوس
پڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانے کے مانوس
کرور دل پر از امید ہوگیے مایوس
گھروں سے یوں نجبا کے نکل گیے ناموس
ملی نہ ڈولی انہیں جو تھے صاحب چوڈول

نجیب زادیوں کا ان دنوں ہے یہ معمول
وہ برقع سرپہ ہے جس کا قدم تلک ہے طول

ھے ایک گود میں لڑکا گلاب کا سا پھول

اور اُن کے حسن طلب کا ھر ایک سے یہ اُصول

کہ خاک پاک کی تسبیح ھے جو لیجے مول

غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر

کرور مرتبہ خاطر میں گزرے ھے یہ لہر

جو تک بھی امن دل اپنے کو دے دے گردش دھر

تو بیٹھ کر کہیں یہ روئیے کہ مردم شہر

گھروں سے پانی کو باھر کریں جھکول جھکول

بس اب خموش ھو " سودا " کہ آگے تاب نہیں

وہ دل نہیں کہ اب اس غم سے جو کباب نہیں

کسی کی چشم نہ ھوگی کہ وہ پرآب نہیں

سوائے اِس کے تری بات کا جواب نہیں

کہ یہ زمانہ ھے اک طرح کا زیادہ نہ بول

ھجویات

ایک مریل گھوڑا

ھے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار

رکھتا نہیں ھے دست عناں کا بیک قرار

جن کے طویلے بیچ کوئی دن کی بات ھے

ھرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ھوں میں کہ زمانے کے ھاتھ سے

موچی سے کفش پا کو گنتھاتے ھیں وہ ادھار

ھیں گے چنانچہ ایک ھمارے بھی مہرباں
پاوے سزا جو اُن کا کوئی نام لے نہار
نوکر ھیں سو روپے کے دنائت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ھیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نے دانہ و نہ کاہ، نہ تیمار، نہ سئیس
رکھتا ھو جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
نا طاقتی کا اس کی کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار
ھر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھہ کر
دیکھے ھے آسماں کی طرف ھوکے بے قرار
خط شعاع کو وہ سمجھہ دستۂ گیاہ
ھردم زمیں پہ آپ کو پٹکے ھے بار بار
فاقوں سے ھنہنانے کی طاقت نہیں رھی
گھوڑی کو دیکھتا ھے تو......ھے بار بار
نہ استخواں، نہ گوشت، نہ کچھہ اس کے پیٹ میں
دھونکے ھے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لہار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ھے یا سرنگ،
خارشت سے ز بس کہ ھے مجروح بے شمار
القصہ ایک دن مجھے کچھہ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں جائیے گھوڑے پہ ھو سوار
رھتے تھے گھر کے پاس قضا را وہ آشنا
مشہور تھا جنہوں کنے وہ اسپ نا بکار
خدمت میں اُن کی میں نے کیا جا یہ التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا تب انھوں نے کہ اے مہربان من
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار
لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار
مانند میخچوں کے لکدزن ہے تھان پر
لا جذب وہ زمیں سے ہے جوں میخ استوار
ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے زروے تواریخ یاد ہے
شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
کم رو ہے اس قدر کہ اگر اس کے نعل کا
لوہا منگا کے تیغ بنادے کبھو لوہار
ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کارزار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پانوں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار
دہلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرہٹا
مجھ سے کہا نقیب نے آ کر، ہے وقت کار
ناچار ہوکے تب تو بندھایا میں اس پہ زیں
ہتھیار باندھ کر میں ہوا جاکے پھر سوار
جس شکل سے سوار تھا اُس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منہ سے باگ
تک تک سے پاشنہ کے مرے پانوں تھے فگار

آگے سے تو بوا اُسے دکھلائے تھا سئیس

پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار

اس مضحکہ کو دیکھ ہوے جمع خاص و عام

اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار

پہیے اسے لگاؤ کہ تا ہو وے یہ رواں

یا بادبان باندھ پون کے دو اختیار

نا چار الغرض میں ہوا مستعد بہ جنگ

اتنے میں مرہٹا بھي ہوا مجھ سے آ دو چار

گھوڑا تھا بس کہ لاغر و پست و ضعیف و خشک

کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اس کو حریف پر

دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بند ہي ہے شکل

لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑ بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف

القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کي شکل یہ ہے تم نے جو سنی

اِس پر بھی دل میں آے تو اب ہو جیے سوار

راجہ نرپت سنگھ کا ھاتھی

بدن پر اب نظر آتی ھے یوں کھال
طناب سست سے خیمے کا جوں حال
نمودار اِس طرح ھر استخواں ھے
گویا ھر پسلی اُس کی نردباں ھے
نہ بیڑی ھے نہ کٹ بندھن نہ لنگڑا
رکھے ھے ناتوانی اُس کو جکڑا
ضعیفی نے کی اس کی فربہی گم
گیا ھاتھی نکل اور رہ گئی دم
ھوئی ھے ناتوانی اُس کے درپے
کہ وہ ڈیل اب دھوئیں کی سی گرہ ھے
سمجھنا فیل اُسے دیوانہ پن ھے
کسی مدت کا یہ بام کہن ھے
ستون اس کے تلے یہ پاؤں ھیں چار
رہے دو دانت آگے سو ھیں ازوار
جو بیٹھے یہ تو اٹھنا اِس سے ھے دور
لگیں جب تک نہ اِس کو راج و مزدور
اتم ھے خاک کا یا راکھ کا ڈھیر
کہیں ھیں اِس کو ھاتھی، ھے یہ اندھیر
ھلاتا یوں ھے یہ کانوں کو ھر بار
کہ دھونکیں پنکھوں سے کوئلوں کا انبار
ھے اتنا چلنے میں بجریہ بد ذات
نہیں ھاتھی صعوبت کی ھے یہ رات
یہ عالم چلنے میں خرطوم کا ھے
کہ وصف کور میں گویا عصا ھے
جو کہیے فیل اُسے بہتان ھے یہ
عجائب تودۂ طوفان ھے یہ

ایک کنجوس امیر کا باورچی خانہ

پیر ان کا گر آوے وقت طعام
جائے لقمے کے کھائے وہ دشنام
یونہیں اُٹھ جائیں اس کو دے بُتّا
ماریں نہیں جھوٹے ہاتھ سے کُتا
کم بھوکے نہ اِن کے مطبخ سے
نہیں ممکن کہ اِس سوا نکلے
کھانا یاں کھاوے ہاتھ واں دھو وے
گرمیوں بیچ پیٹ بھر سو وے
بس کہ مطبخ میں سردی رہتی ہے
ناک باورچیوں کی بہتی ہے
اِن کے مطبخ سے دود اُٹھے نے اگر
سقے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر
لگے ہے دینے کوئی اُٹھ کے اذاں
کوئی دکھاوے ہے کھول کر قرآں
ڈالے ہے کوئی چھپر اپنے کاٹ
کوئی پھرے سر دھرے کھٹولا کھاٹ
اِن کے باورچی خانے کا احوال
چولھے ہر گھر کے جب کریں ہیں خیال
ڈالیں ہیں سر پہ خاک ماتم سے
لکڑی جلتی ہے آتش غم سے
سینے دیگوں کے مارتے ہیں جوش
روتے ہیں ڈھانپ منھ سر پوش

روز باورچي يوں کريں فرياد
کبھي تو کچھ کرو هميں ارشاد
کيا ترے بعد کر کے کھاويں گے
کسب جب اپنا بھول جاويں گے
کي زمانے نے لاکھ هي تدبير
نہ ملا ديگچے سے ياں کفگير
کرے سو عيد گنبد گرداں
نہ تلے اِن کے گھر سے پر رمضاں
الغرض مطبخ اِس گھرانے کا
رشک هے آبدار خانے کا
جس سے طوفان نے کيا تھا ظہور
اِن کي ناني کے گھر کا تھا وہ تنور

ايک نديدہ پيٹو

هے عجيب و غريب زير سما
اک يہاں صورت آشنا ميرا
کھيئے اس کے تئيں قسم کھا کر
امت دانيال پيغمبر
شاہ قانع اگر ولي هو فقير
اس کو مانے کبھي نہ يہ بے پير
دهر نے يہ بڑي حماقت کي
اپنے گھر اس کي لا ضيافت کي

لاکر ایسا ھی ایک دستر خواں
طول و عرض اس کا کیا کروں میں بیاں
شرق سے تا بہ غرب بچھوایا
اس پہ تنہا اسی کو بٹھلایا
اس پہ نعمات حق جہاں تک تھے
یاں سے آگے وہ اس کے واں تک تھے
اس میں کچھ اس سے ہوگئی آن بن
اس کو اٹھوا دیا پکڑ گردن
ہاتھ بھی یہ نہ ڈالنے پایا
چاٹتا ہونٹ اپنے گھر آیا
لکڑی چننے پر ہے اب گزران
معدہ اس کا ہے مرغ کا سنگدان
سنگ ریزے تلک نہ اس سے بچے
معدے میں اس کے تو پہاڑ پچے
آدہ سیر آٹے کا خدا ہے کفیل
پیٹ اس کا عمر کی ہے زنبیل
ڈھر میں اب جس کے دیگچے کھڑ کے
در پہ اس کے یہ بیٹھے یوں اڑ کے
گور سے پھر جو رستم اٹھ کر آے
میت اس کی اٹھاے یا نہ اٹھاے
خوردنی کی ہو جس زمیں پر باس
جمع واں کر کے اپنے ہوش و حواس
بیٹھے مکھی کی طرح بے ڈر ہے
دونوں ہاتھوں سے سر کو پیٹتے ہے

آگ لگ کر کسی کے گھر سے دود
ایک ذرہ بھی گر کرے ہے نمود
لوگ تو دوڑیں ہیں بجھانے کو
دوڑے یہ لے رکابی کھانے کو
ہر کسی بنیے کی دکاں پہ جا
اپنی باتوں میں اس کو لے ہے لگا
کام ہر وجہہ اپنا کر لیوے
کلے بندر کی طرح بھر لیوے
توڑ کھاتا ہے جاکے پا خانے
یہ بواسیر اپنی کے دانے
اس لیے ہجو خلق کرتا ہے
گالیاں کھانے تک بھی مرتا ہے
نان بائی محلہ یوں فریاد
کرے ہے یارو دیکھو یہ بیداد
چاٹے ہے چوری سے رفیدے کو
مار ڈالوں گا اس ندیدے کو
جو اسے میہماں بلاوے ہے
آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ہے
بیٹھکے ہی نکلے ہے یہ ذکر
پیٹ کی میرے کچھ نہیں ہے فکر
بھوک کچھ کم ہے ان دنوں میری
روٹیاں سو پچاس اور سیری
نان با کو کہو یہ بلوا کر
جلد ان کو تنور لگوا کر

جب تلک کھانے پک چکیں سارے
ان ھی کو لاکے میرے سر مارے

جب تلک کھانا آوے ھی آوے
اسی بک بک میں جان کھا جاوے

کھانا آوے تو اس طرح توٹے
جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے

جاوے بازار کو اگر وہ لئیم
خلق سمجھے کہ پہنچی فوج غنیم

نان با ، بنیے ، کنجڑے ، حلوائی
کہیں ، آفت کدھر سے یہ آئی

جو ھے دوکان میں سو اس کو پچے
جان یارب ھماری اس سے بچے

بھوک میں جب ادھر یہ آتا ھے
لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ھے

چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا
توشے کی روٹی کو بھی کھاوے گا

خواجہ میر درد

خواجہ میر نام، صحیح النسب حسینی سید ہیں ' آبائی سلسلہ حضرت امام عسکری سے ملتا ہے اور مادری سلسلہ غوث آعظم تک پہونچتا ہے ' والد کا نام خواجہ ناصر اور تخلص " عندلیب " تھا پرانی دہلی میں سکونت تھی -

خواجہ ناصر کے والد فارغ التحصیل ہوکر بخارا سے ہندوستان آے ' عالمگیر اورنگ زیب کا عہد تھا خواجہ میر " درد " سنہ ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوے ' اپنے والد سے درسیات پڑھیں ' ان کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ رسمی طور پر تحصیل علم نہیں کیا تھا بلکہ کمال اور تبحر حاصل تھا - ان کا خاندان ایک مشہور صوفی خاندان تھا - سوز و گداز تصوف کے ساتھہ شاعری بھی ان کو ارث میں ملی تھی -

میر " درد " ابتدائے جوانی میں ۲۸ برس کی عمر تک اسباب دنیا کی فراہمی کی طرف متوجہ رہے اور اس راہ کے کانٹوں سے ان کا پاے طلب فگار بھی ہوا ' لیکن ۲۰ سال کی عمر میں وہ ان سے اپنا دامن چھڑا کر گوشۂ توکل میں بیٹھہ گئے - خواجہ ناصر کی وفات کے بعد ۳۹ سال کی عمر میں اُن کے سجادہ نشین ہوئے اور آستانۂ توکل و بے نیازی مرکر چھوڑا ' دہلی میں انقلاب سلطنت کا طوفان شرافت کے بڑے بڑے ستونوں کو بہا لے گیا ' وطن پرست ' غریب الدیار ہو گئے ' لیکن خواجہ صاحب کے پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی ' یہاں تک

کہ حملۂ نادری کا بادل امنڈ امنڈ کر برسا اور برس کر کھل گیا لیکن ان کے استقلال کا دامن تر نہ ہوا -

" میر درد " کو موسیقی میں وہ کمال حاصل تھا کہ مشہور اور معروف استاد گویے آپ سے استفادہ کرتے تھے' ان کی غزلیات میں جو ترنم ہے وہ ان کے اِسی کمال کا نتیجہ ہے - ان کے یہاں ہر مہینے کی بارھویں اور چوبیسویں تاریخوں میں مجلس سماع منعقد ہوتی تھی جس میں گانے والے بے بلائے آتے اور اپنی خوشی چلے جاتے تھے' میر ''درد'' کے شاعرانہ کمال کا اعتراف ان کے معاصرین کو بھی تھا - میر تقی '' میر '' سا نازک دماغ شاعر اپنے تذکرے میں ان کی شاعری کی بڑی تعریف کرتا ہے میر " حسن " نے اپنے تذکرے میں میر '' درد " کی شاعری کی انتہائی تعریف کی ہے اور ان کی پیروی کا صاف طور پر اعتراف کیا ہے - " سودا " کا سا باکمال شاعر " درد " کی غزل کے جواب میں غزل کہنا بے ادبی سمجھتا ہے اور کہتا ہے :—

" سودا " بدل کے قافیہ تو اس غزل کو لکھ

اے بے ادب تو درد سے بس دو بدو نہ ہو

اس کمال شاعری کے باوجود کہتے ہیں کہ ''شاعری ایسا کمال نہیں ہے جس کو کوئی اپنا پیشہ بنائے اور اس پر ناز کرے'' نالۂ درد میں اپنی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں :—

فقیر کے اشعار با وجود رتبۂ شعری کے پیشۂ شاعری اور نتیجۂ ظاہری کے نتائج نہیں ہیں - فقیر نے شعر کبھی آورد سے موزوں نہیں کیا اور نہ اس میں مستغرق ہوا - کبھی کسی کی مدح نہیں کی ' نہ ہجو لکھی ' اور فرمایش سے شعر نہیں کہا -

خواجہ صاحب میں استغنا اور دنیا سے بے پروائی جو لازمۂ تصوف ہے بدرجہ اتم موجود تھی، اس کے ساتھ حد درجہ مہذب اور متین تھے -

خواجہ صاحب کے شاگردوں میں قیام الدین "قائم" ہدایت اللہ خاں "ہدایت" ثناءاللہ خاں "فراق" غلام قادر "سامی" کا نام لیا جاتا ہے - اِن میں قائم کا درجہ بہت بلند ہے -

آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے :-

"خواجہ میر "درد" کی غزل سات شعر نو شعر کی ہوتی ہے مگر انتخاب ہوتی ہے، خصوصاً چھوٹی چھوٹی بحروں میں جو اکثر غزلیں کہتے ہیں گویا تلواروں کی آبداری نشتر میں بھر دیتے ہیں" اردو تغزل کے جام میں تصوف کے ساتھ ترنم کی مستی بھرنے والے سب سے پہلے خواجہ صاحب ہیں، وہ پہلے شاعر ہیں جن کے فیض توجہ نے اردو تغزل کو محبوب حقیقی کے حسن و کرشمہ کا جلوہ گاہ بنا دیا ہے، خواجہ صاحب کی قدرت، دیکھئے انھوں نے جو لفظ جہاں استعمال کیا ہے اس طرح کہ اس کو اپنی جگہہ سے نکال دیجئے تو پورے شعر میں کمی محسوس ہونے لگے -

خواجہ صاحب کے مختصر دیوان کی منتخب غزلوں میں اخلاق، تصوف، کیفیات قلبی - واردات حسن و عشق سبھی کچھہ موجود ہے -

خواجہ صاحب نے تغزل کی بنیاد "عشق حلال" پر رکھی ہے امرد پرستی، بوالہوسی سے اس کے دامن کو داغدار نہیں کیا ہے - اُن کی غزل کا عام موضوع عشق حقیقی ہے لیکن جب کبھی عشق مجازی بیان کرتے ہیں تو بھی عشق کا نہایت بلند معیار پیش نظر رکھتے ہیں - خود فرماتے ہیں "بوالہوسی عشق مجازی نہیں اور اس مجاز

کو حقیقت کی راہ نہیں کہہ سکتے ' پیر کی محبت وہ عشق مجازی ہے جو مطلوب حقیقی تک پہونچا دیتی ہے ''

ان کی تصانیف اسرارالصلوٰۃ - واردات درد (اس میں ایک سو گیارہ رسالے ہیں) نالہ درد ' آہ سرد ' درد دل - سوز دل - شمع محفل - علم‌الکتاب - دیوان فارسی - دیوان اردو - کے دیکھنے سے ان کے فضل و کمال بلکہ علمی تبحر کا پتا چلتا ہے -

غزلوں کے علاوہ میر '' درد '' کی رباعیاں بھی اردو شاعری میں خاص مرتبہ رکھتی ہیں - انہوں نے اپنی رباعیوں میں بھی صوفیانہ ' عاشقانہ اور اخلاقی مضامین نہایت پر اثر انداز میں بیان کیے ہیں -

شیریں اور فصاحت میر '' درد '' کی زبان کے خاص جوہر ہیں ' اُن کا کلام نامانوس تراکیب - ثقیل الفاظ ' لفظی و معنوی تعقیدات بعیدالفہم استعارات اور دور از قیاس تشبیہات سے تقریباً بالکل پاک ہے - خواجہ صاحب نے ۶۱ سال کی عمر میں ۲۴ صفر سنہ ۱۱۹۹ھ کو جمعہ کے دن وفات پائی - ایک سید نے تاریخ کہی

حیف دنیا سے سدھارا وہ خدا کا محبوب

مزار ترکمان دروازہ دہلی میں ہے -

انتخاب

مقدور همیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
مانند حباب آنکھ تو اے "درد" کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

باہر نہ ہو سکی تو قید خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت، دیکھا شعور تیرا
جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں
جی میں بھرا ہوا ہے از بس غرور ترا
اے "درد" منبسط ہے ہر سو کماں اس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا۔

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا، افسانہ تھا
ہوگیا مہماں‌سرائے کثرت موہوم، آہ
وہ دل خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

میں اپنا درد دل چاہا کہوں، جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

گرچہ وہ خورشید رو نت ہے مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں، بھر کے نظر دیکھنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے "درد" کیا ہے کعبہ
جیدھر پھرے وہ ابرو، اودھر نماز کرنا

ساقی مرے بھی دل کی طرف، ٹک نگاہ کر
لب تشنۂ تیری بزم میں، یہ جام رہ گیا
ہم کب کے چل بسے تھے، پر اے مژدۂ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سر انجام رہ گیا

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر، جدھر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

شیخ کعبے ہوکے پہونچے، ہم کنشت دل میں ہو
"درد" منزل ایک تھی، کچھ راہ ہی کا پھیر تھا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
گلی سے تری، دل کو لے تو چلا ہوں
میں پہونچوں گا جب تک یہ آتا رہے گا
جفا سے غرض، امتحان وفا ہے
تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

شدت مہر بتاں، دل سے آہ
"درد" کس طرح سے کم کیجے گا

آپ سے ہم گذر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

قتل عاشق، کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا
باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں یہ پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
محتسب آج تو میخانوں میں تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا
"درد" کے ملنے سے اے یار برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئی نہ تک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
ان نے قصداً بھی میرے نالے کو
نہ سنا ہوگا گر سنا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا
دل بھی اے " درد " قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو، تو یہ مجھ سے نہ ہوسکا
دشت عدم میں جاکے نکالوں گا جی کا غم
کنج جہاں میں کھول کے دل، میں نہ روسکا
جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر
تو بھی تو " درد " داغ جگر کو نہ دھوسکا

کچھ ہے خبر تجھے بھی کہ اٹھ اٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہوگیا
بیٹھا تھا خضر آکے مرے پاس ایک دم
گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہوگیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گذر کیا
ہم نے ہی اس جہان سے آخر سفر کیا

جن کے سبب سے دیر کو تونے کیا خراب

اے شیخ ان بتوں نے مرے دل میں گھر کیا

ہرچند کئے ہزار نالے

پر دل سے نہ اضطراب نکلا

میخانۂ عشق میں تو اے '' درد ''

تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانند فلک ' دل متوطن ہے سفر کا

معلوم نہیں اس کا ارادہ ہے کدھر کا

سینۂ و دل حسرتوں سے چھا گیا

بس ہجوم یاس ! جی گھبرا گیا

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری

جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

پھرتي ہے میري خاک صبا در بدر لئے

اے چشم اشکبار ! یہ کیا تجھ کو ہوگیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا

برابر ہے ' دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو' آہ یگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغوں نے سرو چراغاں
کبھو تونے آکر تماشا نہ دیکھا
حجاب رخ یار تھے آپ ہم ہی
کھلی آنکھ جب' کوئی پردا نہ دیکھا

اب دل کو سنبھالنا ہے مشکل
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا
مہہ سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹھ اس کا بھی " درد " ھل گیا تھا

" درد " ہم اس کو تو سمجھائیں گے پر
اپنے تئیں آپ بھی سمجھائیے گا

تمنا مرخص' ہوئی نا امیدی
یہ کیا ہوگیا اور مرے دل میں کیا تھا
تم آکر جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے
نگاہوں میں جادو سا کچھ کردیا تھا

تو ہو وے جہاں مجھ کو بھی ہونا وھیں لازم
تو گل ہے مری جان' تو میں خار ہوں تیرا

یوں وعدے ترے دل کی تسلی نہیں کرتے
تسکین تبھی ہوگی تو جس آن ملے گا

مرے دل کو جو تو ہردم، بھلا اتنا ٹٹولے ہے
تصور کے سوا ترے بتا تو اس میں کیا نکلا

تیرے کہنے سے میں از بسکہ باہر ہو نہیں سکتا
ارادہ صبر کا کرتا تو ہوں پر ہو نہیں سکتا
دل آوارہ اُلجھے یاں، کسوکی زلف سے یارب
علاج آوارگی کا اس سے بہتر ہو نہیں سکتا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا عاشق، پھر جی کے کیا کرے گا
اپنی آنکھوں سے، اسے میں دیکھوں ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

حال یہ کچھ تو ہے اب دل کی توانائی کا
کہ یہ طاقت نہیں، لوں نام شکیبائی کا

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و مے خانا
مثال زندگی بھر لے! اب اپنا آپ پیمانا
کسو سے کیا بیاں کیجئے اس اپنے حال ابتر کو
دل اُس کے ہاتھ دے بیٹھے، جسے جانا نہ پہچانا

نظر جب دل پہ کي دیکھا تو مسجود خلائق ہے
کوئی کعبہ سمجھتا ہے، کوئی سمجھے ہے بت خانا

کچھ کشش نے تري، اثر نہ کیا تجھ کو اے انتظار! دیکھ لیا

مرنا هي لکھا ہے مری قسمت میں عزیزاں
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ناصح میں دین و دل کے تئیں، اب تو کھو چکا
حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا

ہم نے چاہا بھي تو اس کوچے سے آیا نہ گیا
واں سے جوں نقش قدم دل تو اٹھایا نہ گیا

موت ہے آسائش افتاد گاں
چشم نقش پاکو مت جانا ہے خواب

جائے کس واسطے اے "درد" مےخانے کے بیچ
اور هي مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

تجھ کو نہیں ہے دیدۂ بینا، وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہے اُن کے، هر پیرهن کے بیچ

''درد'' جو آتا نہیں اب تو نظر ظاہر کے بیچ
چھپ رہا ہوگا کسو کے گوشۂ خاطر کے بیچ

——

میں کس طرح بتوں کے سر سامنے جھکا دوں
دل تو دماغ اپنا کھینچے ہے اسماں پر
کب اختیار اپنا جوں گل ہے اس چمن میں
گل‌چیں سے کیا چلے ہے کیا زور باغباں پر

——

جان کو آنے دے لب تک نزع میں کب تک رہوں
دشمنی مجھ سے نہ کر اے ناتونی اس قدر
کیا کہوں دل کا کسو سے قصۂ آوارگی
کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اس قدر

——

آنکھیں تو آنسوؤں سے کبھی تر ہوئیں نہیں
تک تو ہی اے جبیں! عرق انفعال کر
حیرت ہے یہ کہ تجھ سے ستمگر کے ہاتھ میں
آنکھوں نے دل کو کیونکر دیا دیکھ بھال کر
اے '' درد '' کر تک آئینہ دل کو صاف تو
پھر ہر طرف نظارہ حسن و جمال کر

——

اور تو چھوٹ گئے مرکے بھی اے کنج قفس
ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہنوز

یار جاتا تو رہا نظروں سے کب کا لیکن
دل میں پھرتی ہے مرے "درد" وہ رفتار ہنوز

کعبے میں "درد" آپ کو لایا ہوں کھینچ کر
دل سے گیا نہیں ہے خیال بتاں ہنوز

جو کہ ہونا تھا دل پہ ہو گذرا
نہ کر اے "درد" بار بار افسوس

جوش جنوں کے ہاتھ سے فصل بہار میں
گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط
داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے "درد" پرورش
ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

پیغام پاس بھیج نہ مجھ بے قرار تک
ہوں نیم جان، سو بھی ترے انتظار تک
صید د اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو
پھر کس کو زندگی کی توقع بہار تک

سب خون دل، ٹپک ہی گیا بوند بوند کر
اے "درد" بس! کہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

پانی پر نقش کب ہے ایسا جیسے نا پائدار ہیں ہم
ساقی! کیدھر ہے کشتی مے؟ اب کے کیوے میں پار ہیں ہم
اپنے ملنے سے منع مت کر اس میں بے اختیار ہیں ہم

جوں نور نظر ترا تصور تھا پیش نظر، جدھر گئے ہم
کس نے یہ ہمیں بھلا دیا ہے معلوم نہیں ادھر گئے ہم
جس طرح ہوا، اسی طرح سے پیمانہ عمر بھر گئے ہم

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم
تھے آپ ہی ایک ، سو ، گئے ہم
ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا
پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

ہے کس؟ جوں شعلہ، ظالم! آہ تاب انتظار
جب تلک دیکھے ادھر تو، یاں گزر جاتے ہیں ہم

گلیم بخت سیہ سایہ، دار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں
ہمارے پاس ہے کیا؟ جو کریں فدا تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں
بتوں کے جبر اٹھائے ہزار ہا ہم نے
جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں، نہ شرر ہم، نہ شعلہ، نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

کھینچے ہے دور آپ کو، میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

احوال دوعالم ہے مرے دل پہ ہویدا
سمجھا نہیں تاحال کہ اپنے تئیں کیا ہوں
آواز نہیں قید میں زنجیر کی، ہرگز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں
ہوں قافلہ سالار طریق قدما "درد"
جوں نقش قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ آگاہ ہوتے ہیں
انہیں طرحوں میں ہم ہردم، فنافی‌اللہ ہوتے ہیں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آوے بھی اگر ہزار جی میں
یوں پاس بٹھا جسے تو چاہے
پر جاگہ نہ دیجیو یار جی میں

کچھ مرتبہ ہے اور وہ فہمید سے پرے
سمجھے ہیں جس کو یار وہ اللہ ہی نہیں
اے "درد" مثل آئینہ ڈھونڈھ اس کو آپ میں
بیرون در تو اپنے قدم گاہ ہی نہیں

نا خانۂ خدا ہے، نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دل خانہ خراب میں
میں اور "درد" مجھ سے خریداری بتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
تر دامنی پہ شیخ ہمارے نہ جا، ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع، گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں
ہرچند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں نا قبول
منھ پھیر لے وہ، جس کے مجھے رو برو کریں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

اس کو سکھلائی یہ جفا تو نیں کیا کیا اے میری وفا تو نیں

تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موج زن ہے
تس پر بھی تشنہ کام دیدار ہیں تو ہم ہیں

جمع میں افراد عالم ایک ہیں
گل کے سب اوراق برہم ایک ہیں
متفق آپس میں ہیں اہل شہود
" درد " آنکھیں، دیکھ باہم ایک ہیں

ہمارے اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد
جو کچھ ہے دل میں ترے، ہم وہ فاش کرتے ہیں

آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز
لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں ٹلنے کا دل عالم سے
" درد " ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

دونوں عالم سے کچھ پرے ہے نظر
آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں

میں ہوں گل‌چینِ گلستانِ خلیل
آگ میں ہوں پہ باغ باغ ہوں میں

دامن دشت ہے پر، لالۂ و گل سے یارب
خون عاشق بھی کہیں ہو وے بہار دامن
عالم آب میں جوں آئینۂ ڈوبا ہی رہے
تو بھی دامن نہ کیا "درد" نے تر پانی میں

مجھے در سے اپنے تو ٹالے ہے، یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہے ترے سوا تو اگر رہے ہے یہاں نہیں
مرے دل کے شیشے کو بے وفا تونے ٹکڑے ٹکڑے جو کر دیا
مرے پاس تو وہی ایک تھا، یہ دکان شیشہ گراں نہیں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

نزع میں تو ہوں ولے ترا گلہ کرتا نہیں
دل میں ہے وہ ہی وفا، پر جی وفا کرتا نہیں
عشوہ و نازو کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک
"درد" مرتا ہے، کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

پڑے جوں سایہ ہم تجھ بن، ادھر اودھر بھٹکتے ہیں
جہاں جائیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں

آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں
اپنی غفلت کے سوا کچھ درو دیوار نہیں
"درد" یاں دو ہی پیالوں پہ قناعت کیجے
خانۂ چشم ہے یہ خانۂ خمار نہیں

زندگی جس سے عبارت ہے، سو وہ زیست کہاں
یوں تو کہنے کے لئے کہہ دے کہ ہاں جیتے ہیں
بعد مرنے کے بھی وہ بات نہیں آتی نظر
جس توقع پہ کہ اب تئیں یاں جیتے ہیں

دل تو سمجھائے سمجھتا بھی نہیں
کہئے سودائی، تو سودا بھی نہیں

صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں
ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

وو نگاہیں جو چار ہوتی ہیں
برچھیاں دل کے پار ہوتی ہیں

یہ رات شمع سے کہتا تھا "درد" پروانہ
کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

سیر کر دنیا کی غافل! زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

کب دہن میں ترے ، سمائے سخن
نہیں تیرے دہن میں جائے سخن
شعر میں میرے دیکھنا مجھ کو
ہے مرا آئینہ صفائے سخن

کرے ہے مست نگاہوں میں ایک عالم کو
لئے پھرے ہے یہ ساقی شراب آنکھوں میں

ہردم بتوں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں
ہوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

نہیں ہم کو تمنا یہ فلک ہو، تا فلک پہونچیں
یہی ہے آرزو دل کی ترے قدموں تلک پہچیں

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کئے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لئے جاتا ہوں

افسوس اهل دید کو گلشن میں جا نہیں
نرگس کی گو کہ آنکھیں ہیں پر سوجھتا نہیں

شیخ میں رشک بے گناہی ہوں   مورد رحمت الہی ہوں

مانع نہیں ہم، وہ بت خود کام کہیں ہو
پر اس دل بےتاب کو آرام کہیں ہو
خورشید کے مانند پھروں کب تئیں یارب
نت صبح کہیں ہووے مجھے شام کہیں ہو

کیا فرق داغ و گل میں، اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

عجب عالم ہے ایدھر سے ہمیں ہستی ستاتی ہے
ادھر سے نیستی آتی ہے دوڑتی عذر خواہی کو

مجلس میں بار ہووے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر ہم اپنے دل داغ داغ کو

اور افزونی طلب کی بعد مرنے کے ہوئی
خاک ہونے نے کیا ہر ذرہ گرم جستجو

ملاؤں کس کی آنکھوں سے، کہو اس چشم حیراں کو
عیاں جب ہر جگہہ دیکھوں، کسي کے راز پنہاں کو

نگینے کے سوا کوئي بھی ایسا کام کرتا ھے
کہ ھو نام اور کا روشن اور اپنی رو سیاھي ھو
نہیں شکوہ مجھے کچھہ بے وفائي کا تري ھرگز
گلہ تب ھو، اگر تونے کسي سے بھي نباھی ھو

اپنے بندہ پہ جو کچھہ چاھو سو بیداد کرو
یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

کہنا تک اشتیاق تو رفتار یار کو
آنکھوں میں کب تلک میں رکھوں اِنتظار کو
ویسا ھي اب تلک ھے وہ دامن تو اے صبا
کیدھر لئے پھرے ھے تو میرے غبار کو

سر رشتہ نگاہ تغافل نہ توڑیو
اے ناز اس طرف سے منہہ اس کا نہ موڑیو
جاوے در قفس سے یہ بے بال و پر کہاں
صیاد ذبح کیجیو! پر اس کو نہ چھوڑیو

دل نالاں کو یاد کر کے صبا　　اتنا کہنا جہاں وہ قاتل ہو
نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ　　اس طرح بیٹھتا ہے غافل ہو

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ ' خاطر ہوں تو رنجیدہ

جب چاہئے کہ عقدۂ دل تجھ پہ کھو لئے
ہوتا ہے آز بان پہ ' میرا سخن گرہ

کاش تا شمع نہ ہوتا گزر پروانہ
تم نے کیا قہر کیا ! بال و پر پروانہ
کیوں اُسے آتش سوزاں میں لئے جاتی ہے
سوجھتا بھی ہے تجھے کچھ نظر پروانہ
شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے "درد" میں کس سے خبر پروانہ

خوش خرامی ادھر بھی کیجے گا
میں بھی جوں نقش پا ہوں چشم بہ راہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

خلوت دل نے کر دیا، اپنے حواس میں خلل

حسن بلاے چشم ہے، نغمہ و بال گوش ہے

ہو وے تو درمیان سے اپنے تئیں اٹھائیے

بار نہیں ہے اور کچھ سر ہی و بال دوش ہے

نالۂ و آہ کیجئے خون جگر ہے پیجئے

عہد شباب، کہتے ہیں موسم ناؤ نوش ہے

محنت و رنج غم سے یاں "درد" نہ جی چھپائیے

بار سبھی اٹھائیے جب تئیں سر ہے، دوش ہے

دل مرا پھر دکھا دیا کس نے سو گیا تھا جگا دیا کس نے

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے

لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

عالم سے اختیار کی، ہر چند صلح کل

پر اپنے ساتھ مجھ کو شب و روز جنگ ہے

ہوں کشتہ تغافل ہستی بے ثبات

خاطر سے کون کون نہ اس نے بھلادئے

چاہو وفا کرو، نہ کرو اختیار ہے

خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اٹھا دئے

سیلاب اشک گرم نے اعضا میرے تمام

اے "درد" کچھ بہا دئے اور کچھ جلا دئے

قاصد سے کہو پھر خبر اودھر ھي کو لے جائے
یاں بے خبری آگئی جب تک خبر آوے

لوٹے ہے تری گنج شہیداں کو غریبي
جي دینے کو ظالم کوئی کس بات پر آوے

چھاتی پہ گر پہاڑ بھي ھو وے تو ٹل سکے
مشکل ہے جي میں بیٹھے سو جي سے نکل سکے

نشو و نما کي کس کو امید اے بہار یاں
میں خشک شاخ ھوں کہ نہ پھولے نہ پھل سکے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ھی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

وحدت میں تیري حرف دوئي کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تجھے منھہ دکھا سکے

میں وہ فتادہ ھوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقش قدم کي طرح نہ کوئی اٹھا سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

اخفائے راز عشق نہ ھو آب اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

گو بحث کر کے بات بٹھائي پہ کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تو اٹھا سکے

طریق اپنے یہ اک دور جام چلتا ہے
وگر نہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی
جفا و جور اٹھانے پڑے زمانے کے
ہوس تھی جی میں کسو ناز کے اٹھانے کی

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے
جز وصل ' سو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے
زنہار ادھر کھو لیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے
بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے " درد "
ہردم دم عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

آگو جو بلا آئی تھی سو دل پہ ٹلی تھی
اب کی تو مری جان ہی پر آن بنی ہے

آتش عشق جی جلاتی ہے　　یہ بلا جان ہی پہ آتی ہے
تو ہے اور سیر باغ ہے ہروقت　　داغ ہیں اور میری چھاتی ہے

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے
دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

" درد " تو جو کرے ھے جی کا زیاں
فائدہ اس زیان میں کچھ ھے

خواب عدم سے چونکے تھے ھم تیرے واسطے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
تیری گلی ھے یا کوئی آرام گاہ ھے
رکھتے قدم کے پاؤں تو ھر بار سو گئے
وے مر چکے جو رونق بزم جہان تھے
اب اتھیے " درد " یاں سے کہ سب یار سو گئے

جوں سخن اب یاد اک عالم رھے
زندگانی تو چلی جا ! ھم رھے
رک نہیں سکتی ھے یاں کی واردات
کب یہ ھو سکتا ھے دریا تھم رھے
رکھ " نفخت فیہ من روحی " کو یاد
جب تلک اے " درد " دم میں دم رھے

ھر آن ھے واردات دل پر آتا ھے یہ قافلہ کہاں سے

نہ ھاتھ اتھائے فلک گو ھمارے کینے سے
کسے دماغ کہ ھو دو بدو کمینے سے

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجاوے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے
بسا ہے کون ترے دل میں گل بدن اے "درد"
کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے

جي کي جی هي میں رهي، بات نہ هونے پائي
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ هونے پائی
اٹھ چلے شیخ جی تم مجلس رنداں سے شتاب
هم سے کچھہ خوب مدارات نہ هونے پائی

مت عبادت پہ پھولیو زاهد
سب طفیل گناہ آدم ہے
نہ ملیں گے اگر کبھی تو تو
تري خاطر همیں مقدم ہے

مجھہ سے هر چند تو مکدر ہے
تجھہ سے پر اور هي صفا ہے مجھے
" درد " تیرے بھلے کو کہتا هوں
یہ نصیحت سے مدعا ہے مجھے

ورنہ ان بے مروتوں کے لئے اور بھي ھو خراب کیا ھے ؛

سو مرتبہ یوں ٹھہر چکی ، اب سے نہ ملئے
وہ بھی تو نہیں بنتي ھے ، کیا کیجئے اُس سے

واقف نہ یاں کسو سے ھم ھیں نہ کوئی ھم سے
یعني کہ آ گئے ھیں بھکے ھوے عدم سے
گر چاھئے تو ملئے اور چاھئے نہ ملئے
سب تم سے ھو سکے ھے ممکن نہیں تو ھم سے

خدا جانے کیا ھوگا انجام اس کا
میں بے صبر اتنا ھوں وہ تند خو ھے
تمنا ھے تیري اگر ھے تمنا
تري آرزو ھے اگر آرزو ھے
غنیمت ھے یہ دید وا دید یاراں
جہاں مند گئي آنکھ میں ھوں نہ تو ھے
نظر میرے دل کی پڑی " درد " کس پر
جدھر دیکھتا ھوں وھي رو برو ھے

رو ندے ھے نقش پا کي طرح خلق یاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھ

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے، باغباں مجھے
رہتی ہے کوئی بن کہے میرے تئیں تمام
جوں شمع چھوڑ نے کی نہیں یہ زباں مجھے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے
دیکھنا تو آکے از خود رفتگاں کا حال تک
جا بجا سب پشت بر دیوار ہیں تصویر سے
"درد" اب ہنستے ہیں رونے پر مرے، سب خاص و عام
کیا ہوے وہ نالے جو لگتے تھے دل میں تیر سے

ہم چشمی ہے وحشت کو مری چشم شرر سے
آتے ہی نظر پھر وہیں غائب ہو نظر سے
جاؤں میں کدھر جوں گل بازی مجھے گردوں
جانے نہیں دیتا ہے اِدھر سے نہ اُدھر سے
اس طرح کے رونے سے تو جی اپنا رکے ہے
اے کاش یہ ابرمژہ دل کھول کے برسے

پھر موت کسی طرح تو نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

کبھو ھي جي میں نہ گذرا خیال سر تابي
بہ‌رنگ سایہ بنایا ھے خاکسار مجھے
اس امر میں بھی یہ بے اختیار ھے بندہ
ملا ھے "درد" اگر یاں یہ اختیار مجھے

دیکھئے جس کو یاں اُسے' اور ھي کچھہ دماغ ھے
کرمک شب چراغ بھي گوھر شب چراغ ھے
غیر سے کیا معاملہ؟ آپ ھیں اپنے دام میں
قید خودي نہ ھو اگر' پھر تو عجب فراغ ھے
حال کبھو تو پوچھئے میں جو کہوں' سو کیا کہوں
دل ھے' سو ریش ریش ھے' سینہ' سو داغ داغ
پائے کس روش بتا! اے بت بے وفا تجھے
عمر گذشتہ کی طرح گم ھی سدا سراغ ھے
"درد" وہ گل بدن مگر تجھہ کو نظر پڑا کہیں
آج تو اس قدر بتا کس لئے باغ باغ ھے

پہلو میں دل تپاں نہیں ھے — ھرچند کہ یاں ھے' یاں نہیں ھے
عالم ھو قدیم' خواہ حادث — جس دم نہیں ھم' جہاں نہیں ھے
ڈھونڈھے ھے تجھے تمام عالم — ھر چند کہ تو نہیں ھے
عنقا کي طرح میں کیا بتاؤں — جز نام مرا نشاں نہیں ھے

فریاد کہ "درد" جب تلک میں تیار ھوں ' کارواں نہیں ھے

ہم نشیں پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے

کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو مرے بھاتا ھے

یہ تحقیق ھے یا کہ افواہ ھے

کہ دل کے تئیں دل سے یاں راہ ھے

اگر بے حجابانہ وہ بت ملے

غرض پھر تو اللہ ھی اللہ ھے

گئے نالۂ و آہ سب ھم نفس

دم سرد ھی اک ھوا خواہ ھے

مجھ کو تجھ سے جو کچھ محبت ھے

یہ محبت نہیں ھے آفت ھے

آ پھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں

" درد " یہ بھی خدا کی قدرت ھے

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے

جس لئے آئے تھے سو ھم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے

ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس

تم رہو اب، ہم تو اپنے گھر چلے

ڈھونڈھتے ہیں آپ سے اس کو پرے

شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ

جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

شعر اور "درد" ہے یعنی بات میں اور جان پڑتی

جو کچھ کہ دکھاوے گا خدا دیکھیں گے ناچار

صدقے ترے اک بار تو منھ اپنا دکھاے

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے

بس اب اک ساتھ ہم دونوں جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھے

کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا

محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے

ترچھي نظروں سے دیکھنا هردم　　یہ بھي اک بانکپن کا بانا ھے

بت‌پرستي تو یہاں دل کی گرفتاری ھے "درد"
چاھئے جس کو لگے، اس کو صنم کہنے لگے

منظور زندگي سے، تیرا هي دیکھنا ھے
ملتا نہیں جو تو ھے، پھر کیا ھے زندگانی

ایک دم میں تو جي هی جانا ھے
زیست اب کوئي آن ھے پیارے

تري گلی میں، میں نہ چلوں اور صبا چلے
یوں هي خدا جو چاھے تو بندے کی کیا چلے
کہہ بیٹھیو نہ " درد " کہ اهل وفا هوں میں
اس بے وفا کے آگے جو ذکر وفا چلے

جتنی بڑھتی ھے اتني گھٹتی ھے
زندگی آپ هی آپ کٹتی ھے
آج هي آہ کي هوا کچھہ اور
دیکھئے کس طرف پلٹتي ھے

اس خانماں خراب کو لےجاؤں میں کہاں
دل پر تو یہ فضاے بیاباں بی تنگ ھے

لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یار مجلس ھے
خالی ھو جاے ھے پیمانے کے بھرتے بھرتے
" درد " جوں نقش قدم تا سر رہ پر اس کے
مٹ گیا اوروں ھی کے پاؤں کے دھرتے دھرتے

آیا ھے ابر اور چمن میں بہار ھے
ساقی شتاب آ کہ ترا انتظار ھے

یاں کون آشنا ھے ترا کس کو تجھ سے ربط
کہنے کو یہ بھی لوگوں کے اک بات رہ گئی

چشم رحمت سے ادھر کو بھی نظر کیجیے گا
اسی اُمید پہ آیا یہ گنہ گار بھی ھے
دل، بھلا ایسے کو اے "درد" نہ دیجیے کیوں کر
ایک تو یار ھے اور تس پہ طرح‌دار بھی ھے

اگلے معانقے کو اگر کیجئے معاف
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لئے

غمناکي بیہودہ رونے کو ڈبوتي ھے
گر اشک بجا ٹپکے آنسو نہیں' موتی ھے
دم لینے کی فرصت یاں تک دی نہ زمانے نے
ھم تجھ کو دکھا دیتے کچھ آہ بھي ھوتی ھے
خورشید قیامت کا' سر پرتو اب آ پہونچا
غفلت کو جگا دینا کس نیند یہ سوتی ھے

جو ملنا ھے مل پھر کہاں زندگانی
کہاں میں' کہاں تو' کہاں نوجوانی

" درد " اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

آھوں کی کش مکش میں دیکھو کہیں نہ ٹوٹے
تار نفس سے اے دل وابستہ میري جاں ھے

غم سے پہچانتا نہیں ھوں میں
کہ مرا سر ھے یا کہ زانو ھے

ھرچند کہ سنگ دل ھے شیریں
لیکن فرہاد کوہ کن ھے

مت جا ترو تازگي په اُس کي
عالم تو خیال کا چمن ھے

سیماب کشتہ کس کا ؟ ماءالحیات کیدھر
گر جی کو مار سکئے، اے "درد" کیمیا ھے

کعبے کو بھي نہ جائیے ، دیر کو بھي نہ کیجے منھ
دل میں کسو کے "درد" یاں، ھو وے تو راہ کیجئے

نے وہ بہار واں ھے ، نہ یاں ھم جواں رہے
ملئے پھر اس سے آہ پہ وہ دن کہاں رھے
دل اپنے پاس گو کبھو رھتا نہیں ھے "درد"
پر ھے یہی دعا وہ رھے خوش جہاں رھے

اگر آہ بھرئیے ، اثر شرط ھے
وگر ضبط کرئیے ، جگر شرط ھے
قدم عشق میں "درد" رکھتا ھے تو
وہ جانے کہاں ھیں ، خبر شرط ھے

لخت جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہہ گئے
کچھ پا رھے دل ھیں کہ پلکوں میں رہ گئے

علاج دردِ سر، صندل ہے لیکن
ہمیں گھسنا ہي اس کا، دردِ سر ہے

خبر اپنی لے اے گلستان خوبی
کرے ہے تبسم ترا گل فروشي

جگر پہ داغ نے میرے، یہ گل‌فشاني کی
کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کي
ہم اتني عمر میں دنیا سے ہو گئے بیزار
عجب ہے خضر نے کیوں کر کہ زندگانی کي

نہیں چھوڑتی قید ہستی مجھے
اگر کھینچ لے جائے مستي مجھے
زمانے نے اے "درد" جوں گرد باد
دکھائی بلندی و پستی مجھے

بس ہے یہی مزار پہ میرے کہ گاہ گاہ
جاے چراغ کوئي دل مہرباں جلے

یہی پیغام "درد" کا کہنا
گر کوئي کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آن ملئے گا
دن بہت انتظار میں گذرے

ہمارے جامۂ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی
گریباں میں ہے مثل صبح، اک تار نفس باقی
یکایک، عشق کی آتش کا شعلہ اس قدر بھڑکا
نہ چھوڑا سر زمیں دل میں کوئی خار و خس باقی

وصف خاموشی کے کچھ کہنے میں آ سکتے نہیں
جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے

غیر اس کوچہ میں اب دیکھا تو کم آنے لگے
تیری خاطر میں کبھو شاید کہ ہم آنے لگے

مرا تو جی وہیں رہتا ہے نت، جہاں تو ہے
اگرچہ میں یہ نہیں جانتا، کہاں تو ہے

نالہ ہے سو بے اثر، اور آہ بے تاثیر ہے
سنگ دل کیا تجھ کو کہیے ؟ اپنی ہی تقدیر ہے

اس طرح جی میں سانس کھٹکے ہے
سانس ہے یا کہ پھانس کھٹکے ہے

بت پرستي هے اب نه بت شکني
که همیں تو خدا سے آن بني

رباعیات متفرق

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعنی که بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئینه کب تلک پریشاں نظری
اب موندے' آنکھ بس جہاں کو دیکھا

پیدا کرے هر چند تقدس بندا
مشکل هے که هو حرص سے دل بر کندا
جنت میں بهي اکل و شرب سے کب هے نجات
دوزخ کا بہشت میں بھی هوگا دهندا

اے " درد " بہت کیا پریکھا هم نے
دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا هم نے
بینائي نه تھي تو دیکھتے تھے سب کو
جب انکھ کھلي تو کچھ نه دیکھا هم نے

پیري چلي اور گئي جواني اپني
اے " درد " کہاں هے زندگاني اپني

کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

مخمس

باطن سے جنھوں کے تئیں خبر ہے ظاہر پہ انھیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بڑي عشق کا اثر ہے اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے

خاموش ہو ترک گفتگو کو باطن کی صفا کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کر آئینہ دل کو رو برو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہے

ہستی نے کیا ہے گرم بازار لیکن ہے یہاں نگاہ در کار
سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار آہستہ گزر میاں کہسار
سنگ دکان شیشہ گر ہے

دیدار نما ہے شاہد گل اور زلف کشا عروس سنبل
جب دل نے مرے کیا تامل تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

ہر عجز میں کبریا ہے محجوب ہر نقص میں ہے کمال مطلوب
کوئي بھی نہیں جہاں میں معیوب آتے ہیں مري نظر میں سب خوب
گر عیب ہے، پردۂ ہنر ہے

ترکیب بند

شاهنشه ملک کفر و دیں تو
ہے تخت نشین دل نشیں تو
ہوں لفظ بہ معنی آشنا میں
ہے معنئی لفظ آفریں تو
اے زیور دشت غیب ! ہرجا
انگشت نما ہے جوں نگیں تو
کافر ہوں نہ ہوں جو کافر عشق
ہے ناز بتان نازنیں تو
دشمن ہے کہاں کدھر کو ہے دوست
ہے گرمئی بزم مہر و کیں تو
ویرانئی وادئی گماں تو
آبادئی خانۂ یقیں تو
ہیہات جہاں یہ کور چشماں
ڈھونڈھیں ہیں تجھے تو ہے وہیں تو
کرتا ہے یہ کون دیدۂ بازی
گر روشنی نظر نہیں تو
توھی تو ہے کوئی بے حجابی
ہے پردۂ چشم شرمگیں تو
معشوق ہے تو ھی تو ہے عاشق
عذرا ہے کدھر کہاں ہے وامق
میں منتظر دم صبا ہوں
جوں غنچہ' گرفتہ دل بنا ہوں

اک عمر گزر گئی سمجھتے
معلوم کیا نہ میں نے کیا ہوں

تنکا بھی تو ہل سکا نہ مجھ سے
شرمندۂ جذب کہربا ہوں

بے گانہ جو مجھ سے واں پھرے تھے
تقصیر یہ ہے کہ آشنا ہوں

موجود نہ بوجھے کچھ وہ کافر
گر آوے خدا بھی میں تو کیا ہوں

اپنی تو نہ کھوئی تیرہ بختی
ہرچند کہ سایۂ ہما ہوں

بیدل تو نہ کر مجھے سمجھ تک
میں ہی تو بساط میں رہا ہوں

مشکل ہے مجھے کہیں رسائی
کوتاہئی طبع نارسا ہوں

پائی نہ گل وفا کی بو بھی
اس باغ میں جا بجا پھرا ہوں

آیندہ نہ کیجئے محبت
دنیا ہے نپٹ یہ جائے عبرت

میر حسن

میر غلام حسن نام ' میر غلام حسین ضاحک کے بیٹے دھلی میں پیدا ہوئے ' بارہ برس کی عمر میں فیض‌آباد گئے کچھ دنوں کے بعد لکھنؤ چلے گئے اور وھیں بود و باش اختیار کرلی -

مذاق شعر و سخن ان کے ضمیر میں تھا - ابتدا میں میر ''ضیا'' سے اصلاح لی مگر بعد کو اُن کا طرز چھوڑ کر '' میر '' '' سودا '' اور '' درد '' کی پیروی کرنے لگے - اُن کی غزلوں میں ان اُستادوں کی تقلید کا اثر نمایاں ھے - میر حسن غزل گوئی میں بھی بلند پایہ رکھتے ھیں مگر جس چیز نے اُن کو غیر فانی شہرت عطا کی ھے وہ ان کی مثنوی کی نظیر پیش نہیں کر سکتی - مناظر کی تصویر کشی جذبات کی ترجمانی - زبان کی شیرینی - بیان کا تسلسل یہ تمام اوصاف اس مثنوی میں بدرجۂ اتم موجود ھیں - ان کے علاوہ یہ مثنوی اس زمانے کا تمدن کا صحیح نقشہ پیش کرتی ھے - ان خصوصیات نے اس مثنوی کو آسمان شاعری کا آفتاب بنا دیا ھے - میر حسن نے اور بھی چھوٹی بڑی کئی مثنویاں لکھی ھیں مگر '' سحرالبیان '' سے اُن کو کوئی نسبت نہیں - غزل اور مثنوی کے علاوہ دوسرے اصناف سخن میں بھی میر حسن نے طبع آزمائی کی مگر کوئی امتیاز حاصل نہ ہوا -

میر حسن نے محرم سنہ ۱۲۰۱ھ میں وفات پائی '' مصحفی '' نے '' شاعر شیریں زبان '' - مادۂ تاریخ نکالا -

اِنتخاب

توہي تو مری جان و دل و جسم ہے ورنہ
کیسا یہ دل اور کیسا یہ جي اور میں کہاں کا
بیگانہ ہے یاں کون اور اپنا ہے یہاں کون
ہے سب یہ بکھیڑا مرے ہي وہم و گماں کا
مرضی ہو جہاں اُس کی وہی جا، ہمیں بہتر
مشتاق دل اپنا نہیں کچھ باغ جناں کا

یارب میں کہاں رکھتا ترا داغ محبت
پہلو میں اگر دل زار نہ تھا
دنیا میں تو دیکھا نہ سوائے غم و اندوہ
میں کاش کے اس بزم میں ہشیار نہ ہوتا

چھوٹا نہ واں تغافل اس اپنے مہرباں کا
اور کام کر چکا یاں یہ اضطراب جاں کا
سامان لے چلا ہے اندوہ کا یہیں سے
کیا جانئے ارادہ دل نے کیا کہاں کا

آنا ہے گر تو آجا جلدی ، وگرنہ یہ دل
یونہیں تڑپ تڑپ کر کوئی دم میں مر رہے گا

عشق کب تک آگ سینہ میں میرے بھڑکائے گا
راکھ تو میں ہو چکا ، کیا خاک اب سلگائے گا
نو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائے گا

اثر ہوئے نہ ہوئے پر بلا سے جی تو بہلے گا
نکالا شغل تنہائی میں ، میں ناچار رونے کا

وہ ملک دل کہ اپنا آباد تھا کبھو کا
سو ہو گیا ہے تجھ بن اب وہ مقام ہو کا

غنچہ ہوں میں نہ گل کا ، نہ گل ہوں میں چمن کا
حسرت کا زخم ہوں میں اور داغ آرزو کا
لایا غرور پر یہ عجز و نیاز تجھ کو
ترا گنہ نہیں کچھ اول سے میں ہی چوکا

یہ سب اپنے خیال خام تھے تم تھے پرے سب سے
جو کچھ سمجھے تھے ہم تم کو، یہ سب اپنا تو ہم تھا

اس کو امید نہیں ہے کبھی پھر بسنے کی
اور ویرانوں سے اس دل کا ہے ویرانہ جدا
گوشۂ چشم میں بھی مردم بدبیں ہیں "حسن"
واسطے اس کے بنا دل میں نہاں خانہ جدا

معشوق کی الفت سے مت جان "حسن" خالی
لبریز محبت ہے یہ جام مرے دل کا

جو کہ ہستی کو نیستی سمجھا اس کو سب طرف سے فراغ رہا
سیر گلشن کریں ہم اس بن کیا اب نہ وہ دل نہ وہ دماغ رہا

دل خدا جانے کس کے پاس رہا
ان دنوں جی بہت اداس رہا

نہ ہوں غیر گر ساتھ تو آئیے
سر آنکھوں پہ میرے قدم آپ کا
دل و جاں جو ہیں یہ سو اپنے نہیں
سمجھتے ہیں ان کو تو، ہم آپ کا

نہ میں شمع ساں سر بسر جل گیا
سراپا محبت کا گھر جل گیا

گل شمع کا نخل تھا میں "حسن"

لگا شام یاں اور سحر جل گیا

وہ تاب و تواں کہاں ہے یارب

جو اس دل ناتواں میں تب تھا

تھے محو خیال رات اس سے

باتوں کا ہمیں دماغ کب تھا

کوئی دم کے ہیں مہمان اس چمن میں ایک دم آخر

مثال نکہت گل شام جانا یا سحر جانا

اپنی طرف سے ہم نے تم سے بہت نباھا

پر آہ کیجئے کیا تم نے ہمیں نہ چاھا

مت بخت خفتہ پر مرے ہنس اے رقیب تو

ہوگا ترے نصیب بھی یہ خواب دیکھنا

زندگی نے وفا نہ کی ورنہ میں تماشا وفا کا دکھلاتا

خار سے پھوٹتے پھپھولے پاؤں کے درد ہی آخر مرا درماں ہوا

فرقت کی شب میں آج کی، پھر کیا جلاویں گے
دل کا دیا تھا ایک، سو کل ھي جلا دیا

یہ نہ گل میں نہ باغ میں دیکھا
جو مزا اپنے داغ میں دیکھا
آتش دل کا تیرے ھم نے پتنگ
رات شعلہ چراغ میں دیکھا

خالي نہ جائے گا یہ ھر شب لہو کا رونا
اک روز دل کے ٹکڑے دامن میں بھر رھوں گا
کوچے سے اپنے مجھ کو مت ھر گھڑي تو اٹھوا
میں خود بہ‌خود یہاں سے اک دن گذر رھوں گا

کوچۂ یار ھے اور دیر ھے اور کعبہ ھے
دیکھئے عشق ھمیں آہ کدھر لاوے گا

میں ھي نہ غم کو ھستی کا سامان دے چکا
دل ھی غریب اپني اُسے جان دے چکا
وحشت میں سر پٹکنے کو کیا مانگیں اس سے اور
ھم کو تو عشق کوہ و بیابان دے چکا

دل ھي کہیں نکلتا ' ھو ٹکڑے ٹکڑے یارب
آنکھوں سے خون میری کب تک بہا کرے گا

یہ سینہ بھی جائے قدم تھا کسی کا
کبھی اس طرف بھي کرم تھا کسي کا
دم مرگ تک روتے ھي روتے گذري
ھمیں بھی قیامت الم تھا کسی کا
نہ تھمتی تھیں آھیں' نہ رکتے تھے آنسو
"حسن" تجھ کو کیا رات غم تھا کسی کا

دکھاویں گے چالاکي ھاتھوں کی ناصح
جو ثابت جنوں سے گریباں رھے گا
وہ آشفتہ بلبل میں جاتا ھوں یاں سے
کہ جس بن چمن سب پریشاں رھے گا

ایک یہي چراغ دل ' جلتا تھا میرے حال پر
آہ! سحر نے میري آہ اس کو بھي اب بجھا دیا

ھر ایک ھدایت کي نہایت ھے و لیکن
اس عشق کے آغاز کا انجام نہ پایا
کیا شکوہ کریں کنج قفس کا دل مضطر
ھم نے تو چمن میں بھی تک آرام نہ پایا

یہی آتا ھے اپنے دل میں پھر پھر   کہ کیا ھوتا جو اپنا دل نہ ھوتا

آسان تم نہ سمجھو نخوت سے پاک ھونا
اک عمر کھو کے ہم نے سیکھا ھے خاک ھونا

مت پوچھ کہ رحم اس کو مرے حال پہ کب تھا
اب کہنے سے کیا فائدہ جب تھا کبھی تب تھا

اتنا بھي تو بے چین نہ رکھہ دل کو مرے تو
آخر یہ وھي دل ھے جو آرام طلب تھا
کعبے کو گیا چھوڑ کے کیوں دل کو تو اے شیخ
ٹک جی میں سمجھتا تو سہي یاں بھی تو رب تھا

رتبہ یہ شہادت کا کہاں اور کہاں میں
واں تک مجھے اس شوخ کي تلوار نے بھیجا
میرا تو نہ تھا جي کہ میں اس رتبہ کو پہونچوں
پر کوچۂ رسوائی میں دلدار نے بھیجا

اس شوخ کے جانے سے عجب حال ھے میرا
جیسے کوئي بھولے ھوئے پھرتا ھے کچھہ اپنا

ضبط نالے سے جو کچھ مجھ پہ ہوا میں نے سہا
درد سر اور کو دینا تو گوارا نہ کیا

مہر و وفا کا میرے جور و جفا کا اپنے
میری طرف سے اپنے دل میں حساب رکھنا

دیکھے سے دور ہی کے دھڑکتا ہے دل مرا
کیا حال ہوگا جب کہ وہ نزدیک آئے گا

گھر سے باہر جو نکلتا ہے تو جلدی سے نکل
ورنہ ڈھونڈی میں لگاتا ہوں یہیں، مجھ کو کیا

تا مجھ سے وہ پوچھے مری خاموشی کا باعث
مجھ کو یہ تمنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کیا پوچھے ہے مجھ سے مری خاموشی کا باعث
کچھ تو سبب ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ایک مجلس کے ہیں حسن و عشق اس میں عیب کیا
شمع گر تجھ کو کیا تو ہم کو پروانہ کیا
دیکھتے ہی مے کو ساغر کا نہ کھینچا انتظار
مارے جلدی کے میں اپنا ہاتھ پیمانہ کیا

طرفہ تر ہے یہ کہ اپنا بھی نہ جانا اور یونہیں
اپنا اپنا کہہ کے مجھ کو سب سے بیگانہ کیا

جاتا تھا اس کی کھوج میں، میں بے خبر چلا
بارے اُسی نے ٹوک کے پوچھا کدھر چلا
کس میں رکھوں گا اب مئے حسرت کو میں بھلا
شیشہ تو دل کا خون جگر ہي سے بھر چلا
لکھنے کی یاں نہ تاب نہ پڑھنے کا واں دماغ
کہہ دیں گے کچھ زبانی اگر نامہ بر چلا

گر ہیں برے تو تیرے اور ہیں بھلے تو تیرے
نیکی بدي میں اپني شامل ہے نام تیرا

تری آنکھوں کا عاشق ہوں ترے رخ کا ہوں دیوانہ
نہ سودائي ہوں میں گل کا نہ میں بیمار نرگس کا

بندا بتوں کا کس کے کہے سے ہوا یہ دل
حق کي طرف سے کیا اُسے الہام کچھ ہوا

پڑتی ہے دل کی بھی کرني خوشامد ان روزوں
زمانہ اب تو رہا ہے زمانہ سازي کا

قاصد یہي کہتا ھے شب وہ نہیں آنے کا
کاھے کو رھوں گا میں جب وہ نہیں آنے کا

یہ جو کچھہ قیل و قال ھے اپنا   وھم ھے اور خیال ھے اپنا

آشنا بے وفا نہیں ھوتا
بے وفا ' آشنا نہیں ھوتا
گو بھلے سب ھیں اور میں ھوں برا
کیا بھلوں میں برا نہیں ھوتا
دل جدا گر ھوا ''حسن'' تو کیا
وہ تو دل سے جدا نہیں ھوتا

تیرہ بختی کو اپني کہو نہ سکا
اس سیاھی کا داغ دھو نہ سکا

انکھوں میں بھر کے انسو دیکھوں ھوں میں فلک کو
کرتا ھے ذکر کوئی جب اپنی صحبتوں کا

صبا کے ھاتھہ سے خط گل‌عذار کا پہنچا
خزاں رسیدوں کو مژدہ بہار کا پہنچا
صبا گئي سے تري گرد راہ کو لائی
ھماری انکھوں کو سرمہ غبار کا پہنچا

اُٹھا بالوں کو چہرے سے ' دکھادے چاند سا مکھڑا
سر شام آج آتا ہے نظر تنہا مجھے تارا
کوئی دیتا نہیں اس بت کو دل کچھ اپنی خواہش سے
جو یوں مرضی خدا کی ہو تو پھر بندے کا کیا چارا

ہوتے ہی اس کے سامنے' جاتا رہے ہے یہ
کچھ اختیار اپنا نہیں اختیار پر

اس گنجفہ کا یاں سے ہے کھیل اور ہی کچھ
دیتے ہیں جان ناحق انسان مورتوں پر

ہے دھیان جو اپنا کہیں اے ماہ جبیں اور
جاتا ہے کہیں اور تو جاتا ہوں کہیں اور
جب تو ہی کرے دشمنی ہم سے تو غضب ہے
تیرے تو سوا اپنا کوئی دوست نہیں اور

پا برہنہ ساتھ ناقے کے چلا آتا ہے قیس
اک طرف کردے صبا خار مغیلاں دیکھ کر
دامن صحرا سے اٹھنے کو ''حسن'' کا جی نہیں
پانوں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر

ظاھر میں تو اڑتا ھوں ولے اڑ نہیں سکتا
بے بس ھوں میں چوں طائر تصویر ھوا پر

—

اب جو چھوٹے بھي ھم قفس سے تو کیا
ھو چکي واں بہار ھی آخر
آتش دل پر آب لے دوڑا
دیدۂ اشکبار ھي آخر

—

حد سے در گزرا ھمارا اِس طرف عجز و نیاز
پر اُدھر سے بے نیازي بھي رھي سر گرم ناز
درد کي اب بات تھوڑي سی بھی لگتی ھے بہت
ھو رھا ھے بسکہ اک مدت سے دل اپنا گداز

—

غم دل کے مرے حال سے کچھہ تجھہ کو خبر ھے
کس گھر کو لگاتا ھے تو اے بے ادب آتش

—

جیسے لگی ھو ناوک مژگاں سے اُس کي آنکھہ
ھر پل میں ھے جگر میں نئي طرح کی خراش
یا دل کو میں ھی بھولوں یا اس کو بھولے دل
ان دونوں باتوں میں سے کہیں ایک ھوے کاش

—

یہ ثابت پھر نہیں رھتا نظر آتا مجھے ناصح
عبث چاک گریباں کو سیا تونے خدا حافظ

دل میں ٹھہري ہے اب یہي کہ " حسن "
ہم نہ ہوں گے جو ہوگا یار وداغ

شعلہ اٹھے ہے دل سے شب و روز ہم نشیں
جلتي ہے اپني بزم میں شام و پگاہ شمع

مشتعل یوں ہوا ہے دل کا داغ جس طرح سے بھڑک اٹھے ہے چ

ہم بھی تب تک ہیں کہ یاں جلوہ ہے جب تک تیرا
ہستی سایہ بھی سچ پوچھو تو ہے نور تلک

ٹک دیکھ لیں چمن کو ' چلو لالہ زار تک
کیا جانے پھر جیئں نہ جیئں ہم بہاو تک

حیراں میں اپنے حال پہ جوں آئنہ نہیں
عالم کے منہ کو دیکھ کے میں رہ گیا ہوں دنگ

کچھہ جو ٹھہرے تو تجھہ کو بتلا دوں
اس دل زار و بے قرار کا رنگ
ہجر کي رات دیکھي ہو جس نے
وہ "حسن" دیکھے زلف یار کا رنگ

رشک صد شمع سوز ہر مو ہے لگ گیا ہے یہ کس چراغ سے دل

کیا کہیں اپنا ہم نشیب و فراز
آسماں گاہ گہہ زمیں ہیں ہم
ہم نہ تیر شہاب ہیں نہ سموم
نالہ و آہ آتشیں ہیں ہم

شمع ساں شب کے میہماں ہیں ہم
صبح ہوتے تو پھر کہاں ہیں ہم
باغباں تک تو بیٹھنے دے کہیں
آہ گم کردہ آشیاں ہیں ہم
دل سے نالہ نکل نہیں سکتا
یاں تلک غم سے ناتواں ہیں ہم
داغ ہیں کاروان رفتہ کے
نقش پائے گذشتگاں ہیں ہم

اور کچھہ تحفہ نہ تھا جو لاتے ہم تیرے نیاز
ایک دو آنسو تھے آنکھوں میں سو بھر لائیں ہم

دم بہ دم اس شوخ کے آزردہ ہوجانے سے آہ
جب نہیں کچھ اپنا بس چلتا تو گھبراتے ہیں ہم

دل خدا جانے کدھر گم ہو گیا اے دوستاں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کیا اور نہیں پاتے ہیں ہم

دونوں دیوانے ہیں کیا سمجھیں گے آپس میں عبث
ہم کو سمجھاتا ہے دل اور دل کو سمجھاتے ہیں ہم

بس دل کا غبار دھو چکے ہم　　رونا تھا جو کچھ سو رو چکے ہم
ہونے کی رکھیں توقع اب خاک　　ہونا تھا جو کچھ سو ہو چکے ہم

دل غم سے ترے لگا گئے ہم　　کس آگ سے گھر جلا گئے ہم
مانند حباب اس جہاں میں　　کیا آئے تھے اور کیا گئے ہم
کھویا دیا اس میں گو دل اپنا　　پر یار تجھے تو پا گئے ہم

آرزو دل کی بر آئی نہ "حسن" وصل میں اور
لذت ہجر کو بھی مفت میں کھو بیٹھے ہم

نا صحا جا اِس گھڑی مت بول تو
جان سے اپنی خفا بیٹھے ہیں ہم

دم رکتا ہوا آتا ہے لب تک مرے غم سے
عقدے ترے ہیں بسکہ میرے تار نفس میں

دم بہ‌دم قطع ہوتی جاتي ہے عمر لیل و نہار کے ہاتھوں
ایک دم بھی ملا نہ ہم کو قرار اس دل بے قرار کے ہاتھوں
اپني سر گشتگی کبھي نہ گئی گردش روزگار کے ہاتھوں
اک شگوفہ اٹھے ہے روز نیا اس دل داغ دار کے ہاتھوں

عشق کا اب مرتبہ پہونچا مقابل حسن کے
بن گئے بت ہم بھي آخر اس صنم کي یاد میں

حسن میں جب تئیں گرمي نہ ہو جی دیوے کون
شمع تصویر کے کب گرد پتنگ آتے ہیں

دل اور جگر لہو ہو آنکھوں تلک تو پہونچے
کیا حکم ہے اب آگے نکلیں کہو نہ نکلیں

ہم نہ ہنستے ہیں اور نہ روتے ہیں
عمر حیرت میں اپني کھوتے ہیں
کوس رحلت ہے جنبش ہردم
آہ تس پر بھي یار سوتے ہیں

بن کہے بنتی نہیں کہئے تو سنتا نہیں وہ
حال دل اس سے ہم اظہار کریں یا کریں

داغ فراق دل میں اور درد عشق جی میں
کیا کیا نہ ہم نے دیکھا دو دن کی زندگی میں

کیوں جھٹکتا ہے ہم سے دامن ہائے خاک بھی تو نہیں رہے ہم ہیں

"حسن" رکھیو قدم ہرگز نہ صحرائے محبت میں
کہ ہے سر سے گذرنا رسم یاں کی راہ منزل میں

وصل ہونے سے بھی کچھ دل کے تئیں سود نہیں
اب جو موجود وہ یاں ہے تو یہ موجود نہیں

صیاد ہم کو لے تو گیا لالہ زار میں
پردہ قفس کا پر نہ اٹھایا بہار میں
یہ گرد باد خاک پہ میری نہیں "حسن"
میں ڈھونڈھتا ہوں آپ کو اپنے غبار میں

آپ تو اپنا عرض کر لے حال
دل! ہمیں تاب التماس نہیں
یوں خدا چاہے تو ملادے اُسے
وصل کی پر ہمیں تو آس نہیں

چل دل اس کی گلی میں رو آویں
کچھ تو دل کا غبار دھو آویں
دل کو کھویا ہے کل جہاں جا کر
جی میں ہے آج جی بھی کھو آویں
کب تلک اُس گلی میں روز ”حسن“
صبح کو جاویں شام کو آویں

موئے سپید نے نمک اس میں ملادیا
کیفیت اب وہی نہیں جام شراب میں

ذرہ ذرہ میں دیکھ ہیں موجود
وہی جلوے جو آفتاب میں ہیں
ہم تمہارے ہی بندے ہیں صاحب
آپ ہم سے عبث حجاب میں ہیں

آنکھوں سے ہم تو آویں تمہارے قدم کے پاس
دیکھو جو اک نظر ہمیں تم دوربین میں

ہوں دیر میں، نہ کعبے میں، نہ دل ہی میں اپنے
کیا جانوں تجسس میں تری آہ کدھر ہوں

جي نکلتا هے ادهر اور وه گذر کرتا نهيں
مرتے هيں هم اور اُسے کوئي خبر کرتا نهيں

هم نه نکهت هيں، نه گل هيں جو مهکتے جاويں
آگ کي طرح جدهر جاويں دهکتے جاويں
جو کوئی آوے هے نزديک هی بيٹهے هے ترے
هم کهاں تک تيرے پهلو سے سرکتے جاويں

اک بار تو نالے کی هو رخصت همیں صیاد
پنهاں رکهیں هم کب تئیں فریاد جگر میں

نه هم دعا سے اب نه وفا سے طلب کریں
عشق بتاں میں صبر خدا سے طلب کریں

دل کو اس شوخ کے کوچه میں دهرے آتے هیں
شیشۂ خالی گئے اور اشک بهرے آتے هیں

مزا بےهوشئي الفت کا هشیاروں سے مت پوچهو
عزیزاں خواب کی لذت کو بیداروں سے مت پوچهو
یه اپنے حال هي میں مست هیں ان کو کسی سے کیا
خبر دنیا ومافیها کی مےخواروں سے مت پوچهو

دل صد پارہ میرے کي تو پہلے فکر کر ناصح
رفو کیجو پھر اس کے بعد تو چاک گریباں کو

نہیں تقصیر کانٹوں کي مرا چھالا هي پاؤں کا
بہ رنگ کہر با کھینچے هے خود خار مغیلاں کو
نہیں معلوم یہ کس کا هے اتنا منتظر یارب
کہ میں مدتے نہیں دیکھا "حسن" کی چشم حیراں کو

ناقے سے دور رہ گیا آخر نہ قیس تو
کہتے نہ تھے کے پاؤں سے مت کھینچ خار کو

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو
آپ پر اپنا اختیار نہیں جبر ہے ہم پہ کس قدر دیکھو

گئے وے دن جو آنسو بھی ان آنکھوں سے نکلتے تھے
بہ جائے اشک اب تو رہ گئي هے حسرت گریہ

کہیو صبا کہ جس کو تو بتھلا گیا تھا سو
چوں نقش پا پڑا تري دیکھے هے راہ وہ

مجھ سے اب وہ نہ رهی اس بت عیار کي آنکھ
پھر گئي آہ زمانے کی طرح یار کي آنکھ

دید کي سیر راہ ہے یہ مژہ   خار پائے نگاہ ہے یہ مژہ

ہوکر ترے جلوہ کے خریدار ہمیشہ
آ بیٹھتے ہیں ہم سر بازار ہمیشہ
نے جام کی خواہش ہے نہ مے کي مجھے ساقي
میں نشۂ ہستی سے ہوں سرشار ہمیشہ
ہرآن میں عالم ہے جدا باغ جہاں کا
اک رنگ پہ رہتے نہیں گلزار ہمیشہ

پھر پھر کے پوچھتے ہو عبث آرزوے دل
تم جانتے تو ہو کہ مرا مدعا ہے وہ
رنگ حنا کی طرح نہ کھو اس کو ہاتھ سے
دل ہے مرا کہ ہاتھ ترے لگ گیا ہے وہ

جب کام دل نہ ہرگز حاصل ہوا کہیں سے
دل کو اٹھا کے بیٹھے ناچار سب طرف سے

اب ہم ہیں اور یار کا روز فراق ہے
جوں توں کي تہري رات تو اے شمع کٹ گئي

مجنوں کو اپنے لیلی کا محمل عزیز ہے
تو دل میں ہے ہمارے، ہمیں دل عزیز ہے

جب میں چلتا ہوں ترے کوچہ سے کترا کے کبھی
دل مجھے پھیر کے کہتا ہے ادھر کو چلئے

تھے ابھی تو پاس ہي اپنے قرار و ہوش و صبر
تیرے آتے ہی نہ جانے وہ کدھر کو اتھ گئے

ہے گرہ کیسی یہ غم کي اپنے دل میں اے "حسن"
ہم نے جوں جوں اس کو کھولا اور یہ محکم ہوئی

دل کا ہمدم علاج مت کر اب   زخم مرہم پذیر ہیں اُس کے

رائیگاں یوں اڑا نہ ہم کو فلک
خاک ہیں ہم کسي کے چوکھٹ کے
تک تو اونچی ہو اے صدائے جرس
دشت میں کب تلک کوئی بھٹکے
توھي جب اپنے در سے دیوے اٹھا
پھر کدھر جائے کوئي سر پٹکے

زندگی یہ ' ستم یار وہ ' اور بخت زبوں
کس توقع پہ بھلا دل کو کوئی شاد کرے

تیرا خیال ابرو دل میں اگر نہ ہو وے
کعبے کا دیکھنا بھی مد نظر نہ ہو وے

منھ اپنا خشک ھے اور چشم تر ھے
ترے غم میں یہ سیر بحر و بر ھے
وہ اب کیوں کر نہ کھینچے آپ کو دور
ھمارے چاھنے کا یہ اثر ھے
ھمیں دیکھو نہ دیکھو تم ' ھمیں تو
تمھارا دیکھنا مد نظر ھے

تیرے دیدار کے لئے یہ دیکھ
جان آنکھوں میں آرھي تو ھے

دشمن تو تھے ھي پر تري اس دوستي میں اب
بیزار ھم سے ھو گئے ھیں دوست دار بھي
گر تو نہیں تو جاکے کریں کیا چمن میں ھم
تجھ بن ھمیں خزاں سے ھے بدتر بہار بھي
اک جان ناتواں ھی کا شکوہ " حسن " نہیں
ٹھہرا نہ اپنے پاس دل بے قرار بھی

نہ رنگ ھے منھ پر ترے' نہ دل ھے ترے پاس
سچ کہیو " حسن " آج تو آتا ھے کہاں سے

کیوں کر بھلا لگے نہ وہ دل‌دار دور سے
دونی بہار دیوے ہے گلزار دور سے
بے اختیار اتھتی ہے بنیاد بے خودی
آتی ہے جب نظر تری دیوار دور سے

میں اس خرابی سے مارا پڑا ہوں رستے میں
جو تو بھی گذرے ادھر سے تو ہاتھ مل جاوے
نہ تڑپیو تو دم قتل اے " حسن " ہرگز
کہ دست یار مبادا کہیں نہ چل جاوے

ہے نقش پاے ناقہ، نقش جبیں سے باہم
محمل کے ساتھ شاید نکلا ہے قیس بن سے
سینے سے آہ دل سے نالے جگر سے افغاں
نکلے یہ سب و لیکن نکلی نہ جان تن سے

زمیں سے اب غبار اپنا بھی اتھ سکتا نہیں یارب
نہیں معلوم ایسے گر گئے ہیں کس کے ہم دل سے
گئے وہ دن جو بالیں سے اتھا کر سر پٹکتے تھے
جو اب چاہیں کہ کروٹ لیں تو لی جاتی ہے مشکل سے

"حسن" بساط میں دل ہے یہ تیری اے جاں باز
تو منچلا ہے نہایت، کہیں یہ ہار نہ دے

شب فراق میں رو رو کے مرگئے آخر
یہ رات جیسی تھی ویسی رہی، سحر نہ ہوئی

جو ہے وہ تیری چشم کا بادہ پرست ہے
القصہ اپنے حال میں ہر ایک مست ہے
بیٹھے ہیں جب تلک تبھی تک، دور ہے عدم
چلنے کو جب ہوئے تو پھر اک دم کی جست ہے
اٹھ جائیں گر، یہ بیچ سے اپنے نکات وہم
پھر ایک شکل دیکھنے میں نیست ہست ہے

کیا جانئے کہ شمع سے کیا صبح کہہ گئی
اک آہ کھینچ کر جو وہ خاموش رہ گئی

رنج و بلا و جور و ستم داغ و درد و غم
کیا کیا نہ دل کے ہاتھ مری جان سہ گئی
ناخن نہ پہونچا، آبلہ، دل تلک "حسن"
ہم مرگئے پہ ہم سے نہ آخر گرہ گئی

کل تک تو آس تھی تیرے بیمار عشق کو
پر آج بے طرح کا اُسے اضطراب ہے

کوئی نہیں کہ یار کی لادے خبر مجھے
اے سیل رشک توھی بہادے اُدھر مجھے
یا صبح ہو چکے کہیں، یا میں ہی مرچکوں
رو بیٹھوں اس سحر ہی کو، میں یا سحر مجھے
ملت تو سر پہ تیشہ کی فرہاد تب میں لوں
جب سر پٹکنے کو نہ ہو دیوار و در مجھے

نالوں سے کیا "حسن" کے تو اس قدر رکے ہے
اک آدھ دم کو پیارے جھگڑا ہی یہ چکے ہے

صبا کوچے سے تیرے ہو کے آئی ہے ادھر شاید
کہ عقدے غنچۂ دل کے لگے کچھ خود بخود کھلنے

آرزو اور تو کچھ ہم کو نہیں دنیا میں
ہاں مگر ایک ترے ملنے کا ارمان تو ہے

صبر و قرار ہوش و خرد سب کے سب یہ جائیں
پر داغ عشق سینہ سے اے ہمنشیں نہ جائے

ہے پارۂ عقیق جگر دیکھیو کہیں
اے چشم تیرے ہاتھ سے ایسا نگیں نہ جائے

لوہو کے جائے حسرت آنکھوں سے اس کی ٹپکے
تیغ نگہہ سے تیری جو دل فگار ہووے

جان میں میری جان آئی تھی
کل صبا کس کے پاس لائی تھی
پھر دھک اٹھی آگ دل کی ہائے
ہم نے رو رو ابھی بجھائی تھی
شب سے دل آپ میں نہیں ناصح
ایسی کیا بات اُسے سنائی تھی
دل کو روؤں کہ یا جگر کو "حسن"
مجھ کو دونوں سے آشنائی تھی

ہم درد کے بھروں کی تو رسم فغاں نہیں
خالی ہے نے اسی لئے اُس میں یہ شور ہے

یار گر اپنے پاس ہو جاوے
زندگی کی پھر آس ہو جاوے
قاصد ایسی نہ بات کچھ کہیو
جس سے دل بے حواس ہو جاوے

جس کو سمجھا ہوں میں "حسن" امید
کہیں وہ بھی نہ یاس ہو جاوے

کر کے بسمل نہ تونے پھر دیکھا
بس اسی غم میں جان دی ہم نے

عرق کو دیکھ منھ پر تیرے پیارے
فلک کو پیٹھ دے بیٹھے ہیں تارے
چمن میں کس نے دل خالی کیا ہے
لہو سے جو بھرے ہیں پھول سارے

دل گم گشتہ کی طرف سے ہم کف افسوس اپنے مل بیٹھے

شاید کہیں "حسن" نے کھینچی ہے آہ شاید
ڈنٹا سا اک جگر میں اپنے کھٹک گیا ہے

دیکھا نہ کسی وقت میں ہنستے ہوے اس کو
یہ بھی کوئی دل ہے جو کبھی شاد نہ ہووے

سراغ ناقہ لیلیٰ بتائیو اے خضر
کوئی جرس کی طرح پر خروش آتا ہے

دل کي زميں سے کون سي بہتر زمين ہے
پر جان تو بھي ہو تو عجب سر زمين ھے
سر کو نہ پھينک اپنے فلک پر غرور سے
تو خاک سے بنا ہے ترا گھر زمين ھے

اتنے آنسو تو نہ تھے ديدۂ ترکے آگے
اب تو پانی ھی بھرا رہتا ہے گھر کے آگے

اپنی سو گند جو دی اُس نے تو کھائي نہ گئي
ايک بھی بات محبت کی چھپائي نہ گئي

ياں تک تو تھا ''حسن'' کو کل انتظار تيرا
آنکھوں ميں اس کي ہم نے جان نزار ديکھي

قيس کا مدت سے برہم ہو گيا تھا سلسلہ
اپنی ہم ديوانگی سے اس کو جاری کر گئے

شبنم کی طرح سير چمن بھی ضرور ہے
رو دھو کے ايک رات يہاں بھي گذارئيے

یوں تو ہرگز نہیں آنے کی تمہیں نیند مگر
مجھ سے قصہ مرا کہوائیے اور سو رہیے

جس طرف دل گیا گئے ہم بھی جان کی اپنی پاس‌داری کی

نغمۂ عشق سے ہیں سجہ و زنار ملے
ایک آواز پہ دو ساز کے ہیں تار ملے
میں تو آشفتۂ دل اور دل آشفتۂ زلف
خوب ہم دونوں گرفتار گرفتار ملے

کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

گو دل پر اس کی تیغ سے بیداد ہو گئی
تن کے قفس سے جان تو آزاد ہو گئی
اک دو ہی آہیں سن کے خفا ہم سے ہو چلے
دل سوزی ایک عمر کی برباد ہوگئی

اتنا معلوم تو ہوتا ہے کہ جاتا ہوں کہیں
کوئی ہے مجھ میں کہ مجھ سے لئے جاتا ہے مجھے
تجھ کو منظور جتنا مجھ کو ہے مطلوب وفا
نہ یہ بھاتا ہے تجھے اور نہ وہ بھاتا ہے مجھے

کسي کي بے وفائي سے مجھے کیا
میں اپنے کام رکھتا ھوں وفا سے

نالۂ دل پر آہ کی ' میں نے بات پر مجھ کو بات یاد آئی

کس کس کے غم کو سنئے "حسن" اب وہ دل نہیں
اپنی هي سر گذشت سے جی اپنا سیر ھے

ھے دل میں وہ لیکن دکھلائی نہیں دیتا
باھر تو اندھیرا ھے اور گھر میں اجالا ھے

یاں سے پیغام جو لیکر گئے معقول گئے
اُس کی باتوں میں لگے ایسے کہ سب بھول گئے

دید بھر پھر جہاں کی کرلیں
آخرش تو گذر ھي جاویں گے
جی تو لگتا نہیں جہاں دل ھے
ھم بھي اب تو اُدھر ھی جاوں گے
بے خبر جس طرح سے آے ھیں
اس طرح بے خبر ھي جاویں گے

نوجوانی کی دید کر لیجئے
اپنے موسم کی عید کر لیجئے
کون کہتا ہے کون سنتا ہے
اپنی گفت و شنید کر لیجئے

مثال آئینہ کیا عدم سے ہم تـرا منھہ دیکھنے کو آئے تھے
لے کے رخصت "حسن" کوئی دم کی سیر کرنے کو یاں بھی آئے تھے

گل ہزاروں کو آہ جس نے دیے
دل دیا اس نے داغدار مجھے

صورت نہ ہم نے دیکھی حرم کی نہ دیر کی
بیٹھے ہی بیٹھے دل میں دوعالم کی سیر کی

تیری مدد سے تیرا ادراک ہو سکے ہے
ورنہ اس آدمی سے کیا خاک ہو سکے ہے
وہ جلد دستیوں کے جاتے رہے زمانے
اب ہاتھہ سے گریباں کب چاک ہو سکے ہے

نہ آنے کے سو عذر ہیں میری جان
اور آنے کو پوچھو تو سو راہ ہے

هیں قفس میں، پر عبث باندھے ہے تو
اس قفس سے ہم کہاں اُڑ جائیں گے

مزے نہ دیکھے کبھی ہم نے زندگانی کے
یونہیں گذر گئے افسوس دن جوانی کے
سنا نہ ایک بھی شب اس نے حال دل میرا
نصیب جاگے نہ افسوس اس کہانی کے

دیکھا جب آنکھ کھول کے مثل حباب تب
معلوم کائنات ہوئی کائنات کی

جانتا ہے وہی مصیبت عشق
جس پر اے مہربان پڑتی ہے
جس کو دل اپنا چاہتا ہے "حسن"
بات کب اُس کی دھیان پڑتی

ہم درد کل جو ایک ملا، ہم کو راہ میں
باتوں میں ہم کہیں کے کہیں بے خبر گئے

مومن و کافر پہ کیا سب کو ندائے خیز ہے
ابلق ایام کو یاں رات دن مہمیز ہے

یار کا دھیان ، هم نہ چھوڑیں گے
اپنی یہ آن هم نہ چھوڑیں گے
جب تلک دم میں ہے همارے دم
تجھ کو اے جان هم نہ چھوڑیں گے
ہے بڑا کفر ، ترک عشق بتاں
اپنا ایمان هم نہ چھوڑیں گے
دل نہ چھوڑے گا تیرا دامن ، اور
دل کا دامان هم نہ چھوڑیں گے

جان و دل هیں اُداس سے میرے اٹھ گیا کون پاس سے میرے

آج دل بےقرار ہے ، کیا ہے درد ہے ، انتظار ہے ، کیا ہے

آ جا کہیں شتاب کہ مانند نقش پا
تکتے هیں راہ تیری ، سر راہ میں پڑے

کس روش میں آہ پہونچوں اُڑ کے گلشن تک "حسن"
مجھ کو تو صیاد نے چھوڑا ہے پر باندھے ہوے

ہو چکا حشر بھی "حسن" لیکن نہ جیے هم فراق کے مارے

جب قفس میں تھے تو تھي یاد چمن ہم کو ''حسن''

اب چمن میں هیں تو پھر یاد قفس آتي هے

دلبر سے هم اپنے جب ملیں گے

اس گم شدہ دل سے تب ملیں گے

جان و دل و هوش صبر و طاقت

اک ملنے سے اس کے سب ملیں گے

انتخاب مثنوی سحرالبیان

(اس مثنوی میں "میر حسن" نے شہزادہ بے نظیر اور
شہزادی بدر میز کے عشق کی حکایت بیان کی ہے)

شہزادۂ بے نظیر کا باغ

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے لالے کو داغ

عمارت کی خوبی دروں کی وہ شان
لگے جس میں زر بفت کے سائبان

چقیں اور پردے بندھے زر نگار
دروں پر کھڑی دست بستہ بہار

وہ مقیش کی ڈوریاں سر بسر
کہ مہ کا بندھا جس میں تار نظر

چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال
نگہ کو وہاں سے گزرنا محال

سنہری، منرق، چھتیں ساریاں
وہ دیوار اور در کی گل کاریاں

دئے ہر طرف آئینے جو لگا
دیا چوگنا لطف اُس میں سما

وہ مخمل کا فرش اس کا ستھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

بنی سنگ مر مر سے چوپڑ کی نہر
گئی چار سو اس کے پانی کی لہر

قرینے سے گرد اُس کے سرو سہی
کچھ اک دور دور اُس سے سیب و بہی

ہوائے بہاری سے گل لہلہے
چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے

زمرد کے مانند سبزے کا رنگ
روش پر جواہر لگا جیسے سنگ

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
کہیں نرگس و گل کہیں یا سمن

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشاں
مدن بان کی اور ہی آن بان

کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار
جدی اپنے موسم میں سب کی بہار

کہیں جعفری اور گیندا کہیں
سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں

عجب چاندنی میں گلوں کی بہار
ہر اک گل سفیدی سے مہتاب وار

کھڑے سرو کی طرح چنپا کے جھاڑ
کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
کہیں زرد نسریں کہیں نسترن
عجب رنگ پر زعفرانی چمن
پڑا آب جوھر طرف کو بہے
کریں قمریاں سرو پر چہچہے
گلوں کا لب نہر پر جھومنا
اُسی اپنے عالم میں منھ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر
نشے کا سا عالم گلستان پر
کھڑے شاخ در شاخ باھم نہال
رھیں ھاتھ جوں مست گردن میں ڈال
لب جو پہ آئینے میں دیکھ قد
اکڑنا کھڑے سرو کا جد نہ تد
خراماں صبا صحن میں چار سو
دماغوں کی دیتی ھر اک گل کی بو
کھڑے نہر پر قاز اور قر قرے
لئے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قر قروں کی بطوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے، منڈیروں پہ مور
چمن آتش گل سے دھکا ھوا
ھوا کے سبب باغ مہکا ھوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے بھول
پڑے ھر طرف موسریوں کے پھول

وہ کیلوں کی اور ہ وسریوں کی چھاؤں
لگی جائیں آنکھیں لئے جس کا ناؤں

(شہزادۂ بے نظیر کا غسل کرنا)

ہوا جب کہ داخل وہ حمام میں
عرق آگیا اُس کے اندام میں
تن نازنیں نم ہوا اُس کا کل
کہ جس طرح ڈوبے ہے شبنم میں گل
پرستار باندھے ہوئے لنگیاں
مہ و مہر سے طاس لے کر وہاں
لگے ملنے اُس گلبدن کا بدن
ہوا دھڈھا آب سے وہ چمن
نہانے میں یوں تھی بدن کی چمک
برسنے میں بجلی کی جیسی چمک
بھوں پر جو پانی پڑا سر بسر
نظر آئے جیسے دو گلبرگ تر
ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس
کہے تو پڑی جیسے نرگس پہ اُوس
لگا ہونے ظاہر یہ اعجاز حسن
ٹپکنے لگا اُس سے انداز حسن
گیا حوض میں جب شہ بے نظیر
پڑا آب میں عکس ماہ منیر

وہ گورا بدن اور بال اُس کے تر
کہے تو کہ ساون کی شام و سحر
نمی سے تھا بالوں کا عالم عجب
نہ دیکھی کوئی خوب تر اس سے شب
کہوں اس کی خوبی کی کیا تجھ سے بات
کہ جیوں بھیگتی جائے صحبت میں رات
زمرد کے لے ہاتھ میں سنگ پا
کیا خادموں نے جو آہنگ پا
ہنسا کھل کھلا وہ گل نو بہار
لیا کھینچ پانوں کو بے اختیار
عجب عالم اس نازنیں پر ہوا
اثر گدگدی کا جبیں پر ہوا
ہنسا اس ادا سے کہ سب ہنس پڑے
ہوے جی سے قربان چھوٹے بڑے
کیا غسل جب اس لطافت کے ساتھ
اڑھا کھیس لے آئے ہاتھوں ہاتھ
نہا دھو کے نکلا وہ گل اس طرح
کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح

(شہزادۂ بے نظیر کی سواری)

نکل گھر سے جس دم ہوا وہ سوار
کئے خوان گوہر کے اس پر نثار

زبس تھا سواري کا باھر ھجوم
ھوا جب کي ڈنکا پڑی سب میں دھوم

برابر برابر کھڑے تھے سوار
ھزاروں ھی تھی ھاتھیوں کی قطار

سنہري روپہلی وہ عماریاں
شب و روز کی سي طرح داریاں

چمکتے ھوئے بادلے کے نشان
سواروں کے غت اور بانوں کي شان

ھزاروں ھی اطراف میں پالکی
جھلا بور کي جگمگي نالکي

کہاروں کی زربفت کي کرتیاں
اور ان کے دبے پاوں کي پھرتیاں

بندھی پگڑیاں طاش کي سر اوپر
چکا چوندھ میں جن سے آوے نظر

رہ ھاتھوں میں سونے کے مرتے کڑے
جھلک جس کی ھر ھر قدم پر پڑے

وہ ماھی مراتب وہ تخت رواں
وہ نوبت کہ دولھا کا جیسے سماں

وہ شہنائیوں کي صدا خوش نما
سہاني وہ نوبت کي دھیمي صدا

وہ آھستہ گھوڑوں پہ نقارچی
قدم با قدم با لباس زري

بجاتے ہوئے شادیانے تمام
چلے آگے آگے ملے شاد کام

سوار اور پیادے صغیر و کبیر
جلو میں تمامی امیر و وزیر

وہ نظریں کہ جس جس نے تھیں تھانیاں
شہ و شاہ زادے کو گزرانیاں

ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار
چلے سب قرینے سے باندھے قطار

سجے اور سجائے سبھی خاص و عام
لباس زری میں ملبس تمام

طرق کے طرق اور پرے کے پرے
کچھ ایدھر ادھر کچھ ورے کچھ پرے

مرصع کے سازوں سے کوتل سمند
کہ خوبی میں روح القدس سے دو چند

وہ فیلوں کی اور میگھڈنبر کی شان
جھلکتے وہ مقیش کے سائباں

چلے پایۂ تخت کے ہو قریب
بدستور شاہانہ نپٹی جریب

سواری کے آگے پڑے اہتمام
لگے سونے روپے کے عاصے تمام

نقیب اور جلودار اور چوبدار
یہ آپس میں کہتے تھے ہردم پکار

اسي اپنے معمول و دستور سے
ادب سے تفاوت سے اور دور سے
یلانو! جوانو! بڑھے جائیو
دو جانب سے باگیں لئے آئیو
بڑھے جائے آگے سے چلتا قدم
بڑھے عمر و دولت قدم با قدم
غرض اس طرح سے سواری چلی
کہے تو کہ باد بہاری چلی
تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم
کہ ہر طرف تھي لاکھ عالم کی دھوم
لگا قلعے سے شہر کی حد تلک
دکانوں پہ تھي بادلے کی جھلک
منڈھے تھے تمامی سے دیوار و در
تمامي تھا وہ شہر سونے کا گھر
کیا تھا ز بس شہر آئینہ بند
ہوا چوک کا لطف واں چار چند
رعیت کی کثرت، ہجوم سپاہ
گزر تي تھی اک اک کی ہر جا نگاہ
ہوے جمع کوٹھوں پہ جو مرد و زن
ہر اک سطح تھا جوں زمین چمن
یہ خالق کي سن قدرت کاملہ
تماشے کو نکلي زن حاملہ

لگا للچ سے تا ضعیف و نحیف

تماشے کو نکلے وضیع و شریف

نظر جس کو آیا وہ ماہ تمام

کیا اُس نے جھک جھک کے اُس کو سلام

(شہزادی بدر منیر کا باغ)

سنو ایک دن کی یہ تم واردات

اٹھا سیر کو بے نظیر ایک رات

ہوا نا گہاں اس کا اک جا گزر

سہانا سا اک باغ آیا نظر

سفید ایک دیکھی عمارت بلند

کہ تھی نور میں چاندنی سے دوچند

مغرق زمین پر تمامی کا فرش

جھلک جس کی لے فرش سے تا بہ عرش

ہر اک سمت واں نور کا اژدحام

لگے آئینے قد آدم تمام

لبالب وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر

پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر

پڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے

ہوا بیچ موتی سے لٹتے ہوئے

مقرض پڑا اس میں مقیش جو

گرا ماہ واں اشک سے پرزے ہو

لئے گود مقیش چھوٹے بڑے
هر اک جا ستارے اُڑاویں کھڑے

هوا میں وہ جگنو سے چمکیں بہم
مگیں جلوۂ مہ کو زیر قدم

زمانہ زر افشاں هوا زر فشاں
زمیں سے لگاتا سما زر فشاں

گل و غنچہ زرین و تاج خروس
زمیں چمن سب جبیں عروس

کھڑا ایک نمگیرۂ زر نگار
کہ تھے جس کی جھالر پہ موتی نثار

کہوں کیا میں جھالر کی اس کی پھبن
کہ سورج کے هو گرد جیسے کرن

مفرق بچھي مسند اک جلمگی
کہ تھي چاندنی جس کے قدموں لگي

بلوریں صراحی وہ جام بلور
دل و دیدہ وقف تماشاے نور

زمیں نور کي آسماں نور کا
جدھر دیکھو اودھر سماں نور کا

وہ مسند جو تھی موج دریاے حسن
وهاں دیکھی اک مسند آراے حسن

دئے کہنی تکیے پہ اک ناز سے
سر نہر بیٹھی تھی انداز سے
خواصیں کھڑیں ایدھر اودھر تمام
ستاروں کا جوں ماہ پر ازدحام
ادھر آسماں پر وہ رخشندہ مہ
اودھر یہ زمیں پر مہ چار دہ
پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں
لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں
نظر آئے اتنے جو اک بار چاند
زمانے کے منھ کو لگے چار چاند

(بدر منیر کا اپنے باغ میں جلوہ افروز ہونا)

زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا
وہ بیٹھی عجب آن سے دل ربا
عجب حسن تھا باغ میں جلوہ گر
کدھر گل کی تھی اس کے منھ پر نظر
چمن اس گھڑی بر سر جوش تھا
گل و غنچہ جو تھا سو بے ہوش تھا
ز بس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی
دوبالا ہر اک گل کی خوبی ہوئی
معطر ہوا اور گل کا دماغ
کہ مہکا تمام اس کی خوشبو سے باغ

پڑا عکس اس کا جو طرف چمن
ہوا لالہ گل اور گل نسترن
درختوں پہ اس کی پڑی جو جھلک
زمرد کو دی اور اس نے چمک
ہوئی اس کے بیٹھے سے گلشن کی زیب
گیا اڑ صبا کا بھی صبر و شکیب
چمن نے جو اس گل کی دیکھی بہار
ہوا دیکھ اپنے گلوں کو فگار
گل و غنچہ و لالہ آپس میں مل
لگے کہنے اس باغ کا ہے یہ دل
گئی جی سے بلبل کے گلشن کی چاہ
ہوئی سرو کی شکل قمری کو آہ
ہوئے واں کے آئینہ دیوار و در
وہ مہ سب دل میں ہوئی جلوہگر

(بدر منیر کا بے نظیر کو اپنے باغ میں پہلے پہل دیکھنا)

درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہاں
کسی کی نظر جا پڑی ناگہاں

جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسین
درختوں کی ہے اوٹ ماہ مبین

کسی نے کہا، ہے پری یا کہ جن
کسی نے کہا ہے قیامت کا دن

لگی کہنے ماتھا کوئی اپنا کوٹ
ستارہ پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ

ہوئی صبح شب کا گیا اٹھ حجاب
درختوں میں نکلا ہے یہ آفتاب

گئی بات یہ شاہزادی کے گوش
یہ سنتے ہی جاتا رہا اُس کا ہوش

خواصوں کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ
عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ

کچھ اک ہول سے خوف کھاتی ہوئی
دھڑک اپنے دل کی مٹاتی ہوئی

گئی ھند میں تھیں جو کچھ کچھ پڑھیں
دعائیں وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھیں

جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسین
کھڑا ہے وہ آئینہ سا مہ‌جبیں

سرکنے کی واں سے نہ جاگہ نہ ٹھاؤں
دئیے چھوٹ عشق نے گڑ پاؤں

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
مرادوں کی راتیں جوانی کے دن

عیاں چستی و چابکی گات سے
نمود جوانی ہر اک بات سے

قیافے سے ظاہر سراپا شعور
جبیں پر برستا شجاعت کا نور

گئی اُس جگہ جب کہ بدر منیر
اور اُس نے جو دیکھا شہ بےنظیر

گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مل
نظر سے نظر جی سے جی - دل سے دل

وہ شہزادۂ دل شدہ تو ٹھٹک
وہیں رہ گیا نقش پا سا بھچک

کہ وہ نازنیں منہہ جھجھک موڑ کر
وہیں نیم بسمل اُسے چھوڑ کر

ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی
چھپا منھہ کو اور مسکراتی چلی

غضب منھہ پہ ظاہر ولے دل میں چاہ
نہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ

یہ ہے کون کم‌بخت آیا یہاں
میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں
یہ کہتی ہوئی آن کی آن میں
چھپی جاکے اپنے وہ دالان میں
دیا ہاتھ سے چھوڑ پردہ شتاب
چھپا ابر تاریک میں آفتاب

——

(بےنظیر سے بدر منیر کی پہلی ملاقات)

بہ‌زور اس کو لاکر بٹھایا جو واں
نہ پوچھ اُس گھڑی کی ادا کا بیاں
وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چرائے ہوئے ناز سے
منھ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے
پسینے پسینے ہوا سب بدن
کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن
گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب
رہے شرم سے پائے بند حجاب

——

(بے نظیر کے ہجر میں بدر منیر کی حالت)

گئے اس پہ دن جب کئی اور بھی
بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی
دوانی سی ہر طرف پھرنے لگی
درختوں میں جا جا کے گرنے لگی
ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب
لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب
تپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی
دو اشک سے چشم بھرنے لگی
خفا زندگانی سے ہونے لگی
بہانے سے جا جا کے سونے لگی
تپ غم کی شدت سے وہ کانپ کانپ
اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ
نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا
نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا
جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اسے
محبت میں دن رات گھٹنا اسے
کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو
تو اٹھنا اسے کہہ کے ہاں جی چلو

جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے

تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے

کسی نے جو کچھ بات کی بات کی

یہ دن کی جو پوچھی کہی رات کی

کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے

کہا خیر بہتر ہے منگوائیے

جو پانی پلانا تو پینا اُسے

غرض غیر کے ہاتھ جینا اُسے

نہ کھانے کی سدھ اور نہ پینے کا ہوش

بھرا دل میں اس کے محبت کا جوش

غزل یا رباعی و یا کوئی فرد

اُسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جس میں درد

سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں

نہیں تو کچھ اس کی بھی خواہش نہیں

سبب کیا کہ دل سے تعلق ہے سب

نہ ہو دل تو پھر بات بھی ہے غضب

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل

کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

زباں پر تو باتیں ولے دل اداس

پراگندہ وحشت سے ہوش و حواس

نہ منھ کی خبر اور نہ تن کی خبر

نہ سر کی خبر نہ بدن کی خبر

نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام

نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام

و لیکن یہ خوباں کا دیکھا سو بھاؤ
کہ بگڑے سے دونا ہو اُن کا بناؤ

بدر منیر کا جوگن بن کر جنگل کو نکل جانا اور
چاندنی رات میں کدارا بجانا

قضارا سہانا سا اک دشت تھا
کہ اک شب ہوا اُس کا واں بسترا
وہ تھی اتفاقاً شب چاردہ
اداسی وہ بیٹھی وہاں رشک مہ
بچھی ہر طرف چادر نور تھی
یہی چاندنی اس کو منظور تھی
بچھا مرگ چھالے کو اور لے کے بین
دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبین
کدارا بجانے لگی شوق میں
لگی دست و پا مارنے ذوق میں
کدارا یہ بجنے لگا اُس کے ہاتھ
کہ مہ نے کیا دائرہ لے کے ساتھ
بندھا اس جگہ اس طرح کا سماں
صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں
وہ سنسان جنگل وہ نور قمر
وہ براق سا ہر طرف دشت و در
وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کے پتے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھمکتے ہوئے
درختوں کے سایے سے مہ کا ظہور
گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور
دیا یہ کہ جوگن کا منھ دیکھکر
ہوا نور و سایہ کا ٹکڑے جگر
گیا ہاتھ سے بین سن کر جو دل
گئے سایہ و نور آپس میں مل
ہوا بندھ گئی اُس گھڑی اس اصول
بسیرا گئے جانور اپنا بھول
درختوں سے لگ لگ کے باد صبا
لگی وجد میں بولنے واہ وا
کدارے کا عالم یہ تھا اُس گھڑی
کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی

سوز

سید محمد میر نام، - دهلي میں پیدا هوے اور عمر کا بیشتر حصه وهیں صرف هوا - آخر عمر میں لکهنؤ گئے اور وهیں کے هو رهے -

شعر و سخن کا شوق ان کی فطرت تها، ابتدا میں " میر " تخلص کیا جب میر تقي کا شهرہ اس تخلص سے سنا تو اس کو ترک کر کے " سوز " بن گئے -

" میر تقی " میر ان کے زور طبع کا اعتراف کرتے هیں، میرحسن، ان کے طرز ادا اور انداز شعر خواني کی تعریف کرتے هیں -

شاعري کے علاوہ وہ شهسواري اور تیراندازی میں بهی کمال تها طاقت‌ور ایسے تهے که ان کی کمان کا چڑهانا هر شخص کے بس کی بات نه تهی -

شاہ عالم کے عهد میں دهلی کی تباهی کے ساتھ " میر " بهی خانماں برباد هوکر گهر سے نکلے، پهلے فرخ‌آباد گئے مگر قسمت نے یاوری نه کي پهر لکهنؤ پهونچے، سیاہ بختي سائے کی طرح ساتھ تهي، وهاں بهي ان کا رنگ نه جما - لکهنؤ سے مرشدآباد پهنچے وهاں بهي بهتري کي کوئی صور نه نکلی - کچھ دنوں بعد دوبارہ لکهنؤ گئے تو قسمت کا ستارہ چمکا، نواب آصف‌الدوله کے سے آفتاب کرم کو مشورۂ سخن دینے اور سکون و اطمینان کي زندگی بسر کرنے لگے میر " سوز "

بزم تغزل میں شمع محفل ھیں ' خود جلتے ھیں اور محفل کو بھی گرماتے ھیں - سوز ' کے ساتھ کلام میں ساز بھی ھے - جذبات کے بیان میں بے ساختگی کا جوھر دکھاتے ھیں - زبان صاف اور بندش چست ھوتی ھے -- محاورہ بندي کي طرف خاص توجہ رکھتے ھیں " سوز " کے انداز میں " میر " کا رنگ جھلکتا ھے -

" میر " " سوز " نے سنہ ۱۲۱۳ھ میں ۷۰ برس کی عمر پاکر لکھنؤ میں انتقال کیا -

انتخاب

اهل ایماں ''سوز'' کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یارب! راز دل ان پر بھي ظاہر ہو گیا

——

دیکھ دل کو چھیڑ مت ظالم کہیں دکھ جائے گا
ہاں بغیر از قطرۂ خوں اور تو کیا جائے گا

——

مندے گر چشم ظاہر دیدۂ بیدار ہو پیدا
در و دیوار سے شکل جمال یار ہو پیدا

——

جي ناک میں آیا بت گل‌فام نہ آیا
جینا تو الٰہی مرے کچھ کام نہ آیا

——

قتل سے یہ بے گنہ راضي ہے اپنے اس لئے
ہاتھ میں اک روز تو داماں قاتل ہوئے گا
ابر کے قطرے سے ہو جاتے ہیں موتي نا صحا
کیوں ہمیں رونے سے اپنے کچھ نہ حاصل ہوئے گا

——

اپنے رونے سے گر اثر ہوتا　　قطرۂ اشک بھی گہر ہوتا
''سوز'' کو شوق کعبہ جانے کا　　ہے بہت پر زیادہ تر ہوتا

نہ پہنچے آہ و نالہ گوش تک اس کے کبھو اپنے
بیاں ہم کیا کریں طالع کی اپنے نارسائی کا
خدا یا کس کے ہم بندے کہاویں سخت مشکل ہے
رکھے ہے ہر صنم اس دہر میں دعویٰ خدائی کا
خدا کی بندگی کا '' سوز '' ہے دعویٰ تو خلقت کو
و لے دیکھا جسے ، بندہ ہے اپنی خود نمائی کا

کعبہ ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا
جو تم سے بتاں ہوگا سو اللہ کرے گا

قاضی ہزار طرح کے قصوں میں آ سکا
لیکن نہ حسن و عشق کا جھگڑا چکا سکا
رستم نے گو پہاڑ اٹھایا تو کیا ہوا
اس کو سراہئے جو ترا ناز اٹھا سکا

بلبل نے جس کا جلوہ جا کر چمن میں دیکھا
دو آنکھیں موند ہم نے وہ من ہی من میں دیکھا

اس سوا کچھ نہ پایا ترے دیوانے کا
قطرۂ خوں ہے مگر خار بیاباں میں لگا

کسي طرح ترے دل سے حجاب نکلے گا
مرے سوال کا منھہ سے جواب نکلے گا

تو روز وصل تو اے "سوز" اپنے آنسو پونچھہ
ابھی بہت ہے تجھے ہجر یار میں رونا

بتوں کے عشق سے واللہ کچھہ حاصل نہیں ہوتا
انھوں سے بات کرنے کو بھی اب تو دل نہیں ہوتا

ساغر عیش دیا اوروں کو "سوز" کو دیدۂ پرنم بخشا

جس نے ہر درد کو درماں بخشا مجھہ سے کافر کو بھی ایماں بخشا
چشم معشوق کر دي عیاری "سوز" کو دیدۂ گریاں بخشا

یہ سب باتیں ہیں قاصد یار میرے گھر نہیں آتا
نہ دیکھوں جب تلک آنکھوں سے کچھہ باور نہیں آتا

کیا دید کروں میں اس جہاں کا
وابستہ ہوں چشم خوں چکاں کا

الٰہی! محبت کو لگ جائے لوکا
کہ اٹھتا ہے ہردم جگر سے بھبو کا
فریب محبت نے مجھ کو پھنسایا
میں بھولا، میں بھولا، میں چوکا، میں چوکا

مرا قتل کیا دل ربانے نہ چاہا
وہ کب چوکتا تھا خدانے نہ چاہا

یار اغیار ہو گیا ہیہات کیا زمانے کا انقلاب ہوا

عاشق ہوا، اسیر ہوا، مبتلا ہوا
کیا جانئے کہ دیکھتے ہی دل کو کیا ہوا

رات کو نیند ہے نہ دن کو چین
ایسے جینے سے اے خدا گذرا

دل تھا بساط میں سو کوئی اس کو لے گیا
اب کیا کروں گا اے مرے اللہ کیا ہوا

پھر اس سے ہم سے بگڑ گئی تو خفا ہو مجھ کو رلا دیا
ولے میں بھی کیا ہوں کہ رونے میں یہ بنایا منھ کہ ہنسا دیا

پوچھے ہے مجھ کو سنیو عاشق تو سچ ہے میرا
کچھ جانتا نہیں ہے بھولا بہت بچارا

جن کے نامے پہونچتے ہیں تجھ تک
کاش میں ان کا نامہ بر ہوتا

دعویٰ کیا تھا گل نے اس رخ سے رنگ و بوکا
ماریں صبا نے دھولیں شبنم نے منھہ پہ تھوکا

" سوز " کیوں آیا عدم کو چھوڑکر دنیا میں تو
واں تجھے تہی کیا کمی ؟ یاں تجھ کو کیا در کار تھا

بہت چاہا کہ تو بھي مجھ کو چاہے
مگر تونے نہ چاہا پر نہ چاہا

شہرۂ حسن سے از بس کہ وہ محبوب ہوا
اپنے مکھڑے سے جھگڑتا تھا کہ کیوں خوب ہوا

بھلا اور تو اور یہ پوچھتا ہوں
کبھي یاد کرتے تھے سو بھی بھلایا

تھرتھراتا ھے اب تلک خورشید
سامنے تیرے آگیا ھوگا

کھولی گرہ جو غنچہ کی تونے تو کیا عجب
یہ دل کھلے جو تجھ سے تو ھو اے صبا عجب
اسلام چھوڑ کفر کیا ، میں نے اختیار
تو بھی وہ بت نہ رام ھوا اے مرے خدا عجب

صاحبو ! طوف دل‌مستاں کرو تو کچھ ملے
ورنہ کعبہ میں دھرا کیا ھے بغیر از سنگ وخشت

مجھ کو ترے نہیں ھے کچھ خیال خوب و زشت
ایک ھے اس کو ھوائے دوزخ و باغ بہشت
ناصحا گر یار ھے ھم سے خفا تو تجھ کو کیا
چین پیشانی ھی ھے اس کی ھماری سر نوشت

کی فرشتوں کی راہ ابر نے بند
جو گنہ کیجئے ثواب ھے آج

قیامت کا بھی دھڑکا " سوز " کے دل سے نکل جائے
خداوند! گذر قاتل کا ھو گور غریباں پر

پوچھے ھے مجھ کو سنیو عاشق تو سچ ھے میرا
کچھ جانتا نہیں ھے بھولا بہت بچارا

جن کے نامے پہونچتے ھیں تجھ تک
کاش میں ان کا نامہ بر ھوتا

دعویٰ کیا تھا گل نے اس رخ سے رنگ و بوکا
ماریں صبا نے دھولیں شبنم نے منھہ پہ تھوکا

"سوز" کیوں آیا عدم کو چھوڑکر دنیا میں تو
واں تجھے تھی کیا کمی؟ یاں تجھ کو کیا در کار تھا

بہت چاھا کہ تو بھی مجھ کو چاھے
مگر تونے نہ چاھا پر نہ چاھا

شہرۂ حسن سے از بس کہ وہ محبوب ھوا
اپنے مکھڑے سے جھگڑتا تھا کہ کیوں خوب ھوا

بھلا اور تو اور یہ پوچھتا ھوں
کبھی یاد کرتے تھے سو بھی بھلایا

تھرتھراتا ھے اب تلک خورشید
سامنے تیرے آگیا ھوگا

کھولی گرہ جو غنچہ کی تونے تو کیا عجب
یہ دل کھلے جو تجھ سے تو ھو اے صبا عجب
اسلام چھوڑ کفر کیا ، میں نے اختیار
تو بھی وہ بت نہ رام ھوا اے مرے خدا عجب

صاحبو ! طوف دل مستاں کرو تو کچھ ملے
ورنہ کعبہ میں دھرا کیا ھے بغیر از سنگ وخشت

مجھ کو ترے نہیں ھے کچھ خیال خوب و زشت
ایک ھے اس کو ھوائے دوزخ و باغ بہشت
نا صحا گر یار ھے ھم سے خفا تو تجھ کو کیا
چین پیشانی ھی ھے اس کی ھماری سر نوشت

کی فرشتوں کی راہ ابر نے بند
جو گنہ کیجئے ثواب ھے آج

قیامت کا بھی دھڑ کا " سوز " کے دل سے نکل جائے
خداوند ! گذر قاتل کا ھو گور غریباں پر

ھجر میں مرتا ھوں میں پیغام سے تو شاد کر
تو جو کہتا تھا نہ بھولوں گا کبھی وہ یاد کر

یوں دیکھ لے ھے وہ کہ ادا کو نہ ھو خبر
چھینے دل اس طرح کہ دغا کو نہ ھو خبر
عشاق تیرے تیغ تلے اور ستم پناہ
سر اس طرح سے دیں کہ قضا کو نہ ھو خبر

کم نہیں ھوتا غبار خاطر جاناں ھنوز
خاک سے میرے جھکتا ھے کھڑا داماں ھنوز

مرضی جفائے چرخ کی بے داد کی طرف
مائل کیا دل اس ستم ایجاد کی طرف

دیکھیں تو داغ سینہ کس کے ھیں اب زیادہ
اے لالہ داغ دل کے کرلیں شمار ھم تم
تو میرے دل کو دیکھے میں تیرے دل کو دیکھوں
دل چاک چاک کر کر دیکھیں بہار ھم تم

دل ھے یا میں ھوں، میں ھوں یا دل ھے
اور اب ھم کنار کس کا ھوں

قاتل پکارتا ہے ' ہاں کون کشتنی ہے
کیوں " سوز " چپ ہے بیٹھا کچھ بول اٹھ نہ ہاں ہوں

سمجھاؤں اپنے کفر کے کو رمز شیخ کو
بے اختیار کہہ اٹھے اسلام کچھ نہیں

آنکھوں کو اب سنبھالو یہ مارتی ہیں راہیں
جیتے مسافروں کو دیتی نہیں نگاہیں

بے قراری نہ کر خدا سے ڈر
" سوز " ! عاشق کا یہ شعار نہیں

میں وہ درخت خشک ہوں اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نہ دیکھا بہار میں

مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی ان آنکھوں سے روز
یہ برادر ' یہ پدر ' یہ خویش ' یہ فرزند ہیں
تو بھی زعدائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ہیں یار
جانتے اتنا نہیں سب خاک کے پیوند ہیں

ہاں اہل بزم آؤں میں بھی پر ایک سن تو
تنہا نہیں ہوں ہمراہی با نالۂ و فغاں ہوں

کیا کروں دل کو کچھ قرار نہیں
اس میں کچھ میرا اختیار نہیں

اے اهل بزم میں بهي مرقع میں دهر کے
تصویر هوں و لے لب حسرت گزیدہ هوں

بس غم یار ایک دن دو دن
اس سے زیادہ نہ هو جیو مہماں

جلوں کي بري آہ هوتی هے پیارے
تم اس سوز کي اپنے حق میں دعا لو

خدا هی کي قسم ناصح نہ مانوں گا کہا اب تو
نہ چھوتے گا ترے کہنے سے میرا دل لگا اب تو

دل سا رفیق میرا تونے جدا کیا هے
لے عشق جی بهي لے چک! تیرا اگر بهلا هو

کهیو اے باد صبا بچھڑے هوئے یاروں کو
راہ ملتی هي نہیں دشت کے آواروں کو
بال باندے جلهیں کہتے هیں یہی عاشق هیں
کیا چھڑاوے کوئي زلفوں کے گرفتاروں کو

اب یہ دیوانہ کہے ہے کھول دو زنجیر کو
توڑ دو اے عاشقو سر رشتۂ تدبیر کو

او جانے والے اُس سے یہ کہیو کہ واہ واہ
کچھ بھی خبر ہے درپہ پکارے ہے داد خواہ

ہرچند میں لائق تو نہیں ترے کرم کے
لیکن نگہِ لطف سے تک آنکھ اٹھا دیکھ

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ الحمدللہ الحمدللہ
جھوٹے کے منھ میں آگے کہوں کیا استغفراللہ استغفراللہ

راہ عدم کی بھی عجب سہل ہے
جس کو نہ کچھ زاد سفر چاہئے

جس کو نہ ہو شکیب، نہ تاب فغاں رہے
تیری گلی میں وہ نہ رہے تو کہاں رہے

اشک خوں آنکھوں میں آکر جم گئے
دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

سر زانو پہ ہو اُس کے اور جان نکل جائے
مرنا تو مسلم ہے ارمان نکل جائے

مت کیجئے خیال کل ملیں گے
ہے پل میں یہ خواب زندگانی

مثل نے ' ہر استخواں میں درد کي آواز ہے
کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

مکر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے
سبھوں سے پوچھتا ہے اس کو کس نے مار ڈالا ہے

لوگ کہتے ہیں مجھے' یہ شخص عاشق ہے کہیں
عاشقي معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

کہوں کس سے شکایت آشنا کي
سنو صاحب! یہ باتیں ہیں خدا کي

دونوں جہان سے تو مجھے کام کچھ نہیں
ہاں یہ غرض ہے یار کہ تو مہرباں رہے

اثر

سید محمد میر نام، خواجہ عندلیب کے بیٹے، خواجہ "میر" درد کے بھائی تھے، دہلی مولد اور مسکن تھا۔ خواجہ "میر" درد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ علوم و فنون کی تحصیل اساتذۂ دہلی سے کی، ریاضی میں خواجہ احمد دہلوی کے شاگرد ہوکر استاد یگانہ ہوگئے۔ تصوف میں اپنے خاندان کے پیرو تھے موسیقی میں بھی کمال تھا۔ تذکرہ میر "حسن" میں ہے:—

"درویش است موقر، صاحب سخنے است موثر، عالم و فاضل، رتبۂ قدرش بغایت بلند" اثر کی شاعری درد کا آئینہ ہے، وہ جو کچھ کہتے ہیں بے ساختگی سے کہتے ہیں، لیکن لوازم شاعری سے بے خبر نہیں رہتے۔ زبان بھی ایسی میٹھی کہ قند گھولتے ہیں محاورات دل نشین سے دلوں پر اثر پیدا کرتے ہیں غزل میں عشق، تصوف، اخلاقیات، پند و نصائح سب کچھ اس انداز میں کہتے ہیں کہ دل میں اترتا چلا جاتا ہے پند و نصیحت کی تلخی میں طرز ادا کی شیرنی اس طرح ملا دیتے ہیں کہ غذائے روحانی بن جاتی ہے۔ خواجہ "میر" درد کی طرح مختصر الفاظ میں وسیع معانی پھیلاتے ہیں۔ اور معمولی ترکیبوں میں طلسم بندی کا لطف دکھاتے ہیں، غزلوں کا

ایک مختصر دیوان ہے جو ناقدری کے ہاتھوں کم یاب تھا ' لیکن اب مولوی عبدالحق صاحب نے مرتب کر کے مسلم یونیورسٹی پریس سے شائع کیا ہے - خواب و خیال نام کی ایک مثنوی بھی لکھی ہے جس کو ایک زمانہ میں بڑی شہرت حاصل تھی -

خواجہ اثر نے سنہ ۱۲۵۰ھ سے پہلے وفات پائی -

اِنتخاب

بس رفع اب خیال مے و جام ہو گیا

ساقی بہ یک نگاہ، مرا کام ہو گیا

منت رہے گی حشر تلک تیری اے اجل

گو جی گیا، پہ ہم کو تو آرام ہو گیا

میرے تئیں تو کام نہ تھا ان بتوں سے آہ

پر دل کے ساتھ مفت میں بدنام ہو گیا

کبھو منھ بھی مجھے دکھائیے گا

یا یونہیں دل مرا دکھائیے گا

دیکھ لیجو، یہ انتظار مرا ایک دن تجھ کو کھینچ لاوے گا

"اثر" اب تو ملے ہے تو اس سے پھر یہ ملنا مزا دکھاوے گا

بے وفائی پہ تیرے جی ہے فدا قہر ہوتا جو با وفا ہوتا

ہو جائیں گے جور اس کے معلوم داغوں کو مرے شمار کرنا

نالہ کرنا کہ آہ کرنا دل میں "اثر" اس کے راہ کرنا

جي اب کے بچا خدا کر   پھر اوو بتوں کي چاہ کرنا

یہ خاک نشیں ' تیرے سر راہ جو بیٹھا
جوں نقش قدم مرھی مٹا لیک نہ سر کا

عشق تیرے کا ' دل کو داغ لگا
دیکھ تو بھي ' نیا یہ باغ لگا

پہلے سو بار اِدھر اُدھر دیکھا   جب تجھے ڈرکے اک نظر دیکھا

بے طرح کچھ گھلائے جاتا ھے   شمع کي طرح دل کو چور لگا

کتنے بندوں کو جان سے کھویا
کچھ خدا کا بھی تونے ڈر نہ کیا
کون سا دل ھے وہ کہ جس میں آہ
خانہ آباد تونے گھر نہ کیا

نہ رھی گو کہ خاک بھی اپنی
تیرے خاطر میں پر غبار رھا
ساری مجلس میں تیري اے ساقی
ایک اپنے تئیں خمار رھا

حق تری تیغ کا ادا نہ ہوا
اپنی گردن پہ سر یہ بار رہا
تو نہ آیا ولے "اثر" کے تئیں
مرتے مرتے بھی انتظار رہا

تیرے آنے کا احتمال رہا
مرتے مرتے یہ ہی خیال رہا
شمع ساں جلتے بلتے کاٹی عمر
جب تلک سر رہا وبال رہا
دل نہ سنبھلا اگرچہ، میں تو اُسے
اپنے مقدور تک سنبھال رہا

دل تو اُودھر سے اٹھ نہیں سکتا
ہاتھ اب کس طرح اٹھائے گا

اب توقع کسے بھلائی کی   دل نہ ہوتا تو کچھ بھلا ہوتا
بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا   قہر ہوتا جو با وفا ہوتا

کبھو کرتے تھے مہربانی بھی   آہ وہ بھی کوئی زمانہ تھا
تو نہ آیا دیدن کو ورنہ ہمیں   حال اپنا تجھے دکھانا تھا
کیا بتاویں کہ اس چمن کے بیچ   کہیں اپنا بھی آشیانہ تھا

گر کے اٹھا نہ پھر میں قطرۂ اشک
کوئی ایسا بھی کم گرا ہوگا

تیرے ہاتھوں سے میں ہلاک ہوا
مفت ہي مفت جل کے خاک ہوا

دل سے فرصت کبھو جو پائے گا
حال اپنا تجھے سنائے گا

زیست ہو تو تعجبات ہے اب مر ہي جانا بس ایک بات ہے اب

غم ہی دکھلاتي ہے سدا قسمت
واہ اپني بنی ہے کیا قسمت
جس کی خاطر سبھي ہوئے دشمن
نہ ہوا دوست وہ بھي یا قسمت

شمع فانوس میں نہ جب کہ چھپي
کب چھپے ہے یہ منہہ نقاب کے بیچ

شب زندہ دار یوں "اثر" مردہ دل ہو "درد"
مانوں نہ پیر! تیري کرامات کس طرح ؟

جوں گل تو ، ھنسے ھے کھل کھلا کر
شبنم کی طرح مجھے رلاکر
مانوس نہ تھا وہ بت کسو سے
تک رام کیا خدا خدا کر

دل سے گزر کے ، نوبت پہونچی ھے ، گو کہ جاں تک
تا حال حرف شکوہ آیا نہیں زباں تک

بس ھو یارب یہ امتحان کہیں
یا نکل جائے اب یہ جان کہیں
تھامتا ھوں " اثر " میں آھوں کو
جل نہ جاوے یہ آسمان کہیں

مارتی ھے یہ جی کی بے چینی
یارب ! آرام ، دل کو ھو وے کہیں

اب ملاقات میری تیری کہاں
تو تو آوے بھی یاں ، پہ میں تو نہیں

عاشقی اور عشق کی باتیں
سب جہاں سے "اثر" کے ساتھ گئیں

جوں عکس مرا کہاں ٹھکانا   تیرے جلوے سے جلوہ گر ہوں

ہم اسیروں کی اُسے چاہئے خاطر داری
اور اُلٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

نالے بلبل نے گو ہزار کئے   ایک بھی گل نے پر سناھي نہیں

واہ رے عقل، تجھ سے دشمن سے   دوستي کا گمان رکھتا ہوں

تجھ سوا کوئي جلوہ گر ھي نہیں
پر ھمیں آہ کچھ خبر ھی نہیں
حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے
بات میري جو معتبر ھي نہیں
تیری اُمید چھٹ نہیں امید
تیرے در کے سوائے در ھي نہیں

بے وفا تیري کچھ نہیں تقصیر
مجھ کو میري وفا ھی راس نہیں
تو ھی بہتر ھے آئینہ ہم سے
ہم تو اتنے بھی روشناس نہیں
یوں خدا کي خدائي برحق ھے
پر '' اثر '' کي ھمیں تو آس نہیں

آہ و فغاں یہی ہے کہ سنتا نہیں کوئی
فریاد ہے یہی ' کوئی فریاد رس نہیں

تجھ سے نہ تھا جو کچھ کہ گماں ' سو یقیں ہوا
جو تجھ سے تھا یقیں سو اب اس کا گماں نہیں

سر تو چلے ' کہاں تئیں اب در گزر کریں
یا ہم نہیں اس آستاں یا آسماں نہیں

وابستہ سب یہ اپنے ہی دم سے ہے لذات
گو ہو جہاں پہ اب نہیں تو تو جہاں نہیں

یہ دولت مند ہیں پابند انواع گرفتاری
چھٹیں ہرگز نہ قیدوں سے کہ لاکھوں دام رکھتے ہیں

کوئی کھاتا تھا دغا جھوٹی مدارات سے میں
آ پھنسا دام میں کیا جانیے کس بات سے میر

آسودہ جا بجا ترے یاں خاکسار ہیں
نقش قدم نہیں ہیں یہ لوح مزار ہیں

کیا کیجیے اختیار نہیں دل کی چاہ میں
ہیں سب وگرنہ تیری یہ باتیں نگاہ میں

یا خدا پاس ، یا بتاں کے پاس   دل کبھی اپنا، یاں رہا ہی نہیں

پوچھ مت حال دل مرا مجھ سے   مضطرب ہوں مجھے حواس نہیں

ایک تیرے ہی بات کے لئے ہم
باتیں سو سو سبھوں کی سہتے ہیں

جان سے ہم تو ہاتھ دھو بیٹھے   اس دل بے قرار کے ہاتھوں
رو برو دیکھنا محال ہوا   دیدۂ اشک بار کے ہاتھوں

کیا کہوں اپنی میں پریشانی
دل کہیں، میں کہیں ہوں، دھیان کہیں

بے وفا تجھ سے کچھ گلا ہی نہیں
تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں
یاں تغافل میں اپنا کام ہوا
تیرے نزدیک یہ جفا ہی نہیں

بے وفا کچھ تری نہیں تقصیر   مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

بے گناہ ہوں سے دل کو صاف کرو   نہیں تقصیر، پر معاف کرو

نہ لگا ، لے گئے جہاں دل کو　　آہ لے جائیے ، کہاں دل کو
یوں تو کیا بات ہے تری لیکن　　وہ نہ نکلا جو تھا گماں دل کو
آزمانا کہیں نہ سختی سے　　دیکھیو! میرے ناتواں دل کو

جو سزا دیجیے ، ہے بجا مجھ کو　　تجھ سے کرنی نہ تھی وفا مجھ کو

— —

مانا "اثر" کہ وعدۂ فردا غلط نہیں
لیکن کٹتی نہ آج یہ شب اِنتظار کی
تک آکے سیر کر جگرِ داغدار کی
ہوتی ہے یہ بہار نہیں لالہ زار کی

———

دل اپنا پڑا اس بت بے مہر کے پالے
دشمن کو بھی جس سے کہ خدا کام نہ ڈالے

———

راہ تکتے ہی تکتے ہم تو چلے　　آئیے بھی کہیں جو آنا ہے

———

ایک دم لگی ہے کیا کیا کچھ　　سامان ہے تو جہان اپنا ہے
غیر کا تو کہاں سے دوست ہو　　دشمن اپنا گمان اپنا ہے

کیجئے نا مہربانی ہی آکر　　مہربانی اگر نہیں آتی
دن کٹا جس طرح کٹا لیکن　　رات کٹتی نظر نہیں آتی

———

لوگ کہتے هیں یار اتا هے   دل! تجھے اعتبار آتـا هے ؟
دوست هوتا جو وہ تو کیا هوتا   دشمني پر تو پیار آتا هے

بیگانہ تو کس حساب میں هے   رکھے نہ تـوقع آشنـا سے

نسبت مجھے آہ تجھ سے کیا هے   بندہ ' بنـدہ خـدا ' خـدا هے
اس بحر میں جوں حباب سب کے   سر میں بھري اور هی هوا هے

هميں حیرت هے اَبهی' تجھ کو دیویں کیا جواب اس کا
کہ تجھ بن اب تلک کس طرح هم نے زندگاني کي

یارب قبول هو وے اتني دعا تو بارے
دونوں جہان هارے عاشق' پہ جی نہ هارے
هے ایک بار مرنا برحق کسي طرح هو
جو آپ جي کو مارے پھر کون اس کو مارے
هم راست گو مسلماں حق هی بتاں کہیں گے
تم بندے هو خدا کے' هم بندے هیں تمہارے

دل جو یوں بے قرار اپنا هے   اس مین کیا اختیار اپنا هے
جو کسو کا کبھی نہ یار هوا   وهی قسمت سے یار اپنا هے
روز و شب آہ و نالہ و زاری   اب یہی کارو بار اپنا هے

سخت جانی "اثر" کی دیکھئے آہ
اس ستم پر جئے ہی جاتا ہے

آتش عشق، قہر آفت ہے ایک بجلی سی آن پڑتی ہے
میرے احوال پر نہ ہمنفس اتنا یوں بھی اے مہربان پڑتی ہے

غرض آئینہ داری دل سے تیرا جلوہ تجھے دکھانا ہے
تیرے درپر بسان نقش قدم نقش اپنا ہمیں بٹھانا ہے
ہر طرف توڑ جوڑ کرتے ہو دلبری ایک کارخانہ ہے

دیکھتا ہی نہیں وہ مست ناز اور دکھلاؤں حال زار کسے

"اثر" اب تک فریب کھاتا ہے تیرے وعدوں کو مان جاتا ہے
میں بھی ناصح اسے سمجھتا ہوں گو برا ہے پہ مجھ کو بھاتا ہے

کام کیا تجھ کو آزمانے سے قتل کرنا ہے ہر بہانے سے

نہ ملوں جب تلک کہ تو نہ ملے
اب یہی قصد دل میں ٹھانا ہے
وعدے کو انتظار میں رکھنا
نت نئی طرح کا ستانا ہے

کہیں ظاہر یہ تیری چاہ نہ کی
مرنے مرتے بھی ہم نے آہ نہ کی

ہم غلط احتمال رکھتے تھے — تجھ سے کیا کیا خیال رکھتے تھے
نہ رہا انتظار بھی اے یاس — ہم امید وصال رکھتے تھے

بھولنا یوں بھلا یہ یاد رہے — غم رہا ہم کو تم تو شاد رہے
دل دہی سب کیٔ میری دل شکنی — بارے اتنا تو اعتماد رہے

اسکو سکھلائی یہ جفا تونے — کیا کیا اے مری وفا تونے

صرف غم ہم نے تو جوانی کی — واہ کیا خوب زندگانی کی
نہیں طاقت کہ دم نکال سکوں — اب یہ نوبت ہے ناتوانی کی

دل ربائی و دل بری تجھ کو — گو کہ آتی ہے پر نہیں آتی
کیا کہیں آہ میں کسو سے حضور — نیند کس بات پر نہیں آتی
نہیں معلوم دل پہ کیا گزری — ان دنوں کچھ خبر نہیں آتی

ایک تیرا خیال بیٹھ گیا
دل سے خطرے تو سب اُٹھائے تھے

بہ گیا سب میں آپ ہو کے گداز
شمع ساں اشک کیا بہائے تھے

حرف نکلا نہ اس دہن سے کبھو
کام نکلے ہے چشم و ابرو سے

تیرے کوچے میں آ کے جو بیٹھے
جان سے اپنی ہاتھ دھو بیٹھے
حال اپنا کسو سے کیا کہئے
ایک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے

نگہ گرم سے پگھلتا ہے   دیکھ یہ ائنہ نہیں دل ہے

نفع یار تو گماں اپنا ہے   سود بے شک زیاں اپنا ہے
شورش اشک و آہ کی دولت   سب زمیں آسماں اپنا ہے
تیرے کوچہ میں مثل نقش پا   ہر قدم پر مکاں اپنا ہے

جرأت

نام قلندر بخش، اصلی وطن دهلی، باپ کا نام حافظ امان تھا
ان کے آبا و اجداد بادشاهوں کے "دربان" تھے، "جرأت" نے
فیض‌آباد میں نشو و نما پایا - جوانی سے پہلے آنکھوں سے معذور هو گئے
تھے، موسیقي اور ستار نوازي کے ساتھ شعر گوئي کا بھي شوق پیدا هوا،
جعفر علي "حسرت" سے اصلاح لینے لگے - کثرت مشق اور پر گوئی
نے ان کے کلام میں غیر معمولی روانی اور دل نشیں سلاست پیدا کردی -
شیخ جرأت نے لطیفه گوئي اور بذله سنجی میں بھی خوب شہرت حاصل
کی اول نواب محبت خاں کي سرکار میں پھر مرزا سلیمان شکوہ کے دربار
میں ملازم رهے - جرأت نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی هے
مگر ان کي طبیعت کا اصلی رحجان غزل گوئی کي طرف تھا اس لئے
اسی صنف میں کمال حاصل کیا - پرگوئي کا یه حال تھا که ایک ایک
زمین میں تین تین چار چار غزلیں کہتے چلے جاتے هیں اس پرگوئي
کا نتیجه هے که ان کے کلام میں کہیں کہیں بے مزہ تکرار پیدا هوگئي هے -
زبان کی صفائي اور روانی اور محاورہ بندی کي طرف بہت توجه
رکھتے هیں معامله بندي ان کا خاص شیوہ هے اور اس خصوص میں
ان کا پایه اس دور کے شعرا میں سب سے بلند هے -

جرأت کے تلامذہ کي تعداد خاصی تھي اور اکثر ان کے نقش قدم پر
چلتے تھے - انھوں نے لکھنؤ میں سنه ۱۲۲۵ھ میں وفات پائي -
"انشاء" نے تاریخ کہي (هائے هندوستان کا شاعر موا)

انتخاب

آئے جو مرقد پہ میرے، سو مکدر ہو گئے
خاک ہو کر بھی غبار خاطر یاراں ہوا

محمد ہے نبی، ممدوح ذات کبریائی کا
کہے بندہ گر اس کی مدح، دعویٰ ہے خدائی کا

ہر رنگ میں گر ہم کو وہ جلوہ نہ دکھاتا
تو گلشن دنیا کا کوئی رنگ نہ بھاتا

رتبہ گل بازی کا دلا! کاش تو پاتا
ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا
تنہائی پہ اپنے ہوں نہایت ششدر و حیراں
آنے کا جو ہے نام تو رونا نہیں آتا
جلد اپنی گلی سے نہ نکالو مجھے اے جاں
جاتا تو ہوں میں یاں سے، پہ جایا نہیں جاتا

کیفیت محفل خوباں کی نہ اس بن پوچھو
اس کو دیکھوں نہ، تو پھر دے مجھے دکھلائی کیا؟

دل کي بے تابی نے مارا هي تها ، مجهه کو صاحب
هاتهه سینے پہ جو اس دم نہ تمهارا هوتا
شکر تم آگئے گهر اس کے ، نہیں " جرأت " نے
سر اتها کر ابهي دیوار سے مارا هوتا

ے طرف دیکهتا هوں میں اس بن یہ نہیں جانتا کدهر دیکها
کي طرح جان " جرات " کو تو هي آیا نظر جدهر دیکها

سب سے پہلے عشق کي دریا میں چلتی هے هوا
وائے قسمت اپني هے کشتی کا لنگر کهل گیا
اشک سرخ آتی هیں شاید دل کا پهوتا آبلہ
بارے یہ عقدہ ترا اے دیدۂ تر کهل گیا

گر بیتهتے هیں محفل خوباں میں هم اس بن
سر زانو سے اتهتا نہیں دو دو پہر اپنا
یا آنکهوں سے اک آن نہ هوتا تها وہ اوجهل
یا جلوہ دکهاتا نہیں اب یک نظر اپنا
رونے سے تیرے کیا کہیں اے دیدۂ خوں بار
یہ خاک میں ملتا هے دل اپنا جگر اپنا

وہ گئے دن کہ سدا میکدہ هستي میں
بادۂ عیش سے لبریز تها ساغر اپنا

ہم نشیں! اس کو جو لاتا ہے تو لا جلد کہ ہم
تھامے بیٹھے رہیں کب تک دل مضطر اپنا
غم زدہ اٹھ گئے دنیا ہی سے ہم آخر آہ
زانوے غم سے و لیکن نہ اٹھا سر اپنا

بہت ایذا اٹھائی، اے اجل بس آشکارا ہو!
کہ صدمہ اب تو اس درد نہاں کا اٹھ نہیں سکتا
رکھا تھا بار عشق اک دن جو اس نے پشت پر اپنی
سو اب تک سر زمیں سے آسماں کا اٹھ نہیں سکتا
چلا جو اٹھ کے وہ تو کب یہ "جرأت" ہے کہ میں روکوں
ادب سے ہاتھ بھی مجھ بے زباں کا اٹھ نہیں سکتا

سارے عالم ہی سے بیزار وہ کچھ بیٹھا ہے
آج "جرأت" کو خدا جانے یہ کیا دھیان بندھا!

بہ از گل جانتا ہوں چاک میں اپنے گریباں کا
مجھے گلزار سے کیا؟ ہوں میں دیوانہ بیاباں کا
سیاہی نزع کے دم کی سی چھا جاتی ہے آنکھوں میں
نظر آتا ہے اب جوں جوں اندھیرا شام ہجراں کا

ہوئي یہ محو ہم تیري کہ گذرے دین و دنیا سے
نہ اندیشہ ہے کچھ یاں کا ہمیں نہ فکر ہے واں کا
تڑپ کر بستر اندوہ پر ہم مرگئے آخر
کسي پر غم ہوا ظاہر نہ اپنے درد پنہاں کا
دل مجروح سینہ میں کرے ہے سخت بے تابي
اب اس گل کا ٹوٹتا آہ پھر شاید کوئي ٹانکا

جنوں سے دیکھو رتبہ میرے حال پریشاں کا
قدم بوسے کو آیا چاک تا دامن گریباں کا
نہ آیا اس فلک کو اور کچھ آیا تو یہ آیا
گھٹانا وصل کي شب کا بڑھانا روز ہجراں کا

گر یہي ہردم کا غم کھانا ہے تو اے ہم دمو
دیکھ لیجو اک نہ اک دن غم مجھے کھا جائے گا
مت بلاؤ بزم میں "جرأت" کو ہے آتش زباں
کہہ کے کچھ آتش دلوں کي سب کے بھڑ کا جائے گا

وعدہ پہ اس کے توڑے ہے یاں کوئي اپني جاں
اچھا قرار کر کے وہ پیماں شکن گیا
اب ہم ہیں اور شام غریبي کي دید ہے
مدت سے وہ نظارۂ صبح وطن گیا

بس ناصحا یہ تیر ملامت کہاں تلک
باتوں سے تیری آہ کلیجا تو چھن گیا
کس کس طرح سے کی خفگی دل نے مجھ سے آہ
روٹھا کسی کا یار کسی سے جو من گیا

ہمدمو! میری سفارش کو تو جاتے ہو ولے
کہیں واں جاکے نہ کچھ اور خلل کر آنا

سچ تو یہ ہے بے جگہ ربط ان دنوں پیدا کیا
سوچ ہے ہر دم یہی ہم کو کہ ہم نے کیا کیا
دم بدم حسرت سے دیکھوں کیوں نہ سوے چرخ میں
اس نے اوروں کا کیا اس کو ہمیں جس کا کیا
وہ گیا اٹھ کر جدھر کو میں ادھر حیران سا
اس کے جانے پر بھی کتنی دیر تک دیکھا کیا

دل ملے پر بھی ملاپ ایسی جگہ ہوتی رہی
ہم ادھر تڑپا کئے اور وہ ادھر تڑپا کیا

حیراں ہوں میں غریب کہ پوچھوں یہ کس سے بات
وحشت کدھر ہے منزل مقصد کی [illegible]

تشبیہ کس مزے سے میں لذت کو اس کے دوں
کچھ دل ھی جانتا ھے مزا دل کی چاہ کا
یہ بخت سوگئے کہ ترستے ھیں اس کو بھی
وہ دیکھنا جو خواب میں تھا گاہ گاہ کا
تیرے مریض غم کی زباں پر نہیں کچھ اور
اک تار بندہ گیا ھے فقط آہ آہ کا

کل جو رونے پر مرے تک دھیان اس کا پڑ گیا
ھنس کے یوں کہنے لگا کچھ آنکھ میں کیا پڑ گیا

جو دم لب پہ گھبرا کے آنے لگا
تو شاید مرا دل ٹھکانے لگا
میں رو کر جو کہنے لگا درد دل
وہ منہ پھیر کر مسکرانے لگا
یہ کون آکے بیٹھا کہ محفل سے وہ
اشاروں سے مجھ کو اٹھانے لگا

ھم اسیران قفس کیا کہیں خاموش ھیں کیوں
راہ لے اپنی چل اے بادصبا تجھ کو کیا
ھاتھ اٹھانے کا نہیں عشق سے میں اے ناصح
تو نصیحت سے مرے ھاتھ اٹھا تجھ کو کیا

کچھ الم، کچھ درد ہے، کچھ سہو ہے، کچھ محو ہے

بھول جاتا ہے، ترا بیمار اٹھنا بیٹھنا

ہے قیامت نشہ مے سے ترا نام خدا

لو کھڑا گر، اے بت مے خوار ! اٹھنا بیٹھنا

کیوں ہو حیران سے، کیا آئنہ دیکھا پیارے

کچھ تو بولو کہ یہ کس نے تمہیں خاموش کیا

جام مے کی نہیں اب ہم کو طلب اے ساقی

بس تری آنکھ دکھانے ہی نے مدہوش کیا

خدا جانے کدھر جاتے ہیں ہم؟ ہوکر زخود رفتہ

یہ کہنا جب کسی کا یاد آتا ہے "ادھر آنا"

ہوا نظروں سے وہ غائب تو ہم آنکھوں کو رو بیٹھے

کسی شکل اب نظر آتا نہیں اس کا نظر آنا

مری یہ چشم پر خوں، بات کہنے میں بھر آتی ہے

مجھے مشکل نظر آتا ہے زخم دل کا بھر آنا

جواب خط کی جا اب دل میں وہ رہ کر یہ آتا ہے

کہ شاید اس کے دل میں جا کے بیٹھا نامہ بر آنا

بڑے جان تھی مستی بقول ندرات آہ

بڑے جاں کنی میں عذاب سے چھوٹے

درد الفت نے یہ کچھ صورت بنادی ہے کہ آہ

جو ملا غم خوار ہم کو سو تماشائی ملا

عالمؔ بتاں ا کرے ہے جو وسعت دو عالم
اس سے وسیع اپنے ہے دل کا ایک کونا

بہ‌صد آرزو جو وہ آیا تو یہ حجاب عشق سے حال تھا
کہ ہزاروں دل میں تھیں حسرتیں اور اُٹھانا آنکھ محال تھا
جو چمن سے درِ قفس ہوا، تو میں اور اسیر ہوس ہوا
یہ جو ظلم اب کی برس ہوا، یہی قہر اگلے بھی سال تھا

نواسنجی سے دل لبریز ہے مجھ محو حیرت کا
بہ‌رنگ بلبل تصویر پر بولا نہیں جاتا
رہی ہے بے قراری دل کو وصل و ہجر میں یکساں
خدا جانے یہ کیا سمجھا ہے کچھ سمجھا نہیں جاتا

نکلے ہے بے خودی ہی کا کلمہ زباں سے
زاہد بھی بزم بادہ کشاں میں بہک گیا

اس بن کسی سے ملنے کو جی چاہتا نہیں
گویا کہ جگ سے ہم گئے اور ہم سے جگ گیا

پر از گوہر سرشک چشم سے داماں تر پایا
تری دولت سے بس اے عشق ہم نے خوب بھر پایا

ترے بیمار کو دیکھا تو کچھ جنبش نہ تھی تن میں
کسی کو پر وہ آنکھوں کے اشارے سے بلاتا تھا

الٰہی پڑ گئی آفت یہ کیا تاثیر الفت پر
وہی یہ جذبۂ دل ہے جو اس کو کھینچ لاتا تھا
خدائی ہے کہ وہ تب اب منائے سے نہیں منتا
وگرنہ روٹھتے تھے اس سے ہم اور وہ مناتا تھا

پردہ مت منہ سے اٹھانا زنہار مجھ میں اوسان نہیں رہنے کا

کچھ بہت تم ہنستے ہو مرنے پہ مجھ بیکس کے آہ
یہ تو تھی رونے کی جا پیارے تماشا کچھ نہ تھا

درد دل سے جو دم لگا رکنے سانس لینا مجھے محال ہوا

صیاد نہ کر منع کہ گلشن کی ہوس میں
تڑپیں نہ تو پھر یہ مرغ گرفتار کریں کیا

آتا ہے نہ تو یاں، نہ ترے بن ہے ہمیں چین
جینا ہی ہوا ہے ہمیں دشوار کریں کیا

نہیں چھوڑتے تجھ کو جوں سایہ ہم
ترے ساتھ ہیں ، تو جدھر جاے گا

سینہ میں آج نالۂ دل کی صدا نہیں
ہے ہے قفس سے مرغ خوش آہنگ اُڑ گیا

جہاں کچھ درد کا مذکور ہوگا   ہمارا شعر بھی مشہور ہوگا

ہستی ہے جوں حباب ، پہ ہم غافلوں کو آہ
کتنا کچھ اعتبار ہے بے اعتبار کا
لگتی نہیں پلک سے پلک وصل میں بھی آہ
آنکھوں کو پڑ گیا ہے مزا انتظار کا

ہم ہیں وہ جنس کہ کہتے ہیں جسے ہم "جرأت"
ہے محبت کے سوا کون خریدار اپنا

تماشے کو نکل آتا ہے وہ رشک پری گھر سے
مزا دکھلا رہا ہے ان دنوں دیوانہ پن اپنا

ڈھونڈھ کر تجھ سے پری‌زاد کو دل میں نے دیا
ہوں اب اس بات سے میں آپ ہی مفتوں اپنا

کیسا پیام؟ آکے یہ تو نے صبا دیا
مثل چراغ صبح جو دل کو بجھا دیا

آتے هی یار کے جو میں سوتے سے چونک اٹھا
یہ کون جاگتا تھا کہ جس نے جگا دیا

کیا اپنے دل کو رووں میں "جرات" کہ عشق نے
مانند شمع آہ مجھے سب جلا دیا

اے جنوں! هاتھوں سے تیرے آتے هی فصل بہار
مثل گل، یہ جیب و دامن ناگہاں ٹکڑے هوا

"جرات" کو قتل کر کے پشیماں کیوں ہے تو
ظالم وہ اپنے جی سے گیا تجھ کو کیا هوا

پوچھتے کیا هو همارا بود و باش اے دوستو
جس جگہہ جی لگ گیا اپنا وهي مسکن هوا

یا وهیں کا هو رهےگا، یا عدم کو جائے گا
پھر نهیں پھرنے کا اس کوچے میں اب جو جائے گا

کیسے ویرانے میں پھینکا مجھ کو تونے اے فلک
کون یاں جز ابر میری خاک پر رو جائے گا

آوارہ گرچہ اور بھي عالم میں ھیں بہت
لیکن نہیں کوئي دل خانہ خراب سا
بحر جہاں کے دید سے غافل نہ رھیو تو
نادان! یہ تجھ میں دم ھے کوئي دم حباب سا

قدر پھر اپنی ھو کیا ، اس کے خریداروں میں
روز و شب جس کے گلی میں رھے بازار لگا
کھینچئے کیوں کر نہ اُسے بادشہ کشور حسن
کہ جہاں جا کے وہ بیٹھا وھیں دربار لگا

میں ھوں خورشید سر کوہ یقیں ھے وہ ماہ
آئے گا بام پہ تب، جب کہ میں ڈھل جاؤں گا

اے خیال شمع رویاں تو سدا روشن رھے
خانۂ دل کو مرے تونے تو روشن کر دیا

وہ اُٹھاتا ھے گلی سے اور میں اُٹھ سکتا نہیں
اب تو جی ھونے لگا اس ناتواني سے نڈھال

کچھ نصیحت نے نہ کي تاثیر گو اک عمر تک
مجھ کو ناصح اور میں اس دل کو سمجھاتا رھا

جس کو تو ڈھونڈے ہے وہ ہم نشیں جاتا رہا
جان تو مجھ پاس ہے، پر دل کہیں جاتا رہا

خوبان جہاں کی ہے ترے حسن کی خوبی
تو خوب نہ ہوتا تو کوئی خوب نہ ہوتا

سوچ رہ رہ کر یہی آتا ہے اے "جرأت" مجھے
خلق کرنے سے مرے خالق کو حاصل کیا ہوا

یک بار ترے ہجر میں برباد ہو گیا
جتنا کہ تہ دل میں مرے صبر و تاب تھا

بزم میں کل نگہ مست سے اس کی یارو
کوئی ایسا نظر آیا نہ کہ مدہوش نہ تھا
آج اس کوچے میں کیا جا کے تو سن آیا ہے
"جرأت" ایسا تو کبھی آ کے تو خاموش نہ تھا

تیرے محبوس نے شاید کہیں رہائی پائی
شب کو اک شور عجب طرح کا زنداں میں رہا

آہ جب کوچۂ جاناں ہی میں جانا نہ رہا
تو کہاں جائیں کہ جانے کا ٹھکانا نہ رہا

تھی یہ خواہش کہ کرے ہم پہ ترحم کی نظر
سو وہ اب قہر سے بھی آنکھ دکھاتا نہ رہا

"جرأت" اب کیوں کہ بچے جان کہ آہ
زہر غم دل میں اثر کر ہی گیا

دل تجھ سے جو بے درد سے میں یار لگایا
اک جان کو سو طرح کا آزار لگایا
چل سیر کو تک تو بھی کہ سودائی نے تیرے
بازار نیا اک سر بازار لگایا

یاں جی ہی ٹھہرتا نہیں مجھ خستہ جگر کا
واں تم جو ارادہ کئے بیٹھے ہو سفر کا

شمع ساں کس نے مجھے پھولتے پھلتے دیکھا
ہوں میں وہ نخل کہ دیکھا بھی تو جلتے دیکھا

اُس کا بیمار نہ نکلا کبھو باہر "جرأت"
گھر سے تابوت ہی آخر میں نکلتے دیکھا

یہ خاک بہ سر تو اے پیارے   کوچہ ہی میں تیرے گھر کرے گا
یا ہم ہی نہیں ہیں، یا نہیں غیر   اودھر کو جو تو نظر کرے گا

آج کی رات کٹے دیکھئے کس مشکل سے
دوستی وعدۂ دیدار سحر پر رکھا
ہاتھ "جرأت" کے جو سنگ رہ دلدار لگا
کبھی چھاتی سے لگایا کبھی سر پر رکھا

دل لے کے پھر دوبارا وہ اس طرف نہ آیا
کیوں آشنا ہوا تھا میں ایسے بے وفا کا

کاش یوسف کی میں اس کو نہ دکھاتا تصویر
اب ہوا اور بھی دعوی اسے یکتائی کا

مرگیے درد اٹھا کر جو وہ تنہائی کا
کوئی تھاما نہیں لاشا ترے شیدائی کا
ایسا کیونکہ نہ رکھیں نہ دیا دل اس کو
جس کے در پر نہیں مقدور جبیں سائی کا
کوئی جاتا ہے یہ تک دیجیو اے ہمدم ہاتھ
کہ تیرت نہیں یاں پاؤں شکیبائی کا

دے گیا چلتے وقت دل پر داغ میں تو بندہ ہوں اس نشانی کا

کبھو صبا جو ہووے گذر کوئے یار میں
دل سب طرف سے' آپ کے جانے سے اُٹھ گیا
ہمدم نہ مجھ کو قصہ عیش و طرب سنا
مدت سے دل کچھ ایسے فسانے سے اٹھ گیا

میں باغ جہاں شجر سوختہ ہوں گا
کیسی ہی بہار آئے نہ پھولوں نہ پھلوں گا
اوسان نہیں رہتے جو دیکھ اُس کو کہوں کچھ
یوں کہنے کو کہتا ہوں کہ کیا کیا نہ کہوں گا

آن پہونچا نہ وہ اور جان لبوں پر پہونچی
دیکھ اب دیر نہ اے عشق کی تاثیر لگا
نگاہ قہر سے وہ دیکھ' روتے ہم کو دیکھے ہے
اثر اتنا تو دیکھا ہم نے اپنے اشک باری کا

گر آزمانی ہے مری الفت تو جلد یاں دم نزع
تم آن پہونچو کہ ہے وقت امتحاں پہونچا

دم کا ہے کیا بھروسا کب تک رکا کرے گا
اے دل ترا تڑپنا کیا جانیں کیا کرے گا

اب اٹھ کے بیٹھنا بھی دشوار ہو گیا ہے
کب تک یہ درد پیارے دل میں اٹھا کرے گا

تجھے کیا دیکھوں اے خورشید عالم
کہ عالم یاں تو جوں شبنم ہے میرا
اُلجھ پڑنے کو جی ہر ایک سے ہے
مزاج اس بن یہ کچھ برہم ہے میرا
ہوا بڑھنے سے درد دل کے ظاہر
کہ جینا کچھ بہت اب کم ہے میرا

ہمدم نہ پوچھو حال سنایا نہ جائے گا
یہ ضعف ہے کہ لب بھی ہلایا نہ جائے گا
تو ہی اب اِس مریض محبت کی لے خبر
"جرأت" سے تیرے در تک اب آیا نہ جائے گا

لو مبارک ہو کہیں آنکھیں تمہاری بھی لگیں
تم بھی اب پڑنے لگے دو دو پہر اچھا ہوا

خیال اپنا ہمیں جس نے لگایا
نہ آیا خواب میں بھی وہ نہ آیا

٥٠٠

ہوئی قسمت میں اخر تلخئی مرگ
مزا یہ زیست نے اچھا چکھایا

دیکھنا دشوار ہے اب اس بت دل خواہ کا
ہم کو یہ در پردہ گویا عشق ہے اللہ کا

ایک عالم جس پہ غش ہے وہ خدا جانے ہے کیا
ہم نے تو عالم نہ دیکھا یہ کسی انسان کا

سارے عالم سے دلا تو کس لئے بیزار ہے
ان دنوں میں پھر کوئی تجھ سے خفا کیا ہو گیا

کسی نسخہ میں پڑھے تھا وہ مقام دل نوازی
مجھے آتے جوں ہی دیکھا ورق کتاب الٹا

دے سکیں جس کا نہ ہم تم کو جواب — منھ سے وہ بات نہ فرمائے گا
ہو در یار پہ سجدہ جو نصیب — سر کو پھر واں سے نہ سرکائے گا
ناصحو آپ میں "جرأت" نہ رہا — اب سمجھ کر اسے سمجھائے گا

اڑادی خاک مری تونے ہائے صرصر آہ
فنا ہوے پہ بھی میرا نہ واں غبار رہا

نہ دیکھا مڑ کے بھی یاران رفتگاں نے مجھے
میں ناتواں انہیں کس کس طرح پکار رہا
لگاؤں چھاتی سے "جرأت" نہ کیوں کہ اس کو یہ
وہ ہاتھ ہے کہ کس کس کے گلے کا ہار رہا

کر بند نہ اشک چشم تر کو بہتر ناسور کا ہے بہنا
اللہ رے سادگی کا عالم درکار نہیں کچھ ان کو گہنا

مجھے اس شمع رو کے غم میں جیتا دیکھ کر یارو
تصدق آن کر ہوتا ہے لاکھوں بار پروانا
قیامت کے بھی دن سے ہجر کا دن سخت ہوتا ہے
خداوندا! یہ مجھ کو دن نہ دکھلانا نہ دکھلانا

دل کی خبر نہ پوچھو کچھ، آج کل عزیزو
کیا جانیں دل کہاں ہے دو چار دن سے اپنا

جوش وحشت سے عجب صبح تھی یہ ایام بہار
یعنی کس وقت گریباں مرے دامن میں نہ تھا

حباب وار ہے آنکھوں میں جان مرغ اسیر
چمن تک اب تو قفس اس کا باغباں پہونچا

آغاز محبت میں نہ دی پند کہ ناصح
تہیں اس کو لگاتے نہیں جو زخم ہو آلا
"جرأت" سے بھی عاشق نہیں ہوتے کہ شب و روز
ہے محو بتاں سلمہم اللہ تعالی

دل کے لگ جانے سے جی تن سے ہمارے نکلا
دل لگانے کا تھا ارمان سو بارے نکلا

عاشق کے بعد مرگ یہ بے درد نے کہا
یہ جان سے گیا تو گیا اپنا کہا گیا

یا رائے گفتگو نہ رہا ضعف سے تو آہ
کس کس کا منھہ تکے ہے ترا ناتواں پڑا

اپنی بے خوبی کی باتیں جمع ہوتے ہوتے آہ
نیند اُڑا دینے کا اک اچھا فسانہ بن گیا

دل دم کا ہے مہماں برخدا اے بت بے رحم
کر رحم کہ یہ قابل آفات نہیں اب
اللہ ہی پہ روشن ہے دلوں کی تو حقیقت
ظاہر میں تو کچھ حرف و حکایات نہیں اب

نہیں اٹھنے کی "جرأت" ہم کو اُمید
یہاں بیٹھے ہیں جوں نقش نگیں اب

درد عشق آیا جو دل میں صبر رخصت ہو چلا
گھر کو چھوڑا صاحب خانہ نے مہماں کے سبب

سر کو ٹکرا کے بھی کہتے ہیں ہم ہائے نصیب
ربط دو شخصوں میں سنتے ہیں جو اے "جرأت" ہائے

رات اس کے گھر میں ہنستے بولتے تھے سب بہم
اک ہمیں بیٹھے تھے در پر صورت دیوار چپ

چلی آتی ہے ناداں صبح پیری
جوانی کی گنوا مت بے خبر رات
گذرتی ہے بعد ایام جدائی
تڑپتے شام سے لے تا سحر رات

پلک ذرا نہ جھپکتی تھی دل دھڑکتا تھا
کسی کے وعدہ پہ حالت تھی یہ ہماری رات

اُدھر دست جنوں کو ربط ہے تجھ بن گریباں سے
اِدھر ہے آستیں کی دیدۂ خوں بار سے صحبت

گرداب بحر غم میں یکایک ہماری آہ
کشتی جب آ پڑی تو گیا بادبان ٹوٹ

دل تو لبریز شکایت تھا، ابھی اُس کو دیکھ
بند میرا لب گفتار ہوا کس باعث
مرض عشق مجھے آپ وہ دیوے کے "جرات"
پوچھتا ہے کہ تو بیمار ہوا کس باعث

کام دل واں کسی صورت سے نہیں بر آتا
بےقراری ہمیں لے جائے ہے دن رات عبث

ہم کو کل تک نہیں جینے کی اُمید
جی پہ ایسا تعب عشق ہے آج

کوئی دم میں اس کے جانے کی یاں سے خبر ہے آج
چل آ شتاب بے خبری تو کدھر ہے آج
کل رات وصل یار سے عشرت کدہ تھا ہائے
مانند قید خانہ وہی اپنا گھر ہے آج
پیغام یار آیا تو ہے پر سنیں سو کیا
بےخود کچھ اپنی طرح سے پیغام بر ہے آج
کل تم نہ تھے تو رات تھی پیارے بلا طویل
اب ہو تو تم دیکھ کے دم میں سحر ہے آج

"جرأت"! میں پوچھتا ہوں کہ یہ اضطراب دل
جائے نہ وصل میں بھی تو پھر اس کا کیا علاج

دل کی طپش کا، کاہش جاں کا، نہیں علاج
کیا کیجیے تیرے غمزدگاں کا نہیں علاج

کوچۂ یار میں پہونچے ہیں تو بس رہنے دے
جیتے جی یاں سے کہیں گردش ایام نہ بھیج

تھی مری شکل کل اس بن، یہ گلستاں کے بیچ
جیسے بیٹھے خفقانی کوئی زنداں کے بیچ

کہتا ہے مجھ کو منھ سے جو ہر ایک آن تلخ
اے لب شکر نہ ہو کہیں تیرا دہان تلخ

حیراں نہ ہو سر دیکھ مرا اپنی زمیں پر
دیکھو تو لکھا کیا ہے مری لوح جبیں پر
یہ دل کی طپش سے ہے قلق جان حزیں پر
گویا کہ کوئی دیے دیے پٹکتا ہے زمیں پر
آزردگی یار کہوں یا غم اغیار
کیا کیا نہیں صدمہ مری جان حزیں پر

میں روز و شب ہوں اس آرزو میں کہ دیکھوں دن رات تجھ کو بیٹھا
بلائیں لے لے کے زلف و رخ کی فدا ہوں لیل و نہار تجھ پر

چلا صبح گھر کو وہ، اے کاش کوئی
لگا دے مرا بخت روئے سحر پر

کچھ نہ دیکھا آنکھ اُٹھا کر سر نگوں بیٹھے رہے
محفل خوباں میں ہم اس بد گماں کو دیکھ کر

اس بزم میں تو شمع کا رونے پہ کٹتا سر
تو روئیو اے دیدۂ خوں‌بار سمجھ کر

گیا وہ دل بھی پہلو سے کہ جس کو
کبھی روتے تھے چھاتی سے لگا کر
چلی جاتی ہے تو اے عمر رفتہ
یہ ہم کو کس مصیبت میں پھنسا کر

یہ بھی کوئی ستم ہے، یہ بڑی کوئی کرم ہے
غیروں پہ لطف کرنا، ہم کو دکھا دکھا کر

توبہ کی، ہم کو شیخ نہ ترغیب تو دلا
جاویں گے ہم نہ سایۂ دیوار چھوڑ کر

اے ہم صفیرو! آہ تم آزاد ہو چلے
کنجِ قفس میں مجھ کو گرفتار چھوڑ کر

تری فرقت میں یوں "جرأت" نے اپنی جان دی ظالم
مجھے آتا ہے رونا اس کی جی دیکھے پہ رہ رہ کر

جلوہ تجھے کس آئینہ رو کا نظر پڑا
"جرأت" جو دیکھتا ہے تو حیراں اِدھر اُدھر

نہ جی کو دل کی خبر ہے نہ دل کو جی کی خبر
ترے بغیر کسی کو نہیں کسی کی خبر

بہ‌رنگ بلبلِ تصویر کیا کہوں تجھ سے
نہ اپنی مجھ کو خبر ہے نہ گلستاں کی خبر
ترے خیال میں دونوں جہاں سے ہم گذرے
نہ اس جہاں کی خبر ہے نہ اس جہاں کی خبر

اے دل نہ کھینچ آہ جہاں سوز دم بدم
کوئی گھڑی تو صبر بھی تو اختیار کر

جاتا ہوں میں گلی سے تری پر یہی ہے سوچ
پلکوں سے اس کو کون رکھے گا جھاڑ کر

قفس میں ہم اسیروں کے تئیں جینے دے کوئی دم
نسیم صبح تو مت بوئے گل ہمراہ لایا کر

غم کھانے سے دنیا کا اسے کام نہیں ہے
جو کوئی کہ عاشق ہے وہ غم کھائے ہے کچھ اور
میں اور توقع یہ اسے بھیجوں ہوں نامہ
اور واں سے مرے خط کا جواب آئے ہے کچھ اور

اب عشق تماشا مجھے دکھلائے ہے کچھ اور
کہتا ہوں میں کچھ منھ سے نکل جائے ہے کچھ اور

چمن دکھایا نہ صیاد نے کبھی ہم کو
رکھا قفس کو بھی دیوار گلستاں سے دور

اس کے ملنے سے کرے ہے منع ناصح مجھ کو واہ
ایک پایا ہے جسے سارے جہاں کو چھان کر

قاتل خدا کے واسطے شمشیر جلد کھینچ
بار گراں یہ سر ہے تن ناتوان پر
کیا جانیں اس کے کوچہ میں ''جرأت'' یہ کیا ہوا
کل واں ہجوم خلق تھا اک نوجوان پر

شب خواب میں جو یار کا در آئے ہے نظر
کہتی ہے آنکھ موت کا گھر آئے ہے نظر

مت اٹھا یار! تیرے کوچہ میں
آن بیٹھا ہوں دو جہان کو چھوڑ

کہتے تھے کش مکش دام سے مرغان اسیر
کھینچ لاتی ہے ہمیں جانب گلزار ہوس

لگ اُٹھی یوں دل سوزاں سے جگر کو آتش
جیسے اک گھر سے لگی دوسرے گھر کو آتش

ہم گریہ ناک مرگئے اک آہ کھینچ کر
راس آئی تجھ بغیر یہ آب و ہوائے باغ

وہ گیا کس طرف، اٹھ جانے سے جس کے یارب
دل کسی اور طرف جائے ہے جاں اور طرف

لاکھ گالی کھاسی ہے . کم صحبت دے
میں کہوں گا نہ ہو حساب میں فرق
آنکھ جب سے کھلی نہ دیکھا کچھ
زندگانی میں اور خواب میں فرق

تن سے میرے سر اُتر جاویے تو ھو جاؤں سبک
اب اٹھا سکتا نہیں میں اپنے سر پر بار عشق

کبیریائی میں مرا وہ بت دل خواہ ھے ایک
لوگ سچ کہتے ھیں یہ بات کہ اللہ ھے ایک

درد فراق سے ھے یہ بہتر کہ آئے مرگ
کردے چراغ عمر کو گل اے ھوائے مرگ

اشک جو تھم رھے ھیں آنکھوں میں
ھے مگر انتظار لخت دل

عمل حسن پرستی میں ھے کیا مصروف
ابھي واقف جو نہیں اس کے مکافات سے دل
کس خرابی سے ھوئي صبح نہ پوچھو یارو
کیا کہوں ھائے کہ کھلنے میں نہیں رات سے دل

آہ اس میکدۂ دھر سے آخر اپنا
جام معمور ھوا پر نہ ملا جام وصال

افسوس ھے کہ ھم تو تڑپتے ھیں دام میں
اور کھل رھا ھے کیا گل و گلزار آج کل

آنکھوں میں اشک، جاں بہ لب سینہ چاک ہے
"جرأت" کہیں ہوا ہے گرفتار آج کل

اس مژہ کی مرے دل سے کوئی جاتی ہے کھٹک
وہ نہیں تیر کہ یوں کھینچ کے سوفار نکال

چھوڑ اس ضبط کو گھٹ گھٹ کے نہ دے جان اپنی
نکل اس قید سے زنجیر کی جھنکار نکال

میں تو سب کچھ چھوڑ بیٹھا ہوں تمہارے واسطے
چھوڑ کر تنہا کہیں پھر مجھ کو کیا جاتے ہو تم
میں تو حیراں ہوں کروں کیونکر نظارہ تم سے جان
سامنے ہوتے ہی بس دل میں سما جاتے ہو تم

نہ ہو اک دم کے خاطر سر گراں تم　　　کہاں یہ بزم پیارے اور کہاں تم

بہ دریائے محبت زورق آسا غم کے مارے ہم
کبھی ہیں اس کنارے اور کبھی ہیں اس کنارے ہم
فراق یار میں کیا آہ جتنا سانس کا گھٹے
کلیجے پر سدا کھینچا کیا کرتے ہیں آرے ہم
مرے وحشت سے رک کر دل ہی دل میں یوں وہ کہتا ہے
بھلا لگ گئے کیوں ایسے دیوانے کو پیارے ہم

جوراہ ملاقات تھی سو جان گئے ہم　　اے خضر تصور ترے قربان گئے ہم

کہے ہے یوں دل مضطر سے اُس بن جان غم دیدہ
چلو تم رفتہ رفتہ آتے ہیں پیچھے تمہارے ہم
نہ مانی دل نے اپنی اور نہ ہم نے بات ناصح کی
ہمیں کہہ کہہ کے ہارا وہ اسے کہہ کہہ کے ہارے ہم

آنکھوں سے جدا کب ہے حقیقت میں وہ لیکن
اس کو تو تصور کی حقیقت نہیں معلوم

خدا کے واسطے سینے کو کوئی چاک کرو
کہ جاں بہ‌لب ہیں اب اس دل کے اضطراب سے ہم
جو دیکھنے کو ہمارے وہ دیکھے ہے "جرأت"
تو آنکھ اپنی چرا لیتے ہیں شتاب سے ہم

یا تو اس کے گھر سے آتے تھے نہ اپنے گھر کو ہم
یا اب اپنے گھر میں بیٹھے دیکھتے ہیں در کو ہم

دکھ جدائی کے ہمیں تونے دکھائے اے زیست
کاش کہ وصل ہی میں جی سے گذر جاتے ہم

مرض عشق کو تھوڑا نہ سمجھنا اے دل
ایک دن کام کرے گا یہی آزار تمام
تیرے ہی نام کو جیتے ہیں سب اے بت اب تو
ایک مذہب پہ ہوئے کافر و دیں دار تمام

ہوگئے سنتے ہی ہم وصل کا پیغام تمام
کام دل کچھ نہ بر آیا کہ ہوا کام تمام

سارے عالم سے کچھ جدا ہے آہ　دل خانہ خراب کا عالم
کچھ بھروسا نہیں ہے جینے کا　زندگی ہے حباب کا عالم

سینۂ دل سوزاں کے گئے پھر بھی رہا گرم
دھکے ہے جہاں آگ تو رہتی ہے وہ جا گرم
کھینچے ہے دم گریہ جو دل آہ جہاں سوز
حیرت ہے کہ برسات میں چلتی ہے ہوا گرم

جوں اٹھے پاس سے اس شوخ دلآرام کے ہم
اٹھتے ہی بیٹھ گئے اپنا جگر تھام کے ہم
کبھو میں جانا تو کہاں اس کے میسر ہے مگر
صدقے جاتے ہیں تصور سے در و بام کے ہم

نہیں لگتا دل آبادي میں اب جي پر یہ گذرے ہے
گریباں چاک کرکے دامن کہسار دیکھیں هم

مثل آئینہ باصفا هیں هم　　دیکھنے هی کے آشنا هیں هم
ٹک تو کر رحم اے بت بے رحم　　آخرش بندۂ خدا هیں هم
دل کے هاتھوں سے اے میاں ''جرأت''　　زندگاني سے بهی خفا هیں هم

کہتا هوں کہ مت هو مري فریاد سے غافل
قائل هے مري آہ کي تاثیر کا عالم
باتیں تو سبهي کرتے هیں اے جان ! جہاں میں
هے سب سے نرالا تری تقریر کا عالم

لائے تشریف دم بے خبری تم افسوس
پوچھنے پائے تمہاری نہ خبر تم سے هم
جیتے جی هو نہ جدا تم یهی بہتر هے کہ بس
هم سے رخصت هو اِدهر تم اور اُدهر تم سے هم

روز کہتے هیں وہ آوے تو کہیں هم ''جرأت''
جب وہ آتا هے تو اس وقت نہیں هوتے هم

چهاتي سے لگائے تهے سو هے نزع میں ''جرأت''
اب کس کے حوالے تري تصویر کریں هم

ہستی کی کھلی بات، پس ازمرگ کہ تھا خواب
جب بند ہوئی آنکھ تو بیدار ہوئے ہم
جو جنس گراں مایہ ہے نایاب زمانہ
افسوس اسی کے ہی طلبگار ہوئے ہم

اب تو کچھ ہمدرد سے میرے آتے ہو تم مجھ کو نظر
ہم سا کوئی شاید پیارے تم کو ملا ہے اور کہیں

یہ دعا ہے کہ ترے کوچے سے اٹھیں مر کے
جیتے جی یاں سے نہ لے جائے خدا اور کہیں
خاک ہونے پہ بھی اس کوچے میں "جرأت" ہے یہ خوف
یاں سے لے جائے اڑا کر نہ صبا اور کہیں

قید ہستی سے ہوا شاید رہا تیرا اسیر
آج شور و غل نہیں ہے خانۂ زنجیر میں

تو اس آئینہ رو کو، مت دکھاؤ آئینہ
وہ کچھ حالت ہے "جرأت" کی اسے سکتا نہیں

میری بے تابی سے متصل میر یہ دھڑکا ہے اُسے
اٹھ کے ہونے نہ لگے یہ صدقے قرباں کہیں

روئے ھے بات بات پہ "جرأت" ھے گرفتار یہ کہیں نہ کہیں

اب وہ آواز ھی کانوں میں نہیں آتی ھے
کون ایسا نہیں اس در پہ جو پہونچائے ہمیں

دل کی طپش سے صدمے جوں برق جان پر ھیں
گاھے زمین پہ ھیں ھم گہ آسمان پر ھیں

ھم دونوں کو کچھ اس بن سدھ بدھ نہیں ھے "جرأت"
دل ھم سے بے خبر ھے ھم دل سے بے خبر ھیں

جلوہ گر ھے وھی ھر جنس میں اللہ اللہ
طرفہ وہ شے ھے کہ جس شے کا خریدار ھوں ھیں

دل بے تاب کی کرتا نہیں جب کوئی غم خواری
تو پھر نا چار میں ھی اپنے چھاتی سے لگاتا ھوں

قدم میں ناتواں جب اس کے کوچے سے اٹھاتا ھوں
تو شکل نقش پا ھر ھر قدم پر بیٹھ جاتا ھوں

خانۂ پرورد قفس' ھم ھیں اسیر اے صیاد
تو بتادے ھمیں پرواز کسے کہتے ھیں

بعد مرنے کے مری لاش پہ لانا اس کو

ابھی مت پوچھو کہ اعجاز کسے کہتے ہیں

اس بن جہان کچھہ نظر آتا ہے اور ہی

گویا وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں

تفرقہ ایسا بھی کم دیکھا ہے اے ہمدم کہیں

دل کہیں ہے، جی کہیں ہے، وہ کہیں ہے، ہم کہیں

آمد و رفت نفس کب سے سبب ہے جلد جلد

ہوں تو بیٹھا، پر چلا جاتا ہوں میں ہردم کہیں

تا جہاں سے نہ اٹھیں ہم نہ اٹھیں گے یاں سے

کوئے جاناں میں یہی کر کے بیٹھے ہیں

کیا بھلا حاصل ہے دیوانے کے سمجھانے سے آہ

کوئی تنفی بات بھی ناصح کو سمجھانا نہیں

اے ہم نوا قفس میں اسیروں کو جینے دے

کیوں دے ہے فصل گل کی خبر آہ تو ہمیں

اک آرزو بھی دل کی نکالی نہ تونے آہ

مرنے تلک رہیگی یہی آرزو ہمیں

دل ہے پہلو میں مرے روز ازل کا دشمن
جان ہي لے کے یہ چھوڑے گا بغل کا دشمن

کہاں اے اشک خونیں دل کو ڈھونڈھوں
ترے باعث گیا یہ مل لہو میں

سحر کو بلبلیں کرتي ہیں غل، غنچے چٹکتے ہیں
قفس کے ہم درد دیوار سے سر کو پٹکتے ہیں

آ جاوے تو حال دل سنائیں   رہ جاوے نہ جي کی بات جي میں

قفس کو اس کے نہ لے جائیو چمن کي طرف
کہ یہ ہے مرغ گرفتار اس میں حال نہیں

خوں چھپانا ہے تو میں تجھ کو جتا رکھتا ہوں
تیرے دامن پہ نشاں ہي تجھے معلوم نہیں

ذکر سن تو جو ہنسے ہے دل گم گشتہ کا
کچھ نہ کچھ میں بھي تو اس بات سے پا جاتا ہوں
میرے رونے کا سبب پوچھتے کیا ہو مجھ سے
دو گھڑي آن کے میں تم کو ہنسا جاتا ہوں

گرمی مرے کیوں نہ ہو سخن میں اک آگ سی لگ رہی ہے تن میں

خواری کا مرے وہ لطف سمجھے کامل ہو جو عاشقی کے فن میں

بے تابی دل کرے ہے رسوا کیا جائیے اس کی انجمن میں

بے اجل مجھ کو کیا درد محبت نے ہلاک

مبتلا ہو وے نہ یارب کوئی اس آزار میں

نیستی بہتر تھی اس ہستی سے کیوں اے زندگی

کس خرابی میں پھنسایا تونے یاں لاکر ہمیں

بات مجھ سے اس کی محفل میں نکلنے دے درست

آہ اے بے تابئی دل یاں نہ رسوا کر ہمیں

ہمنشیں! پوچھو مت کہیں ہوں میں

ان دنوں آپ میں نہیں ہوں میں

وقت وداع یار نہ نکلا زباں سے کچھ

بس وہ اُدھر اٹھا کہ غش آیا اِدھر ہمیں

تدبیر سے کب وصل ہو اس شوخ کا ہمدم

موقوف ہر اک بات ہے تقدیر کے ہاتھوں

کہاں تک تار تار اس کا بھلا جوڑے گا تو ناصح
گریباں چاک کر اپنا رفو میرا نہ کر دامن

اب تو کوچے میں ترے بیٹھ گئے آ کر ہم
یاں سے جاویں نہ جوں نقش قدم اور کہیں

رکھیو یارب تو پھنسا دل کے گرفتاری میں
موت بھی آوے تو آوے اسی بیماری میں

ہمنشیں! باتوں پہ تیری کیا کروں ہربار ہوں
تجھ کو اک قصہ لگا میں جان سے بیزار ہوں

اپنے بیمار کی مت پوچھ غذا کچھ سوا غم کے وہ کھاتا ہی نہیں

دعا سے اور دوا سے فائدہ کب ہم کو ہوتا ہے
ہمیں ہے عشق کا آزار کرتے ہیں ضرر دونوں

جانے سے تیرے اے صنم! ٹھہرے نہ ٹھہرے تن میں دم
زیست کا کیا ہے اعتبار دیکھئے کیا ہو کیا نہ ہو
باغ جہاں میں بے گناہ بلبل خستہ دل کا آہ
دشمن جاں ہے خار خار دیکھئے کیا ہو کیا نہ ہو

کیا کہوں بیمار کی تیرے کہ ہیں جتنے طبیب
سب یہ کہتے ہیں کہ اب اس کو خدا پر چھوڑ دو

رکھا مجھ کو قفس میں آہ میری نغمہ سنجی نے
ہزار اب سر کو پٹکوں میں، ولے کیوں کر رہائی ہو

اب تو قلق سے اس کے ٹھہرتا نہیں ہے دم
روکوں کہاں تلک دل پر اضطراب کو

کرم اس کا ہووے تو خوش سب جہاں ہو
خدا مہرباں ہو تو کل مہرباں ہو
کرو یاں مری کچھ نہ تدبیر یارو
وہیں لے چلو تم سمجھے وہ جہاں ہو

شمع ساں بھڑکا دیا ہو غم سے سرتا پا جسے
خاک پھر اس دل جلے کو زندگانی راس ہو

آنے کی خبر ہے اس کے لیکن آتا نہیں اعتبار دل کو

عزیزو ہوسکے اس دل کی جو تدبیر کر دیکھو
خدا کے واسطے سینہ شتابی چیر کر دیکھو

کوئی کہتاہے مرناهي اب اس کے حق میں بہتر ہے
کوئي کہتا ہے دیوانہ ہے یہ، زنجیر کر دیکھو

نہ کر صیاد اُنہیں آزاد جو پابند اُلفت هیں
گرفتاری سے بدتر جانتے هیں وہ رهائی کو

گر چرایا نہیں ہے تم نے دل مسکراتے هو کیوں ادهر دیکھو

اس کے آنے میں اب جو دیر ہے کچھ
یہ بھی قسمت کا هیر پھیر ہے کچھ

جی دیا هم نے تو پہلے هي ترے ناز کے ساتھ
ایسا انجام هوا عشق کے آغاز کے ساتھ
ناتواں هوں میں یہاں تک کہ قفس سے چھوٹوں
جی نکل جائے مرا پہلے هي پرواز کے ساتھ

ناصح کی نصیحت کا اثر هم کو نہیں کچھ
هیں بے خبر ایسے کہ خبر هم کو نہیں کچھ

چھوڑا گلزار سے دور اور پر بلبل کترے
هائے صیاد جفا پیشہ نے کیا گل کترے

توںے اس باغ میں دم بھرنے کی مہلت پائی
اے صبا ہم نے تو اتنی بھی نہ فرصت پائی

یاں تلک اس دل کی بے تابی نے ہے رسوا کیا
جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے دیوانا مجھے
بے وفائی مجھ سے تو مت کیجیو اس وقت میں
اس کے کوچہ تک ذرا اے عمر پہونچانا مجھے
بس کہ روتا ہوں میں اس کے ہجر میں بے اختیار
دیکھ کر ہنستا ہے یارو اپنا بیگانا مجھے

جب بندکیں آنکھیں تو ہوئے یار سے ہم بزم
کیا راہ ملاقات کی ہموار نکالی

مریض عشق ہیں ہم جس کے کیا تماشا ہے
کہ اپنی درد کی پوچھے ہے وہ دوا ہم سے

کہتے ہیں عزم سفر یار کا ہے وقت سحر
مجھ کو فردا نظر آتا ہے قیامت ہوگئی

کیوں نہ روؤں کیا کروں مجبور ہوں لاچار ہوں
اختیار اب لے کے تم بے اختیاری دے گئے

کیا غضب ھے دل کے لگ جاتے ھی جاتے ھیں حواس
اور جو ھے عاشقی سو کام ھشیاروں کا ھے

دل وحشی کو خواھش ھے تمھارے در پہ آنے کی
دوانہ ھے و لیکن بات کہتا ھے ٹھکانے کی

جان آ پہونچی ھے گھبرا کر مرے ھونٹوں پہ جان !
اب بھی آ پہونچو جو میری زندگی منظور ھے

خود بہ خود دل سے جو نکلے یہ تمنائے وصال
یا الٰہی یہ مری آہ اثر تک پہونچے

دیکھ دریائے محبت میں اب احوال مرا
کف افسوس کھڑے ملتے ھیں ساحل والے

بیمار محبت ھوں نہ غم خوار ھو میرا
صحبت سے مرے تو کہیں بیمار نہ ھو جائے

کہا لاچار ھم نے ضعف سے یوں پاؤں پھیلا کر
قدم اُٹھتا نہیں تم جاؤ! ھم اے ھمرھاں بیٹھے

رنج تھوڑا سا اُٹھانا تجھ کو ہمدم اور ہے
تن میں مجھ بیمار غم کے دم کوئی دم اور ہے

کل ہی بستر پر ہمیں تھا ضعف سے اُٹھنا محال
اور دیکھا آج طاقت کو تو کچھ کم اور ہے

یوں وہ آنکھوں میں کھے ہے جب کہ روتا ہے کوئی
بہوت بہوت اتنا نہ رو بدنام ہوتا ہے کوئی

فقط میں اس کی کہوں سادگی کا کیا عالم
لگے نہ لاکھ طرح سے جسے بناو کوئی

ناصح میں اور ہم میں یہ صحبت ہے طرفہ تر
ہم کچھ نہیں سمجھتے وہ سمجھائے جائے ہے

گر پختہ مزاج ہو تو سمجھو ہے رشتۂ خام زندگی

جس جگہ جائے نظر آتا شتابی تو مجھے
گر نہیں پڑتی کسی کروٹ کسی پہلو مجھے

دے کے جی عشق میں ہم چھوڑ چلے ہیں ثابت
ایک افسانۂ پر درد زمانے کے لئے

چھٹے اب شعر کہنا ہم سے کیوں کر آہ اے "جرأت"
مثل ہے دل میں عاشق کی سدا ناسور رہتا ہے

شب کو اس بن تن سے میری جان جو جانے لگی
آہ سوزاں آگے شمع دکھلانے لگی
اب تو ہر ہر بات پر آزردگی آنے لگی
میری بےتابی جو اس بے درد کو بھانے لگی

وہ جس طرف سے آن نکلتا تھا گاہ گاہ
رہتی ہے اپنی آنکھ ادھر بیشتر لگی

ناصحا اس کو چھوڑ دیں کیوں کر
جس کو پایا ہو جاں کھو کھو کے

وہ اور ہیں جو رکھتے ہیں منہ دیکھے کی اُلفت
مر مٹتے ہیں اک بات پہ ہم چاہنے والے

گھر میں کیا بیٹھا ہے ظالم آ تماشا تو بھی دیکھ
کھینچ لائی ہے سر بازار رسوائی مجھے
لوگ آتے ہیں تماشا کو مرے بےاختیار
عشق نے جب سے کیا تیرا تماشائی مجھے

کرتے ہیں جوں گل، گریباں چاک ہم بے اختیار
جب کہ وحشت میں ہمیں باد بہاری لائے ہے

سچ ہے کب خاطر میں تو اُلفت ہماری لائے ہے
پر ہمیں مجبور یاں بے اختیاری لائے ہے

پوچھتے کیا ہو کہ سینہ پہ ہے کیوں ہاتھ ترا
کیا کہوں تم سے کہ اک درد سا یاں رہتا ہے

دل ٹھہرتا ہی تھا نہ اس بن رات
بے قراری سی بے قراری تھی
مر گئے ہجر یار میں صد شکر
جیتے رہتے تو سخت خواری تھی

نہ جی تن سے نکلتا ہے نہ تن میں دم سماتا ہے
بھلا اے انتظار یار یہہ کیا زندگانی ہے

وائے قسمت اس کا وعدہ شب کے آنے کا ہے اور
قصد چلنے یاں ایسے کا دن آتے آتے شام کے

جو آتا ہے تو آ بیٹھے کا اس کے کیا بھروسا ہے
ٹوٹی دم اور بھی قاقوس ترا بیمار باندھے ہے

نہیں ہے لذت دردِ محبت تم کو اے ناصح
یہ اپنی خاطر غمگیں دل خرم سے بہتر ہے

جوش گل چاک قفس سے دم بہ دم دیکھا کئے
سب نے یاں لوٹیں بہاریں اور ہم دیکھا کئے

ہم کچھ اسیر ہوتے ہی خاموش ہو گئے
سب چہچہے چمن کے فراموش ہو گئے

کارواں جاتا رہا اب اور ہم گم کردہ راہ
گرد کے مانند صحرا میں بھٹکتے رہ گئے

یہ جی میں تھا کہ کوچے میں اس کے نہ جائیں گے
اِس دل کی بےقراری کے ہاتھوں میں پڑ گئے

تو چلا اور ہم رہے جیتے خاک یہ زندگی ہماری ہے

دل گیر جوں کھینچے کوئی تصویر اس طرح
سر لگ گیا ہے زانوئے غم پر دھرے دھرے

پہلو میں تو "جرأت" کا جگر چاک ہے یارو
ظاہر میں گریبان اگر چاک نہیں ہے

نہ صبر جی کو، نہ تاب دل کو، نہ خواب چشم پر آب میں ہے
غم جدائی سے جاں میری عجب طرح کے عذاب میں ہے
خموش رہنے دے مجھ کو ہمدم کہ بات منہ سے میں کیا نکالوں
کیا ہے ایسا سوال اس نے کہ سو خرابی جواب میں ہے

نا توانی سے تو نکل نہ سکی   ہائے اے جان زار کیا کیجے

دم کی آمد شد نے جب تاخیر کی
ہمدموں نے اور ہی تدبیر کی

نہ ہمدم ہے کوئی نہ اب ہم نشیں ہے
برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے
بھلا اے سرشک اشک پونچھوں میں اس سے
نہ ہے تن پہ دامن نہ اب آستیں ہے

گہ جیتا ہوں گہ مرتا ہوں   مسکانا ترا قیامت ہے
شور محشر کرے ہے دل برپا   یہ دوانا ترا قیامت ہے
حشر برپا ہوا ہے اے بدمست   یہ کھونا ترا قیامت ہے

هم نشیں ہو گئے رقیب اپنے کیا گلہ کیجئے ' نصیب اپنے
وہ جو رووے ہے تو یہ تڑپے ہے دیدۂ و دل بھي ہیں عجیب اپنے
نہ ملے اب تو کیا کریں " جرأت " گرچہ ہے وہ بہت قریب اپنے

نہیں ہے قید ہستي سے کوئي وا رستہ اے یارو
وهي ناداں ہے جو اپنے تئیں آزاد جانے ہے

پوچھتے کیا ہو کہ اب الفت کسی کے ساتھ ہے
آہ یہ دل کا مزا تو اپنے جي کے ساتھ ہے

اختیار اب تو کسی بات پر اپنا نہ رہا
دل کے لگ جاتے ہي اے وائے یہ مجبور ہوے

ہوتے ہیں آسمان و زمیں پل میں غرق خوں
سوجھی ہے اب یہ دیدۂ خوں بار سے مجھے

تا صبح بے کلی ہي رہی شام سے مجھے
تجھ بن کٹی نہ ایک شب آرام سے مجھے
ناصح نہیں ہوں میں دل وحشی کو دوں جو پند
کیا کام ہے کسي کے بھلا کام سے مجھے

نہ دیکھو چشم کم سے دیدۂ پرخوں کا بھر آنا
کہ یہ حسرت بھرے دل کا مرے ارمان نکلے ہے

دل مرا مثل برق و باراں ہے   گاہ خنداں ہے گاہ گریاں ہے
اپنی اس چشم خوں فشاں سے آہ   کوچۂ یار بھی گلستاں ہے

ازل سے گرفتار پیدا ہوا ہے   یہ دل کیا مزے دار پیدا ہوا ہے

اب نہیں دم لینے کا یارا مجھے   درد غم عشق نے مارا مجھے
عشق میں پہلے وھی کرنا پڑا   جو کہ نہ ہوتا تھا گوارا مجھے

لذت درد و غم عشق ہے ایسا کہ اگر
روئیے اس میں تو رونا بھی مزا دیتا ہے

اللہ رے تجلی کہ لب بام پر آکر
دی گھر میں دکھا روشنی طور کسی نے

مالک نہیں جینے کے نہ مرنے کے ہیں مختار
افسوس کیا یہ ہمیں مجبور کسی نے

جس طرف کو جائے وہ تو یہ دل بے تاب بھی
پیچھے پیچھے اس کے بے تابی سے دوڑ جائے ہے

سبھوں کی ھے زباں پر داستاں میری خموشی کی
مرے کم بولنے نے بات یہ کتنی بڑھائی ھے
کوئی پہچانتا مجھ کو نہیں ھے اب تو اے ''جرأت''
یہ بگڑی کس سے ھے جو تونے یہ صورت بنائی ھے

داستانیں تو ھزاروں ھی بھریں ھیں دل میں
پرکہوں کیا کہ نہیں ھے لب اظہار مجھے

اک دم نے بھی مہماں نظر آتے نہیں ھم تو
تشبیہ نہ دو ھم کو چراغ سحری سے
'' جرأت '' تو زمانے کی خبر پوچھ نہ ھم سے
اپنی بھی خبر ھم کو نہیں بے خبری سے

لے خبر جلد کہ تک ٹھہر گیا ھے اب تو
کام آخر ترے بیمار کا ھوتے ھوتے

قلق یہ اس بت کافر کی ھے جدائی سے
کہ آہ بیٹھے ھیں بیزار ھم خدائی سے
غرض نہ اپنی سی قسمت کسی کی میں دیکھی
پناہ مانگئے طالع کی نارسائی سے

مجھ سے پوچھے ہے بگڑ کر وہ حقیقت میری

کچھ تو اے بے خردی بات بتانے دے مجھے

بیٹھتے اُٹھتے گر اُس بزم میں پہونچے تو وہاں

بیٹھنے نالۂ جاں کاہ نہیں دیتا ہے

مصور نے جو کھینچا اُس کا نقشہ تو یہ نکلے ہے

کہ گویا منھ سے یہ تصویر ابھی واللہ بول اُٹھے

غم سے گھٹنا یہ مرا، سب میں بڑھاتا ہے اُسے

جو مجھے دیکھے ہے سو دیکھنے جاتا ہے اُسے

لگ چلے ساتھ نہ کیوں کر دل بےتاب اس کے

کیا کرے وہ کوئی کھینچے لئے جاتا ہے اُسے

اُس کا ہاتھ آنا ہے دشوار کہ جوں بحر و حباب

جب کوئی آپ کو کھوتا ہے تو پاتا ہے اُسے

پوچھ نہ ماجرائے خوں، اب نہیں تن میں ہائے خوں

ٹپکے ہے یاس جائے خوں، دل کی ہر اک خراش سے

کاش ملیں بھی یار سے سخت ہیں بے قرار سے

نالئہ دل فگار سے آہ جگر فراش سے

گئے صبر و دل و تاب و تواں جب خانۂ تن سے
اکیلے گھر میں تو پھر جان بھي کب رهنے والي هے

سالہا گزرے کہ یہ حالت بنی جس کے لئے
دل گیا ' طاقت گئی ' دولت گئی' دنیا گئی

اے اجل اب تو یہ رسوائی نہ دیکھی جاے گي
طبع غم خواروں کی اپنی اب بہت اُکتا گئی

آہ کس پردہ نشیں سے دیدۂ دل لڑ گئے
شدت گریہ سے جو آنکھوں پہ پردے پڑ گئے

یہ نقش اپنے دل کے نگینے پہ حرف هے
گر تو یہاں نہ هووے تو جینے پہ حرف هے

وہ چاهنا همارا اب جانتے نہیں هیں
لو چاہ نے هماری تاثیر کی تو یہ کی
تم جو خفا هو مجھ سے هے اور تو خطا کیا
هاں دل دیا هے تم کو تقصیر کی تو یہ کی
تدبیر سے نہ حاصل هو کچھہ بہ جز ندامت
معلوم هم نے اپنی تقدیر کي تو یہ کی

جو غور کیجے تو وہ گئے دن، کہاں کا آنا کہاں کا جانا
اک آمد و رفت سانس کی ہے بس اور اب ہم میں کیا رہا ہے
ہجوم یاس اب یہی ہے دل پر نہیں کوئی پاس غیر حرماں
وبال جاں زندگی ہوئی ہے کہ لطف جینے کا کیا رہا ہے

پاتے نہیں کچھ ہم میں ہیں اور ہی عالم میں
مرجائیں گے اک دم میں ہنگام گرفتاری

نقاب اپنا اُلٹ کر منہ دکھا تصویر سا اپنا
کوئی دم میں ترے بیمار کی پتلی اُلٹتی ہے

بزم سے اٹھتے ہی اس کے یہ ہوا بے خود میں
کہ خبر اپنی رہی مجھ کو نہ کچھ مجلس کی

کھاؤں یارب نہ غم عشق تو غم کھائے مجھے
گرنہ بیمار محبت ہوں تو موت آئے مجھے

کریں گے فکر طبیعت کی ہم اٹھانے کی
کہ ہم میں تاب نہیں اب الم اٹھانے کی

یارب کبھی تو دیکھوں میں یہ انقلاب عشق
میری طرح سے وہ بھی کرے جستجو مری

نہیں کٹتی یہ ہجر کی شب تار
کچھ عجب رنگ آسماں کا ہے

اک آرزو بھی دل کی نکالی نہ تونے آہ
مرتے تلک رہیگی یہی آرزو مجھے

(رباعیات)

جوں برق ھي تو جگر جلانے والا   روتوں کو ہے اور بھی رلانے والا
رہ جارہ جا برس نہ اے ابر سیاہ   رہ جائیگا ورنہ کوئي آنے والا

آتش سے جو غم کے دل جلا خاک ہوا
اور جل کے جگر بھی اب مرا خاک ہوا
چوں شمع ملا نہ کچھ بہ جز سوز فراق
حاصل ہمیں عاشقي میں کیا خاک ہوا

دل آنکھوں سے خون ہوئ بہا ہے میرا
احوال میں کیا کہوں کہ کیا ہے میرا
جي تن میں کسی طرح ٹھہرتا ھي نہیں
آ جلد کہ دم اکھڑ چلا ہے میرا

آرام نہیں ہے بے قراري سے ہمیں
اب کام پڑا ہے آہ و زاری سے ہمیں

دل پر ھے ھاتھ اور آنکھوں میں اشک
حاصل یہ ھوا ھے تیری یاري سے ھمیں

ھم رکنے لگا ھے نالے کرتے کرتے
غربال ھوا دل آھیں بھرتے بھرتے
غم دل پہ رھا یونھیں تو ''جرأت'' اک روز
مر جائیں گے ھم کسی پہ مرتے مرتے

دل لے کے تو مجھ سے اور کیا چاھتا ھے
ملتا نہیں کیوں جي ھي لیا چاھتا ھے
یوں ھی جو تري مرضی ھے تو یاقسمت
ھوتا ھے وھی جو کچھ کہ خدا چاھتا ھے

(مخمسات)

بس اُتني بھي نہ بے پروائیاں تم مجھ کو دکھلاؤ
وہ پرواز اور میرے چھچے تک دھیاں میں لاؤ
اسیری پر مري اور بے کسي پر رحم تک کھاؤ
قفس میں ھم صفیرو ! کچھ بات کر جاؤ
بھلا میں بھي کبھي تو رھنے والا تھا گلستاں کا

طبیعت میں تھي کیا کیا لنترانی
کوئي اپنا سمجھتے تھے نہ ثانی

سو اب صورت بنا کے تو ڈرانے
چلی منھہ موڑ کر کیوں ہے جوانی
ہمیں یہ و لولے اپنے دکھا کے

نہ کیونکہ روئے زانوئے غم پہ سر کو دھرے
بغل میں کیوں نہ دل اپنا تڑپ تڑپ کے مرے
خبر جو ہوے اسے تو وہ کچھہ خدا سے ڈرے
سو اپنے حال سے آگاہ کون اس کو کرے
نہ قاصدے نہ صبائے نہ مرغ نامہ برے
کسے ز بیکسی ما نمی برد خبرے
غم فراق سے ہے دکھہ پہ دکھہ، الم پہ الم
جگر پہ داغ، مژہ اشک بار لب پہ ہے دم
سنائیں کس کو کہے کون اس سے اپنا غم
نہ کوئی یار نہ کوئی رفیق نہ ہمدم
نہ قاصدے نہ صبائے نہ مرغ نامہ برے
کسے ز بیکسی مانمی برد خبرے

واسوخت

یارب اندوہ جدائی سے تو مرنا بہتر
گذرے غم جی پہ تو بس جی سے گزرنا بہتر
بحر الفت میں قدم کا نہیں دھرنا بہتر
ہے کنارا بھی اب اس چاہ سے کرنا بہتر
رفتہ رفتہ وہ ہوے لجۂ آفت میں غریق
موج زن جن کے ہوا دل میں یہ دریائے عمیق

قیس و فرہاد سے اس بحر میں لاکھوں تیراک
آہ کیا جانیں کدھر بہ گئے مثل خاشاک
آشنا مثل صدف اس سے کوئی ہو کیا خاک
حاصل ربط یہی ہے کہ جگر ہووے چاک
اس سے جوں موج رواں جس کو پڑا الجھیڑا
نہ ملا پھر نہ ملا اس کا کہیں تھل بیڑا

دل کو ہرچند میں سمجھایا کہ اے خانہ خراب
جان اس ہستی موہوم کو تو نقش بر آب
جی لگا کر کسی بے رحم سے مت ہو بےتاب
اب جو دیکھو تو دم آنکھوں میں ہے مانند حباب
کوئی دم کا جو یہ مہمان نظر آتا ہے
ایک دریا مری آنکھوں سے بہا جاتا ہے

جس ستم گر نے کیا آہ یہ حال دل زار
جی میں آتا ہے کہ روکش ہوں میں اس سے اک بار
یہ کہوں صاف کہ ٹک سن تو اب اے ظلم شعار
واقف اس بات کے ہیں ایک سے لے تا بہ ہزار
محو نظارہ ترا تاکہ یہ دل تھا نہ مرا
سادگی پر گل رخسار کب ایسا تھا ترا

آئینہ دیدہ گریاں نے دکھایا تجھ کو
جس سے آگاہ نہ تھا تو وہ جتایا تجھ کو
اپنی وحشت نے پری زاد بنایا تجھ کو
دل کی بے تابی نے کیا کیا نہ سکھایا تجھ کو
آنکھ ورنہ تری ہرایک سے شرماتی تھی
کل کی ہے بات تجھے بات نہ کر آتی تھی

تجھ میں یہ خوبی گفتار کہاں تھی توبہ
ایسی اٹکھیلی کی رفتار کہاں تھی توبہ
طبع عالم کی گرفتار کہاں تھی توبہ
اس قدر گرمی بازار کہاں تھی توبہ
اپنے هی چاهنے سے تو یہ نمودار هوا
کہ ترے حسن کا هرایک خریدار هوا

مثنوی بحرالفت

دریکتا هے بحر محبوبی
رونق افزائے گلشن خوبی
بعد صد آرزوئے شوق وصال
هے نوشتن تمام جس کا محال
سمجھیو حرف مطلب دل زار
کہ تڑپتے کٹے هے لیل و نہار
کہا کے کچھ مرر هیں یہ جی میں هے
خیریت هے تو بس اسی میں هے
گرچہ مرتے هیں پر همیں هے یار
حق سے تیری سلامتی در کار
اور یہ جب سے فلک نے کام کیا
کہ جدائی کا دل بہ داغ دیا
هے مجھے لطف زندگی کیا خاک
شکل گل هے مرا گریباں چاک

خم غم سے ہوں بادہ نوش سدا
صورت غنچہ ہوں خموش سدا

تم کو جب دل میں یاد کرتا ہوں
جوں صبا ٹھنڈے سانس بھرتا ہوں

متصل اشک دیدہ گریاں
آہ جاری ہیں مثل آب رواں

جب جدا تجھ سا یار جانی ہو
کس روش اپنی زندگانی ہو

دیکھوں میں گل کو جب چمن میں یار
یاد آتے ہیں وہ گل رخسار

بے قراری سے جان دیتا ہوں
منھ کو میں پیٹ پیٹ لیتا ہوں

غنچہ و گل کو دیکھتا ہوں میں جب
یاد آتے ہیں پیارے پیارے لب

کھینچوں ہوں دل سے آہ یوں اک بار
ٹکڑے ہوتا ہے غنچہ سار دل زار

سوئے نرگس جو آنکھ جاتی ہے
چشم کیفی وہ یاد آتی ہے

دل یہ ہوتا ہے مضطر و بے تاب
خفقانی کو جوں پلائیں شراب

لل چنپا یہ جب کروں ھوں نگاہ

چنپئی رنگ یاد آتا ھے آہ

بس وھیں دل میں درد ھوتا ھے

رنگ چھرے کا زرد ھوتا ھے

دیکھوں ھوں جب کہ میں گل اورنگ

یاد اُن فندقوں کا آے ھے رنگ

ھاتھ مل مل کے تلملاتا ھوں

اس خرابي سے گھر کو جاتا ھوں

انشا

میر انشاء اللہ نام، ان کے والد میر ماشاء اللہ ایک عالم فاضل شخص اور حاذق طبیب تھے، شعر بھی کہتے تھے، دھلی وطن تھا - ایسے باپ کے دامن تربیت میں پرورش پاکر انشا بھی عالم فاضل طبیب اور شاعر ہوئے -

شاعری کی طرف مائل ہوئے تو علوم نے اس میں جلا دیدی - ذھانت نے چمکا دیا - اور شعرا میں انشا یہ خصوصیت اور امتیاز رکھتے تھے کہ عربی، فارسی، اردو اور ھندی زبانوں میں نظم کی یکساں قدرت رکھتے تھے - مگر زمانے کے مذاق اور ماحول کے اثر سے اردو کی شاعری ان کی توجہ کا مرکز بن گئی -

انشا کچھ دنوں مرشدآباد میں رہے - وھاں سے واپس آکر دھلی میں شاہ عالم بادشاہ کے زیفت محفل بنے، دھلی سے طبیعت گھبرائی تو لکھنؤ پہونچے - وھاں شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیماں شکوہ نے ان کو باپ کا نمک خوار سمجھ کر ھاتھوں ھاتھ لیا اور ان سے مشورہ سخن کرنے لگے، کچھ دنوں کے بعد نواب سعادت علی خاں کے دربار میں ان کی رسائی ھوگئی - انشا علم و فضل کے ساتھ حد درجہ کے ظریف - بذلہ سنج اور شوخ مزاج تھے - نواب ان سے اسقدر مانوس ھوئے کہ ایک دم ان کے بغیر چین نہ آتا تھا - انشا کی فطری ظرافت اور درباری زندگی نے ان کو ھزل اور تمسخر کی طرف مائل کردیا تھا - ھر لمحہ ھنسنے ھنسانے سے

کام تھا - ان کی شاعری کا مقصد بھی تفریح طبع کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتا - کبھی مضمون میں ظرافت ہوتی ہے کبھی سیدھی سی بات میں انداز بیان سے ظرافت کا ایک پہلو پیدا کردیتے ہیں - کبھی مشکل اور کڈھب قافیے اور ردیفیں اختیار کرکے نظم کی قدرت دکھاتے اور لوگوں پر حیرت کا اثر ڈالتے ہیں - طبیعت کی شگفتگی کا یہ عالم ہے کہ غم انگیزی مضامین سے بھی دلوں کو شگفتہ کر دیتے ہیں - غم و حسرت کا اثر پیدا کرنے والے اشعار ان کے یہاں بہت کم ہیں ان کی شاعری زیادہ تر مضامین خارجی پر مشتمل اور آورد کا نتیجہ ہے - مگر یہ اپنی قدرت نظم سے اورد میں آمد کی بے ساختگی پیدا کر دیتے ہیں -

سید انشا نے تمام اصناف سخن میں اسی رنگ میں طبع آزمائی کی ہے - ریختی میں بھی ان کو بڑی مہارت تھی - وہ عورتوں کے مخصوص جذبات وخیالات عورتوں ہی کی زبان میں بڑی خوبی سے ادا کرتے ہیں - انشانے سنہ ۱۲۳۳ ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی -

انتخاب

صنما ! بہ رب کریم یہاں ترے ہیں ہرایک یہ مبتلا
کہ اگر الست بہ ربکم تو ابھی کہے تو کہیں بلٰے
بہ محمد عربی تو دے دوسہ جام بادۂ نور کے
کہ نہ سوجھے سکر میں ساقیا مجھے کچھ جہاں کا برا بھلا

کیوں شہر چھوڑ عابد غار جبل میں بیٹھا
تو ڈھونڈھتا ہے جس کو ہے وہ بغل میں بیٹھا

تنہا نہ اس کو دیکھ کے محفل نے غش کیا
اپنی بھی جاں لوٹ ہوئی دل نے غش کیا

جس دم کہ ترے محو تجلی کو غش آیا
لوگوں نے کہا حضرت موسیٰ کو غش آیا
گرنے نہ دیا اس کو ملایک نے زمیں پر
جس دم ترے بیمار تمنا کو غش آیا

رھا ھے ھوش کچھ باقی اسے بھی اب نبیڑے جا
یہي آھنگ اے مطرب پسر تک اور چھیڑے جا

خداھي جانے کدھر سدھارے شکیب و صبرو قرار و طاقت
ھرایک اُن میں سے دے گئے ھیں ھمارے سینے کو داغ اپنا

خیال کیجے کیا آج کام میں نے کیا
جب اُن نے دي مجھے گالی سلام میں نے کیا
کہا یہ صبرنے دل سے کہ لو خدا حافظ
حقوق بندگي اپنا تمام میں نے کیا
ھوس یہ رہ گئي صاحب نے پھر کبھي نہ کہا
کہ آج سے تجھے "انشا" غلام میں نے کیا

اس بندے کی چاہ دیکھئے گا
اور اس کا نباہ دیکھئے گا
میں کیسے نباھتا ھوں تم سے
انشاء اللہ دیکھئے گا
عاشق مجھے جان کرتے ھیں قتل
تقصیر و گناہ دیکھئے گا

جھوٹا نکلا قرار تیرا اب کس ھے اعتبار تیرا
کر جبر جہاں تلک تو چاھے میرا کیا ؟ اختیار! تیرا

قلندرانہ ہے دل مقیم اس کی رہ کا
غرض کہا کہ محتاج ہو بادشہ کا
یہی لطف ہے ساقیا مے کشی کا
کہ تو بھی بہک اور مجھ کو بھی بہکا

ہیہات اس کو یار کیا ہم نے کیا کیا
کیا جبر اختیار کیا ہم نے کیا کیا
باہم دگر جو تھی خفگی سب گئی، اسے
بے اختیار پیار کیا ہم نے کیا کیا
رہ رہ کے دل میں آوے ہے "انشا" یہی کہ کیوں
اس دل کو بے قرار کیا ہم نے کیا کیا

رکھتے ہیں کہیں پاؤں تو پڑتا کہیں اور
ساقی تو ذرا ہاتھ تو لے تھام ہمارا
اے باد سحر! محفل احباب میں کہیو
دیکھا ہے جو کچھ حال تہ دام ہمارا

نہ کہہ تو شیخ مجھے، زہد سیکھ، مستی چھوڑ
تری پسند جدا ہے مری پسند جدا
خجل ہے آپ کی دیوار کی بلندی سے
ہماری آہ جدا ریشمہ کمند جدا

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بہ روز عید قرباں
وهي ذبح بهی کرے ہے وهي لے ثواب اُلٹا

مجھے چھیڑ نے کو ساقي نے دیا جو جام اُلٹا
تو کیا بہک کے میں نے اسے اک سلام اُلٹا

کیا خدا سے عشق کی میں رُرندائي مانگتا
مانگتا بهی اس سے تو ساري خدائی مانگتا

گو وعدہ کیا تم نے اور کھائی قسم لیکن
تسکین، دل اپنا کچھ اے یار نہیں پاتا

کسی طرح سے نہیں نیند آتي "انشا" کو
اسی خیال میں بے خوابیوں نے لوٹ لیا

جس شخص نے کہ اپني نخوت کے بل کو توڑا
راہ خدا میں اس نے گویا جبل کو توڑا
اپنا دل شگفتہ تالاب کا کنول تھا
افسوس تونے ظالم ایسے کنول کو توڑا

زلزلہ لایا ہے جسم مضمحل کا اضطراب
مرمٹے پر بهي گیا اپنے نہ دل کا اضطراب

ھمیں اس صنم کي ھے اُلفت بہت
جھکے جس کے سجدہ کو پتھر کے بت

گرچہ مے پینے سے کي توبہ ھے میں نے ساقی
بھول جاتا ھوں ولے تیری مدارات کے وقت

گر نکہت بہار سے مل جائے پوچھیو
میری طرف سے باد سحر خیروعافیت

بزم رندانہ میں کیا زھدو ورع کا چرچا
شیخ صاحب ھے بہت یہ تو قیامت کي بحث

صیاد لے خبر کہ دیا چاھتے ھیں جان
کنج قفس میں تازہ گرفتار چار پانچ

فضل خدا سے خیر بہر حال شکر ھے
کیا پوچھتے ھو مجھ سے دل افگار کا مزاج

ھے شب وصل کھلے کاھی نہ دروازۂ صبح
کم نہیں شور قیامت سے کچھ آوازۂ صبح

کریم جلد کرم کر کہ ہو مزاج صحیح
بہ رنگ نرگس بیمار ناتواں ہوں صریح
نسیم فضل و کرم میں تری وہ ہے بو باس
نہ پھونچے گرد کو، جس کے کبھی شمیم مسیح
نفس کو تنگ کیا ہے حرارت دل نے
ہلادے مروحۂ لطف تک پیئے ترویح

گھر سے باہر تو نہ نکلا تھا ہنوز
تیرے در پر سر نہ پھوڑوں کس طرح
آبروئے ابر یاں منظور ہے
آہ میں دامن نچوڑوں کس طرح
صاف دل کیونکر کروں تجھ سے بھلا
ٹوٹتی اُلفت پھر کے جوڑوں کس طرح

افسون نگہ سے تری اے ساقی بدمست
شیشہ میں ہوئی مثل پری اپنی نظربند
گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں ہم کوچے میں اُس کے
کیا کیجئے دروازہ ادھر بند ادھر بند

ابتدا سے دوستی میں دل کو ہے یہ بے کلی
کچھ نظر آتا ہے اِس آغاز کا انجام بد

نظر کر علی کو قرین محمد ہوا نور حق ہم نشین محمد
یہ اللہ کے نام سے ہے جہاں میں درخشندہ نقش نگین محمد

اجی سر اٹھا کر ادھر دیکھنا اسی چشم و ابرو پہ اتنا گھمنڈ
بس اے شمع کر فکر اپنی ذرا انہیں چار آنسو پہ اتنا گھمنڈ

چٹخارے کیوں بھرے نہ زباں تیرے ذکر میں
کوئی مزہ نہیں ہے ترے نام سے لذیذ

راتوں کو نہ نکلا کرو دروازے سے باہر
شوخی میں دھرو پاؤں نہ اندازے سے باہر

جو چاہو تم سو کہہ لو چپ چاپ ہیں ہم ایسے
گویا زباں نہیں ہے اپنے دہن کے اندر

آئے نہ آپ رات جو اپنے قرار پر
گزری قیامت اس دل امید وار پر

اپنے داغ جگر میں سوجھے ہے مجھ کو اس نازنین کی تصویر
نظر آتی ہے اشک "انشا" میں جبرئیل امین کی تصویر

کہا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر
فعل بد تو ان سے ہو لعنت کریں شیطان پر

نگہ جو پڑی تجھ سے رشک قمر پر
گئی پھیل بس چاندنی سارے گھر پر
مجھے رونا آتا ہے شمع سحر پر
کہ بے چاری اب مستعد ہے سفر پر

کہا یار آفت پڑے اس سحر پر
اُداسی برسنے لگی بام و در پر
نہ آنسو بہا دور ہو یاں سے شبنم
نمک کیوں چھڑکتی ہے زخم جگر پر
کوئی دیوتا تھا کہ جن تھا یہ کافر
مجھے غصہ آتا ہے پچھلے پہر پر

پھنس گئی عندلیب ہو بےکس   ہائے تنہائی اور کنج قفس

بس نہ دنیا کی رکھ اے صاحب ادراک ہوس
خاک ہی خاک ہے سب، خاک کی کیا خاک ہوس

بال و پر توڑ تک ہلاؤ پنجۂ و منقار سے
ہم صفیرو توڑ ڈالو دام کو چیر و قفس

ہو جائے اگر جہاں فراموش
کب دل سے ہو دل ستاں فراموش
تو بھولے یہ دخل کیا ہے ہم تو
کر بیٹھے ہیں خود کو یاں فراموش

آوارۂ دشت شوق میں مانند گرد باد
بھٹکا پھروں ہوں کرکے رہ کارواں غلط

ناداں کہاں طرب کا سرانجام اور عشق
کچھ بھی تجھے شعور ہے آرام اور عشق
پوچھا کسی نے قیس سے تو ہے محمدی
بولا وہ بھر کے آہ کہ اسلام اور عشق

دیکھ تو عشق کے دھڑکے کو شب وصل میں آہ
گرچہ ہے پاس ترے تو بھی ہے ششدر عاشق

تالب بام قفس اڑ نہ سکے ہم صیاد
اب تو پہونچا ہے یہ بے بال و پری کا عالم

کہتا ہے کہ نامے کو ترے آگ پہ رکھا
قاصد نے تو لو اور سنائی خبر گرم

ترک کر اپنے ننگ و نام کو ہم جاتے ہیں واں فقط سلام کو ہم
خم کے خم تو لنڈھائے یوں ساقی اور یوں ترسیں ایک جام کو ہم

بندہ درگاہ کی بھی اک نرالی ہے نماز
عرش سے بھی کچھ پرے ہے اس نمازی کا مقام
ہے خدا ہی سے توقع اب ترے بیمار کی
ورنہ کیا باقی رہا ہے چارہ سازی کا مقام
سید "انشا" کو نہایت ان دنوں تشویش ہے
بندہ پرور ہے یہاں بندہ نوازی کا مقام

دھوم اتنی ترے دیوانے مچا سکتے ہیں
کہ ابھی عرش کو چاہیں تو ہلا سکتے ہیں
مجھ سے اغیار کوئی آنکھ ملا سکتے ہیں
منہ تو دیکھو وہ مرے سامنے آ سکتے ہیں
چارہ ساز اپنے تو مصروف بہ دل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں
ہے محبت جو ترے دل میں وہ اک طور پہ ہے
ہم گھٹا سکتے ہیں اس کو نہ بڑھا سکتے ہیں

کہہ تو اے چرخ بھلا تجھ سے کسی طرح کبھی
دل کے ارمان ہمارے بھی نکل سکتے ہیں

اجی کیوں رو بیٹھے ہو ہم پاس نہیں گو زر و زور
عذر خواہي میں بھي پانؤں تو پڑ سکتے ہیں

یا وصل میں رکھے مجھے یا اپني ہوس میں
جو چاہئے سو کیجئے ہوں آپ کے بس میں
یہ جاے ترحم ہے اگر سمجھے تو صیاد
میں اور پھنسوں اس طرح اس کنج قفس میں
کیا پوچھتے ہو عمر کٹي کس طرح اپني
جز درد نہ دیکھا کبھي اس تیس برس میں

کیا ملا ہم کو تیری یاری میں — رہے اب تک اُمید واری میں
ہاتھہ گہرا کوئی لگا قاتل — زور لذت ہے زخم کاري میں
بندۂ بو تراب ہے "انشا" — شک نہیں اس کی خاکساري میں

کسي کے ہجر میں اپنے ہزاروں داغ ہیں دل پر
عوض مے کے بھریں گے ہم پر طاؤس شیشے میں

خلوت میں فائدہ کیا اغیار سب بہم ہوں
سب کو ہوا بتادو بس تم ہو اور ہم ہوں

کمر باندھے ہوے چلنے پہ یہاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقي ہیں جو طیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاري راہ لگ اپني
تجھے اٹکھیلیاں سوجھي ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں
یہ اپني چال ہے افتادگي سے ان دنوں پہروں
نظر آیا جہاں پر سایہ دیوار' بیٹھے ہیں

پھبن' اکڑ چھپ' نگاہ' سج' دھج' جمال' طرز خرام اٹھوں
نہ ہو وہیں اس بت کے گر پجاري تو کیوں ہو میلے کا نام اٹھوں
شکیب و صبر و قرار و طاقت' نشاط و آرام و عیش و راحت
تمہاري الفت میں کھو کے بیٹھا ہوں میں تو اب لاکلام اٹھوں

حیف ایام جوانی کے چلے جاتے ہیں
ہرگھڑی دن کي طرح ہم تو ڈھلے جاتے ہیں

جی نہ لگ جائے کہیں تجھ سے' اسي واسطے بس
رفتہ رفتہ ترے ہم ملنے کو کم کرتے ہیں
عشق میں شرم کہاں ناصح مشفق' یہ بہ جا
آپ کو کیا ہے جو اس بات کا غم کرتے ہیں

نالے پہ میرے نالے کرنے لگی ہے اب تو
بلبل نے یہ نکالا نخرا نیا چمن میں

کوئی اس ترک جفا پیشہ سے پوچھے تو سہی
کیا مگر رسم وفا آپ کے کشور میں نہیں
آج کچھ کام میں ہوں کوئی جو پوچھے مجھ کو
تو یہ باہر ہی سے کہدیجو کہ وہ گھر میں نہیں
میری اُمید بر آتی ہے اب "انشاء" اللہ
کون سی چیز ہے اللہ کے جو گھر میں نہیں

لیلے و مجنوں کی لاکھوں گرچہ تصویریں کھنچی
مل گئیں سب خاک میں جس وقت زنجیریں کھنچی

تفضلات نہیں، لطف کی نگاہ نہیں
معاملہ ابھی مطلق وہ روبہ راہ نہیں

یوں چاہئے آپس میں نہ اک آن جدا ہوں
اے رلولہ شور جنوں دست و گریباں

جس پر کہ ترا سایۂ دامان قبا ہو
کیوں اس کے تصدق نہ بھلا باد صبا ہو
اس دل کی اگر پاس ترے بوئے قبا ہو
دینا ہو غرض اور تو اے باد صبا ہو

لہرا دیا صبا نے جو گل سبزہ زار کو
و وہیں گھٹانے گھیر لیا چشمہ سار کو

چھیڑنے کا تو مزہ تب ہے کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہوگئے لو اور سنو

کام فرمائے کس طرح سے دانائی کو
لگ گئی آگ یہاں صبر و شکیبائی کو
دعوے کرتا ہے غزالاں حرم کے آگے
کس نے یہ بات سکھائی ترے سودائی کو
جی میں کیا آگیا "انشا" کے یہ بیٹھے بیٹھے
کہ پسند اس نے کیا عالم تنہائی کو

کہہ اٹھا قیس جھٹ آنا لیلیٰ جذبۂ عشق کی مدد دیکھو

ضعف آتا ہے دل کو تھام تو لو بولیو مت بھلا سلام تو لو

کوئی اس دام محبت میں گرفتار نہ ہو
اے خدا یہ تو کسی بندہ کو آزار نہ ہو
آج ہے دھوم اسیراں قفس میں کچھ اور
جا کے دیکھو تو کوئی تازہ گرفتار نہ ہو

کیوں بھلا محو جمال صاحب محمل نہ ہو
کیا کرے مجنوں جو اس کے بس میں اپنا دل نہ ہو
ایک اداسی کارواں پر چھا گئی اے سارباں
ٹک خبر لیجو کہیں لیلیٰ کی یہ منزل نہ ہو

کیا کام ہم کو سجدہ دیروحرم کے ساتھ
مستوں کا سر جھکے ہے صراحی کے خم کے ساتھ
او جانے والے مڑکے ذرا دیکھیو ادھر
مانند سایہ ہم بھی ہیں تیرے قدم کے ساتھ

کیوں نہ پھر شاہ پہ غالب ہو گدا کا سایہ
یاں قدم بوسی کو جھکتا ہے ہما کا سایہ

جوں موج ہوا اپنا تھا ہوش بھی اڑنے پر
اے نکہت گل تونے کیوں اتنی شتابی کی

سرگرم اختلاط رقیبوں سے ہو چکی
ناموس و ننگ و نام غرض آپ کھوچکے

واللہ میں بھی تنگ ہوں اب کاش اے صنم
جو کچھ نصیب میں ہو کہیں جلد ہوچکے

غیروں سے بات چیت ہے میرے ہی سامنے
یہ حال ہے تو خیر مجھے آپ کھوچکے

چند مدت کو فراق صنم و دیر تو ہے
چلئے پھرکعبہ بھی ہو آویں ذرا سیر تو ہو

آپ کے اس حباب کو مہر و وفا سے ربط کیا
بندہ نواز ہے بعید اپنے تو یہ قیاس سے
اُٹھتے ہی خفتگان خاک خواب عدم سے چونک چونک
موج نسیم کوئے یار آج تو تیرے پاس سے

سچ یہ آفت تری، یہ دھج، یہ خوش‌اندامی ہے
کہ نظر بھر کے تجھے دیکھیں تو بدنامی ہے

سیر گلشن کی نہ تکلیف ہمیں دے اتنا
کنج عزلت ہی میں ہم اپنے بھلے بیٹھے ہیں

جوں شعلہ برق آہ نکلتی ہے جگر سے
اے ابر مژہ دیکھیں تو برسات کی ٹھہرے

گرہ حسرت کی ہر تار نفس میں پڑ گئی جس سے
یہ کیسی ہوک ہردم اے دل پردرد اُٹھتی ہے

آنے اٹک اٹک کے لگی سانس رات سے
اب ہے امید صرف خدا ہی کی ذات سے
کل سے تو اختلاط میں تازہ ہے اختراع
رکنے لگے ہیں آپ مری بات بات سے
مطلق ملا کے آنکھ ادھر دیکھتے نہیں
آتے نظر ہو آج بھی کم التفات سے
''انشا'' نے آ لگا ہی لیا تم کو بات میں
ظالم وہ چوکتا ہے کوئی اپنی گھات سے

فنا فی اللہ کے رتبے سے پائی ہو جو آگاہی
تو کچھ جینے سے خوش ہو جی نہ کچھ مرنے کا غم کیجے

''انشا'' کی گفتگو وہ دھواں گرم ہے کہ آج
آکر بہار اس کے گلے سے لپٹ گئی

ابھی کہتا ہوں دروازے کی کنڈی کھول دو چپکے
نہیں تو میرا سر ہے آج اور صاحب کی چوکھٹ ہے

افشاں کا وہ عالم ہے اس چاند سے مکھڑے پر
جوں وقت سحر ''انشا'' سورج کی کرن نکلے

نکلے ہے خوں ٹھہر ٹھہر دل کی ہر اک خراش سے
چھیڑ دو اس کو دوستو تیز قلم تراش سے
موسم گل سے دوستو جائے وہ سیر باغ کو
اُٹھنے کی تاب جس کو ہو تکیہ گہ فراش سے

شہر سے دل اچاٹ ہے آنسو نہیں اجاڑ سے
سر کو پٹکئے اے جنوں کون سے اب پہاڑ سے

" انشا اللہ " شاید آیا اس کوچے میں بھیڑ بھاڑ سی ہے

کچھ تہی دستی ہی تنہا دشمن '' انشا '' کی نہیں
عشق و ہجر و نوجوانی گردش ایام بھی

محیط عشق کے امواج طوفاں خیز ہیں تس پر
کہے ہے نا خدا یاں سے ہزاروں کوس ساحل ہے

خیال ہستی موہوم دل سے دور کر " انشا "
سفر درپیش ہے تجھ کو تو اس پر آہ غافل ہے

کھپ گئی آنکھوں میں کل جلوہ نمائی تیری
مجھ کو کیا جانے کے کیا بات خوش آئی تیری

قصہ میں ترے ہم نے بڑا لطف اُٹھایا
اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے

اس دل جلے کو ہجر میں اے آتش فراق
ایسا ہی پھونکیو کہ نہ باقی نشاں رہے

ہم صفیراں چمن دیکھئے کیا ہوتا ہے
آج صیاد پھر آیا قفس و دام لئے

کل وہ نگہ اُچٹتی ہوئی یوں جو پڑ گئی
بےاختیار اس سے مری آنکھ لڑ گئی

کیا کیا آہ ناتواں تو نے   آگ سی پھونک دی یہاں تو نے

گالی سہی ، ادا سہی ، چین جبیں سہی
یہ سب سہی پر ، ایک نہیں کی نہیں سہی
گر نازنیں کے کہنے سے مانا برا ہو کچھ
میری طرف کو دیکھئے میں نازنیں سہی

بندگی ہم نے تو جی سے اپنے ٹھانی آپ کی
بندہ پرور خیر آگے قدر دانی آپ کی

لب پر آئي هوئي يه جان پهرے
یار، گر اس طرف کو آن پهرے

دل کي بهڑک نے مجهہ کو گهبرا دیا عزیزو !
اس کو نکال ڈالو اک تیز سی چهري سے
پهولوں کی سیج پر تو واں چاندني میں سویا
اور رات هم نے کاٹی یاں سخت بےکلي سے

پهبتی ترے مکهرے په مجهے حور کی سو جهی
لا هاتهہ ادهر دے که بهت دور کي سوجهی

پهونچے بے پر کوئي اس گل تلک "انشا" کیا دخل ؟
بلبل اس رشک تمنا میں مري جاتی هے

زمیں سے اُٹهی هے یا چرخ پر سے اُتری هے
یه آگ عشق کی یا رب کدهر سے اُتري هے

لپٹ نسیم گئی بوئے گل کی چهاتي سے
الهي اپنا بهي روٹها هوا کهیں من جائے

پهر کچهہ گئے هوؤں کي مطلق خبر نه پائی
کیا جانئے کدهر کو جاتا یه قافله هے

بار گراں اُٹھاتا کس واسطے عزیزو
هستي سے کچھھ عدم تک تھوڑا هي فاصلہ ہے

یہ دو روزہ نشو و نما کو تو نہ سمجھ کہ نقش بر آب ہے
یہ سر اب ہے ' یہ حباب ہے ' فقط ایک قصۂ خواب ہے

ہے جي میں قفل خانۂ خمار توڑئے
یعني در بہشت کو یک بار توڑئے

زنہار ہمت اپني سے ہر گز نہ ہارئے
شیشے میں اس پري کو نہ جب تک اُتارئے

مجنوں تو سوکھہ ساکھہ کے اک خار بن گیا
لیلٰی کا چہرہ مثل گل ورد ہے سو ہے

کسی نے اس کی شکایت جو کی تو منہ بولا
وہ کیوں نہ جبر کرے کس کے اختیار میں ہے

معلوم نہیں روتے ہیں کس آئینہ رو سے
پانی جو اترتا نہیں غنچوں کے گلو سے

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے   وہ تو بےچاری آپ ننگی ہے

——

اور بھڑکی ہے اشتیاق کی آگ   اب کسے صبر و تاب باقی ہے

——

یاں زخمی نگاہ کے جینے پر حرف ہے
ہے دل پر اپنے زخم کہ سینے پہ حرف

قصائد

حمد

اے خداوند مہ و مہر و ثریا و شفق
لمعۂ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق
بیٹھ کر مکتب ابداع میں تونے کھولے
دفعتاً نسخۂ افلاک کے جوں سات ورق
تذکرہ پھر تو ہوا مسئلۂ وحدت کا
عقل اول نے پڑھا تجھ سے بادب ہو کے سبق
کیجئے گر نظر غور بہ انواع صفات
خیرہ ہو ذہن کہے ہے یہ مسائل ہیں ادق
خلق انساں کو کیا نام پہ اس کو بخشی
ہیئت جسم کو کر کے متشکل زعلق
جلد دے لحم کی تصویر بن غازیہ سے
ایک پردے میں قوا اخذ کریں اپنا حق
ہیں سب اعصاب و شرائیں و رباط اس لئے تا
روح کی آمد و شد کو نہ رہے رنج فرق

ذوق و بصر و لمس و سمع و شم و وهم و خیال
بن کہے تو نے دئے ہم کو کریم مطلق
صدقہ اس بندہ نوازی کی تری ہم جاویں
باپ ماں ہوتے ہیں کب ایسے شفیق و اشفق
بحر مواج حقائق سے گزر کون سکے
ہاں مگر فضل ہے تیرا ہی بہ جائے زورق
روز و شب حضرت خلاق ترے حکم میں ہیں
عرش و لوح و قلم و شش جہت و ہفت طبق
حمد کے بعد یہ شکریہ ادا کرتا ہوں
شکر صد شکر ہے اے حمد و ثنا کے الیق
کہ مجھے دین محمد میں کیا تونے خلق
ورنہ تھی اور بھی انواع کے ادیان و طرق

مدح بادشاہ

جشن و نشاط و خوش دلی و عشرت نعم
عیش و خوشی میں چین سے خوش وقت ہو بہم
فرخندگی بخت پہ نازاں تھے اپنے سب
ہر ایک نغمہ سنج تھا با طوطی ارم
فیض سحاب فرح سے تھی مزرع امید
گل گل کبھی شگفتہ نہیں ہوتے صبح دم
بلبل کو یہ طرب نہ ہو ہرگز بہ فصل گل
غنچوں کو یہ شگفت نہیں ہوتی صبح دم
قمری کو وصل سرو کی اتنی نہیں خوشی
آہو کو یہ سرور نہ ہوے بہ وقت رم

جو کچھ که جو ششیں تھی غرض اُن سبھوں کے ساتھ

ممکن نہیں که کیجے بیاں اُن سے بیش و کم

خدمت میں اُن سبھوں کي کہا میں نے التماس

شادي کي وجهہ کیا هے خبر پاویں کچھہ تو هم

بارے یه کیا نشاط هے هم بھي تو کچھہ سنیں

خوش ہوے فرح سے هو همارا بھي تازہ دم

شامل مجھے بھی کیجئے اس عیش میں که میں

حضار بزم خاص سے هوں مورد کرم

دینے چلے هیں اس کو مبارک که آج وہ

شاهنشه زمانه هے بر مسند حشم

وہ واجب الاطاعت و مسجود خلق هے

دوراں کے بیچ میں وہ جو هے شاہ محترم

معنی آیۀ واولے الامر منکم آ

تفسیر بیچ دیکھہ لو قرآن کی قسم

یعنی وہ شاہ عالم و فخر جهانیاں

عالي گہر ' خجسته سیر ' معدن همم

شاہ نجف نے قبضه میں دي جس کے ذوالفقار

دو ٹکڑے جس سے هو وے عدو بیش هو نه کم

جو حسن خلق اس میں هے ' هے خلق میں کہاں

ذات ستودہ الغرض اس کي هے مغتنم

جس کے رکاب میں هیں سلاطین روزگار

گردن کشان دهر هیں جس کے که سب قدم

" مدح شہزادہ سلیمان شکوہ "

صبح دم میں نے جو لی بستر گل پر کروٹ
جنبش باد بہاری سے گئی آنکھ اُچٹ

دیکھتا کیا ہوں سر ہانے ہے کھڑی ایک پری
جس کے جوبن سے ٹپکتی ہے نری گدراہٹ

عطر میں ڈوبی ہوئی زور سے بوباس اُس کی
بل بے سج دھج تری بل بے یہ تری نرماہٹ

آفتاب اس کی جبیں کے جو مقابل ہو وے
صدقے ہو ہو کے کہے اُف رے تری چمکاہٹ

موتیوں سے جو بھری مانگ وہ دیکھے اُس کی
سیر سے تاروں بھری رات کی جی جائے ہٹ

حرکت اس کی تھی یوں غمزۂ چالاک کے ساتھ
رند جوں ایلڈ کے میخانے میں لیویں کروٹ

چتون اٹکھیلی بلا نرگس و جادو آنکھیں
آنکھ ایسی ہے کہ دے برق کی چشمک کو اُلٹ

شوخی اس روپ سے اس تار نظر میں کھیلے
آتا جاتا ہو رسن پر کوئی جس طرح سے نٹ

الغرض تھی جو اس اوصاف سے موصوف، اُس نے
اپنے مکھڑے، سے دوپٹے کے مسلسل کو اُلٹ

مجھ سے سر مکھ ہو کہا، دولت بیدار ہوں میں
خواب غفلت سے بس اب چونک گلے میرے لپٹ

مجلس آراستہ تو سالگرہ کی اس کی
جس کے ہر لحظہ دعا دینے میں ہے سب کو لٹ

یعنی وہ شاہ سلیماں کہ شکوہ اس کے سے
نیر حشمت و اقبال کو ہے چمکاهت
جشن شاهانہ هے ' هیں امرا حاضر وقت
اس کے مجرے کو کھڑے فوجوں کی هیں غت فت
هے یہ دهڑکا دهل و کوس کی آوازوں سے
سینۂ گاو زمیں آج کہیں جائے نہ پھٹ
سنتے هي میں نے یہ دولت سے خوشی کا مژدہ
شرف اندوز هوا خدمت اقدس میں جھٹ

سالگرہ بادشاہ انگلستان

بگھیاں نور کی طیار کر اے بوئے سمن
کہ هوا کھانے کو نکلیں گے جوانان چمن
عالم اطفال نباتات پہ هوگا کچھ اور
گورے کالے سبھی بیٹھیں گے نئے کپڑے پہن
کوئي شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر
بیٹھ کر جلوۂ کرسي پہ دکھاوے گا پھبن
شاخ نازک سي کوئی هاتھ میں لے کر ایک کیمت
هو الگ سب سے نکالے گا نرالا جوبن
اپنے گیلاس شگوفے بھي کریں گے حاضر
غنچے گل سب هی وهاں کھولیں گے بوتل کے دهن
اهل نظارہ کے آنکھوں میں نظر آویں گے
باغ میں نرگس شہلا کے هو آئے چتون

اور ہی جلوے نگاہوں کو لگیں گے دینے
اودی بانات کی کرتی ہے شکوہ سو سن
کھینچ کر تار رگ ابر بہاری سے کئی
خود نسیم سحر آوے گی بجانے ارگن
نےنوازی کے لئے کھول کر اپنی منقار
آ کے دکھلاوے گی بلبل بھی جو ہے اس کا فن
آئے گا نذر کو شیشہ کی گھڑی لے کے حباب
یا سمن پتوں کی شیشے میں چلے گی بن ٹھن
نکہت آوے گی نکل کھول کلی کا کمرا
ساتھ ہولے گی نزاکت بھی جو ہے اس کی بہن
حوض صندوق فرنگی سے مشابہ ہونگے
اس میں ہو ویں گے پریزاد بھی سب عکس فگن
کیا تعجب ہے جو فواروں کی ہو سارنگی
رعد کے طبل بجیں ایسے کہ ہوں مست ہرن
ناچنے کو ہو کھڑی آن کے چپلا بائی
چوکڑی بھولیں جسے دیکھ غزالان ختن
کوٹ کوٹ اس میں بھرا ہے یہ قدرت نے جمال
روشنی مانگ لیں اس مکھڑے سے نسرین و پرن
یعنی وہ رشک پری کہتے ہیں بجلی جس کو
تیرہ ہے جس کی جدائی سے جہاں روشن
ہے وہ نک سک سے درست ایسی کہ سبحان اللہ
بل بے دھج، بل بے اکڑ، بل بے ترا متکا پن

(مثنوی ہجو پشہ)

مچھروں کو ہوا ہے اب کی یہ اوج
دب گئی جن سے مرہٹوں کی فوج

سوکھے سہمے ہیں کالے کالے ہیں
یہ بھی پر کوئی گھورے والے ہیں
ہیں تو پتہ میں صاف گھس آتے
اور لحافوں میں ہیں سما جاتے
ان کے بھنانے کی ہے یہ آواز
تار جس سے کبھو نہ ہو ہم ساز
نیش گو ان کی ریزے ریزے ہیں
جڑتے بھنکار کر یہ نیزے ہیں
ناک میں ہر طرف سے ہو کے دخیل
پھونکتے ہیں یہ صور اسر فیل
ہے سیہ پھول کی کلی ان سے
سب کو ہے ایک بے کلی ان سے
کس کو یہ چین لینے دیتے ہیں
نیند آنکھوں کی لوٹ لیتے ہیں

مصحفی

شیخ غلام ہمدانی نام، امروہہ کے رہنے والے - ابتدائی جوانی میں دھلی گئے - مشہور عالم مولوی مستقیم سے درسیات پڑھے - دھلی قیام کے زمانہ میں ان کے گھر پر اکثر مشاعرے ہوتے تھے دھلی کی بربادی پر گھر سے نکلے ۔ پہلے کشمیر پہونچے، شیخ قیام الدین قائم کے ذریعہ سے نواب محمد یار خاں کے دربار میں رسائی ہوگئی، انہوں نے ایک قصیدے کے صلے میں کچھ ماھانہ تنخواہ مقرر کردی - کچھ دنوں تک ٹانڈے میں خوش حالی سے زندگی بسر کرتے رھے - جب نواب محمد یار خاں کا زمانہ بدل گیا تو لکھنؤ گئے - وھاں سے دھلی اور دھلی سے پھر لکھنؤ پہونچے - لکھنؤ میں مرزا سلیماں شکوہ کے مصاحب خاص ھو گئے - مشق سخن ھر حالت میں جاری رھی اور ترقی کی طرف قدم بوھتا گیا یہاں تک کہ ان کی استادی مسلم ھو گئی - اور شاعروں کے خلاف شیخ مصحفی کی طبیعت میں مسکینی اور حلم بہت تھا، اس لئے تمام شعرا ان کا ادب کرتے تھے -

"مصحفی" کی طبیعت میں ایسی جولانی اور روانی تھی کہ وہ کسی خاص رنگ یا مخصوص صنف کی پابند نہ تھی درد، سادگی، کثرت مضامین ان کے کلام کے خاص جوھر ھیں - قواعد زبان - اصول عروض اور صحت محاورات کا بہت خیال رکھتے تھے -

"میر" اور "سودا" کے بعد "مصحفی" کے مقابلے کا کوئی استاد نہیں گذرا

ان کے شاگردوں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ صرف لکھنؤ میں ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ گئی تھی - جن میں سے بیشتر نامآور اور مشہور زمانہ ہوئے - ان میں "آتش" "خلیق" ضمیر" اسیر" اپنی اپنی جگہہ خود استادان فن تسلیم کئے گئے اُردو کے اٹھہ دیوان اُن کے تصنیف ہیں - لیکن وہ اب کمیاب ہیں ان کے چار دیوانوں کا انتخاب رام پور میں شائع ہوا تھا -

اس انتخاب کا انتخاب ذیل میں پیش کیا جاتا ہے - شیخ "مصحفی" نے ۷۹ برس کی عمر میں سنہ ۱۲۴۰ ھ میں انتقال کیا اور لکھنؤ میں سپرد خاک ہوئے -

انتخاب

نظارہ کروں دھر کي، کیا جلوہ گری کا
یاں عمر کو وقفہ ھے چراغ سحری کا
کیا لطف مقام ان کو جو مشتاق عدم ھیں
دل کوچ میں رھتا ھے ھمیشہ سحري کا
بندہ ھے ترا، ”مصحفی“ خستہ کو یارب
محتاج طبیبوں کي نہ کر چارہ گری کا

اگر اب کی بہار آئی تو ھم ان جامہ زیبوں کو
دکھائیں گے تماشہ دھجیاں کرکے گریباں کا
نہ ھم مرھم سے کچھ واقف نہ پھاٹے کو سمجھتے ھیں
ھمارے زخم پر احسان ھے تیرے نمک داں کا

بے رونقي سینہ میں ھے، اب کس کو دکھاؤں
داغوں سے بتوں کے کبھی گل زار یہي تھا
دامن کو کیا رشک چمن خوب ھي، شاباش
رونے کا حق اے دیدۂ خوں بار یہي تھا
کیوں قتل کیا ”مصحفی“ خستہ کو تونے
کیا چاھنے والوں میں گنہہ گار یہي تھا

اور سب کچھ جہاں میں ملتا ہے
لیکن اک آشنا نہیں ملتا
شیخ کعبے سے اٹھ نکل باہر
گھر میں بیٹھے خدا نہیں ملتا
دل دیوانہ رات سے گم ہے
کہیں اس کا پتا نہیں ملتا

ہستی کا حساب کچھ نہ نکلا
جز عالم خواب کچھ نہ نکلا

صدقے اس مرغ گرفتار کے جواڑکے رہیں
پھر گیا دام کے جانب جو قفس سے چھوٹا

اس کی انکھوں کو نہ دیکھا مرے غم خواروں نے
جرم نظارہ عبث میری نظر پر رکھا
کیا کروں شکر ادا آپ کے آنے کا، کہ رات
جو قدم آپ نے رکھا مرے سر پر رکھا

سو سو طرح کا حادثہ مجھ پر گذر چکا
تو اب تلک نہ اے دل بے تاب مرچکا

میں ہوں اور خلوت ہے اور پیش نظر معشوق ہے
ہے تو بیداری مگر کچھ دیکھتا ہوں خواب سا

جز آہ وہاں کوئی کرے کیا
کچھ بس نہ چلے جہاں کسی کا

سوتے ہی ہم رہ گئے افسوس ہائے
قافلۂ یاروں کا سفر کر گیا
جادۂ شمشیر تھا یہا کوئے یار
پاؤں کے رکھتے ہي وہاں سر گیا

سر جہانہ ہمیں خاک بھي کچھ بے بصري ہے
یاں ورنہ ہراک ذرے میں خورشید عیاں تھا
رکھیو مجھے معذور تم اے قافلے والو
مانند جرس دل مرا لبریز فغاں تھا

نہ پوچھ عشق کے صدمے اُٹھائے ہیں کیا کیا
شب فراق میں ہم تلملائے ہیں کیا کیا
میں اس کے حسن کے عالم کي کیا کروں تعریف
نہ پوچھ مجھ سے کہ عالم دکھائے ہیں کیا کیا

خیال یار جو شب مجھ سے ہم کنار رہا
تمام شب میں اُسي کے گلے کا ہار رہا
تہ مزار ہماری ہوئیں نہ انکھیں بند
کہ مرکے بھي ترے آنے کا انتظار رہا

ملے نہ آکے کبھی "مصحفی" سے تم افسوس
امیدوار تمہارا امیدوار رہا

جو ہم سے وعدۂ دیدار یار ٹھہرے گا
تو کچھ نہ کچھ یہ دل بے قرار ٹھہرے گا
کرے گی تن کو بھی بے تاب، بے قراری روح
ہوا میں خاک یہ مشت غبار ٹھہرے گا
خدنگ خوردہ دل آگے سے اس کے جاتا ہے
بہ جز عدم نہ کہیں یہ شکار ٹھہرے گا
شتاب آئیو ٹھہرا رکھیں گے ہم اس کو
جو دم لبوں پہ شب انتظار ٹھہرے گا

فسانہ اک طرف، شب ہائے ہجراں کی درازی کا
قیامت، ماجرا نالوں کی ہے ہنگامہ سازی کا

ہجوم گریہ زبس رات چشم تر میں رہا
نہ ایک قطرۂ خوں صبح تک جگر میں

سمجھے نہ وہ مومن اور کافر
دل چاہئے اس کو ہر کسی کا

اب نہ فرہاد ہے نہ مجنوں ہے
رہ گیا عاشقوں کا افسانا

عالم ہمیں خوش آیا از بس کہ اس جہاں کا
آکر عدم سے بھولے نقشہ بھی ہم وہاں کا
اک جام مے کے خاطر پلکوں سے اپنی زاہد
جاروب کش رہا ہے برسوں درمغاں کا

آئینہ وہ دیکھتا ہے عکس آئینہ اُسے
حال کچھ کھلتا نہیں ہے ناظر و منظور کا
معنئی الحق یعلوا سب جہاں پر کھل گئے
دار پر جس وقت سر اونچا ہوا منصور کا

عمر آخر مٹ گیا داغ اس دل رنجور کا
صبح پیری میں اثر تھا مرہم کافور کا
کب کوئی مجھ سا ہے عاشق اس رخ پر نور کا
چاہئے موسے سا پروانہ چراغ طور کا

جلد آکہ ہوا وقت مری جاں شکنی کا
یہ وقت تو ظالم نہیں پیماں شکنی کا

اس مرگ کو کب نہیں میں سمجھا
ہر دم، دم واپسیں میں سمجھا
سب خلق کی سر نوشت پڑھ لی
اپنا نہ خط جبیں میں سمجھا

مشکل ہے کتاب حسن تیری
سمجھا نہ کہیں، کہیں میں سمجھا

صدمے سو دل پہ ہوئے ہم نے نہ جانا، کیا تھا
واہ رے ذوق وہ الفت کا زمانا کیا تھا
عمر گھٹتی جو مری اس کا نہ تھا مجھ کو گلہ
اے فلک وصل کی شب تجھ کو گھٹانا کیا تھا
میں نے مانا کہ مصمم تھا تجھے قصد سفر
منھ پہ یہ بات، مرے سامنے لانا کیا تھا

خلل انداز ہوئی حسرت عاشق، ورنہ
غیر سے عہد محبت تو کئی بار بندھا

جنوں عشق جو مجھ سے نہ دشمنی کرتا
کبھی تو ہاتھ گریباں سے آشتی کرتا

کیا کہوں میں جو مزہ برش شمشیر میں تھا
لیک، بے زخم ہی مرنا مری تقدیر میں تھا
کسی کوشش کسی تدبیر سے کیا ہونا تھا
پھر آیا وہی جو کچھ مری تقدیر میں تھا

سمجھے وہ مرغ خستہ، مرے اضطراب کو
سینے میں جس کی ٹوٹ کے پیکان رہ گیا

وائے وہ زخمی کہ سنبھلا اور سنبھل کر رہ گیا
مرغ بسمل کی طرح دو گام چل کر رہ گیا

اللہ رے ترے سلسلۂ زلف کی کشش
جاتا ہے جی اُدھر کو کھینچا کانٹاس کا

اے "مصحفی" بتوں میں ہوتی ہے یہ کرامت
دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا

کیا غرض تھی طرف دیر و حرم کیوں جاتے
اس کے کوچے میں ہمیں عمر بسر کرنا تھا
تیغ قاتل کو عبث ہاتھ پہ روکا افسوس
"مصحفی" تجھ کو یہاں سینہ سپر کرنا تھا

طرفہ رونا ہے میں اس دیدہ‌تر سے گذرا
چار ہی اشکوں میں پانی مرے سر سے گذرا
لذت زخم میں بے خود ہیں ہمیں کیا معلوم
آہ سینے سے کہ وہ تیر سپر سے گذرا

غم خوار مرا دل بھی تو اصلا نہیں ہوتا
ہنگام مصیبت کوئی اپنا نہیں ہوتا
کیا تیر گئی بخت مری اس میں ہے شامل
جو آج کی شب صبح کا تڑکا نہیں ہوتا

جذبۂ عشق دکھاتا جو اثر اے لیلیٰ
جانب وادی مجنوں رخ محمل ہوتا

نو بہار آتے ہی ہم نے قفس آباد کیا
نالے کرنا ہمیں منظور گلستاں میں نہ تھا

جی رات لبوں پر آرہا تھا
مرنے میں ہمارے کیا رہا تھا

ساقی شراب لایا، مطرب رباب لایا
مجھ پر تو اک قیامت عہد شباب لایا
اے ''مصحفی'' تو اب کیا منہ دیکھتا ہے پی بھی
لبریز کر کے ساقی جام شراب لایا

تمہیں اے ''مصحفی'' کیا ہو گیا ہے ہم سے سچ کہہ دو
یہ قصہ تم کہا کرتے ہو اب دو دو پہر کسی کا

ہاتھ خالی مرا دنیا میں جو بالکل ہوتا
تو بھی زاد سفر راہ تو کل ہوتا

سینہ جلتا ہے تب غم سے نہیں ضبط کی تاب
ہاتھ رکھتا ہے اسی واسطے دل پر اپنا

کیسی بہار میں کی طالع نے نارسائی
پر تک قفس سے اڑ کر گلزار تک نہ پہنچا

آدم کو سجدہ گاہ ملایک بنا دیا
یہ رفتہ رفتہ مرتبۂ مشت گل ہوا
بیٹھا جو جم کے یار کے پہلو میں کل رقیب
دم رک گیا مرا کہ وہ چھاتی کی سل ہوا

کچھ یار کے دامن کی خبر پوچھ نہ مجھ سے
یاں ہاتھ سے اپنا ہی گریباں کھا تھا

منظور کب تھا کعبہ و بتخانہ دیکھنا
دونوں جگہہ تھا جلوۂ جاناں نہ دیکھنا

انکھ اپنی سوئے در ہی رہی رات دن لگی
نظروں میں جس سے وعدۂ دیدار ہو گیا
ایسا ذرا غبار اگر میرے یار کے
وہ بھی تو درمیان میں دیوار ہو گیا

ہم نام ہی سنتے ہیں فقط مہر و وفا کا
انکھوں سے کہیں مہر و وفا کو نہیں دیکھا

یاروں کی فقط جنبش دامن پہ نظر ہے
افسوس کہ اس جنبش پا کو نہیں دیکھا

ملنے سے میرے یار کو انکار ہی رہا
جب تک جیا میں وعدہ دیدار ہی رہا
فرصت کبھی نہ مجھ کو گریباں دری نے دی
دست جنوں گلے کا مرے ہار ہی رہا

محشر کو تھا جو وعدۂ دیدار آپ کا
حاضر ہوا یہاں بھی گنہگار آپ کا
جس روز ہم کو سایۂ طوبی میں جا ملے
آئے گا یاد سایۂ دیوار آپ کا

یوں آئینہ دل کو جو ہم گھور رہے ہیں
اس میں تری صورت نظر آتی ہے ہمیں کیا

کچھ دیر ہے رہائی مرغ اسیر میں
جائے ابھی چمن سے نہ موسم بہار کا
دیکھو شبیہ عاشق و معشوق کا ورق
گویا مقابلہ ہے خزاں و بہار کا

کیوں پھڑکتا ہے قفس میں اسے آزار ہے کیا
یہ تو پوچھو ہوس مرغ گرفتار ہے کیا

پائے پر آبلہ مہرے یہ سمجھتے ہی ہیں
نوک سوزن کی کسے کہتے ہیں اور خار ہے کیا

گلی سے یار کے قاصد مرا شتاب آیا
جواب صاف ملا خط کا یہ جواب آیا

عالم ہے بت پرستی عاشق سے مطلع
جب سامنے خیال بت آیا صنم ہوا

دیکھنا ! ضد تب رہا صیاد نے مجھ کو کہا
باغ سب تاراج جب باد خزاں سے ہو گیا

جو خوب رو ہے اس کو خریدار ہے ضرور
یوسف کو حسن بر سر بازار لے گیا
کنج قفس سے چھوٹ کے پہنچا نہ باغ تک
حسرت ہی دل میں مرغ گرفتار لے گیا

جس کی صورت آنکھ سے اوجھل کبھی ہوتی نہ تھی
اب اسی کا تشنۂ دیدار میں رہنے لگا

اے وائے آگیا مرے آرام میں خلل
خواب عدم سے اس نے یہ مجھ کو جگا دیا

تجھ سے نا چار ھیں اے مرگ! وگر نہ ہم تو
قصد کرتے نہ کبھی زیر زمیں جانے کا

گرم سفر رھے' پر منزل کو ھم نہ پہنچے
آوار گی نے ھم کو ریگ رواں بنا یا

کنج قفس میں لطف ملا جس کو' وہ اسیر
چھوٹا بھی تو کبھی نہ سوئے آشیاں گیا
یاراں رفتہ ھم سے منہ ایسا چھپا گئے
معلوم بھی ھوا نہ کدھر کارواں گیا

ھوا ھے دشمن جاں اب تو باغباں میرا
چمن میں رھنے نہ دے گا یہ آشیاں میرا

گردن تک آکے پھر گئی وہ تیغ آبدار
پیمانہ ھوکے عمر کا معمور رہ گیا

پیری سے ھوگیا ھے یوں دل کا داغ ٹھنڈا
جس طرح صبح ھوتے کر دیں چراغ ٹھنڈا

انگڑائی لیکے اپنا مجھ پر خمار ڈالا
کافر کی اس ادا نے بس مجھ کو مار ڈالا

جب چل سکا نہ ہم سے بار گراں هستی

یہ بوجھ سر سے ہم نے آخر اوتار ڈالا

افتادگان وادی غربت کی سر گذشت

کرتا هے خود بیاں لب خاموش نقش پا

عاشق کے نہ ملنے کا سبب کچھ بھی تو ہوگا

منظور اسے لطف و غضب کچھ بھی تو ہوگا

مہندی هے کہ قہر هے خدا کا

ہوتا هے یہ رنگ کب حنا کا

ترے خیال کو بھی ہم نے شب نہ پہچانا

اگرچہ دیر تلک وہ دو چار ہم سے رہا

ہم اسیران قفس کو تب خبر دی تو نے آہ

لٹ گئے جب باغ میں پھولوں کے خرمن اے صبا

دل تڑپ میں نہیں واقف هے شکیبائی کیا

جان ہی لے گی ہماری شب تنہائی کیا

''مصحفی'' گوشے میں بیٹھا هے جو خاموش سا آج

تیری تصویر کسی نے اسے دکھلائی کیا

رونے سے کام بس کہ شب اے ہم‌نشیں ! رہا
انکھوں پہ تابہ صبح : سر آستیں رہا

یاران گرم رو تو سب آگے نکل گئے
اللہ رے ضعف : ان سے میں پیچھے کہیں رہا

ہرگز ہوا نہ کام مرا ایک دن تمام
میں نیم کشتہ نگہ شرمگیں رہا

کیا میرے رنگ زرد کا چرچا ہے دہر میں
رنگ ایک سا کسي کا ہمیشہ نہیں رہا

کیوں جاؤں بار بار نہ اس درپہ ''مصحفي''
کہنے میں میرے اب تو مرا دل نہیں رہا

سوز غم پنہاں سے دل اپنا جو بر آیا
پر کالہ آتش تھا جو لخت جگر آیا

'' مصحفی '' یہ مرض غم ہے ' تو مر جاؤ گے
کچھ علاج دل بیمار کرو تم اپنا

جو اٹھ گیا فلک کے ستانے سے اُٹھ گیا
آسودگی کا حرف زمانے سے اُٹھ گیا

گو اب ہزار شکل سے جلوہ گري ہوئي
اپنا تو دل اس آئینہ خانے سے اُٹھ گیا

باقي نہ ''مصحفي'' کا رہا خاک بھي نشاں
نقش قدم کي طرح زمانے سے اٹھ گیا

میں نے تو ترے عشق میں کیا کیا نہیں کیا
سب کچھ کیا پہ پر تجھے رسوا نہیں کیا

مجھے آتا ہے رحم اس طائر بے پر کی حسرت پر
نہ اڑ سکتا نہیں اور ہے قریب آشیاں بیٹھا

بے نصیبی کا گلہ ہے کہ ہم اس دم پہنچے
گر کے جب ہاتھ سے ساقی کے سبو ٹوٹ گیا

نظر آتا ہے کہ اک روز میں اس گلشن سے
خاک اڑاتا ہوا مانند صبا جاؤں گا

پردہ نہ اٹھایا کبھی رخسار سے اس نے
تا زیست مجھے حسرت دیدار میں رکھا

تھی فکر اعمال جرم میں کس کو قبر میں قتل
اتنے میں یاد اس کو مرا نام آگیا
افسوس ہے کہ ہم تو رہے مست خواب صبح
اور آفتاب حشر لب بام آگیا

دل میں کہتے تھے ملے یار تو کچھ اس سے کہیں
مل گیا وہ تو نہ اک حرف زباں سے نکلا

خوبان خوش خرام سے شکوہ یہ ہے کہ ہائے
کچھ دھیان بھي کیا نہ کسي پائمال کا

ہاتھ سے جب کہ ترا گوشۂ داماں چھوٹا
ایک ساعت نہ کشاکش سے گریباں چھوٹا

سب کو نامے میں لکھا اس بت کافر نے سلام
آئی نوبت جو مری، میں قلم انداز ہوا

کشش عشق نے لیلی کو دکھائي تاثیر
آج مجنوں کی طرف ناقہ بہت تیز آیا

جدھر دیکھو ادھر چرچا ہے ان ہنگامہ سازوں کا
چلے فتنے کي کیا ، یاں دور ہے دامن درازوں کا

جب آنکھ اس سے لڑ گئي مر مر کے ہم بچے
یعني ہمیں نہیں ہے سزاوار دیکھنا

تو کرے ناز اگر حسن پر اپنے ، ہے بجا
کہ بناکر تجھے خالق نے بہت ناز کیا

ہے یہاں کس کو دماغ ؟ انجمن آرائی کا
اپنے رہنے کو مکاں چاہئے تنہائی کا
بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام
کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا

میں فقط بے صبر و طاقت ہجر میں اس نے نہیں
دل بھی اب بے طاقتی کو کام فرمانے لگا

ہم بھی بیٹھے ہیں سرِراہ بنا کر تکیہ
جی میں آئے تو فقیروں سے ذرا مل لینا

ملنے میں کتنے گرم ہیں یہ ہائے دیکھنا
کشتہ ہوں میں تو شعلہ رخوں کے تپاک کا
اے باغباں نہ مجھ سے خفا ہو کہ اب چلا
اک دمِ خوش آگیا ہے مجھے سایہ تاک کا

کب سے کھلی ہیں آنکھیں مری انتظار میں
اے صبح منہ دکھا کہیں اے آفتاب آ

ہے تماشا کدۂ خلق مری خاک مزار
جی میں آئے تو ذرا تو بھی یہاں ہو جانا

کوچۂ عشق میں پرسش کی نہیں بات کوئی
سہل سی بات ہے، یاں جی کا زیاں ہو جانا

یہی رہتا ہے ترے کوچے میں اندیشہ مجھے
کہ میں اس در سے اُٹھوں گا تو کدھر جاؤں گا
جسطرح پیش نظر سارا زمانہ گزرا
میں بھی اک روز اسی طرح گزر جاؤں گا

اک جیب تھا سو نذر کیا تیرے اے جنوں
لاؤں کہاں سے اب میں گریبان دوسرا

غرض ہر وقت روتے ہی رہے ہم دل کے ماتم میں
نہ سوکھا ایک دن رومال اپنے دیدۂ تر کا

یا تو آگے دیکھ کر آئینہ شرماتے تھے تم
یا وہ اب تصویر سا پیش نظر رہنے لگا

انداز محبت کے کوئی سیکھ لے ہم سے
کہتے ہیں جسے عشق وہی فن ہے ہمارا

مرے جنوں پہ بہت تنگ ہے فضائے جہاں
مکان چاہئے اس کو بڑی فراغت کا

اس اشک و آہ سے گر دل نہیں کھلتا تو گلشن میں
شمیم برگ گل اور قطرۂ شبنم سے کیا ہوگا

کسی مست کی لگی ہے مگر اس کے سر کو ٹھوکر
جو پڑا ہے میکدے میں قدح شراب اُلٹا

بیٹھنا پاس تمھیں غیر کے کیا لازم تھا
تم نے اتنا بھی کبھی پاس ہمارا نہ کیا

اگر درد دل میں یہ لذت ہے یارو
تو میں ان طبیبوں کے درماں سے گزرا

اف دم نہ رکا ہاتھ مرا جامہ دری سے
اک چاک نیا روز گریباں میں دیکھا

دیرو حرم میں آ تو نہ معلوم ہو تجھے
الفت نے تیری گبرو مسلماں سے کیا کیا

شمع پردے میں جلی تو کیا ہوا
ہم پہ سب احوال روشن ہوگیا
کس کے پلکیں شب خدنگ انداز تھیں
دل میں سب تارے کے روزن ہوگیا

وہ عشق و ولولہ وہ شور ہائے و ہو نہ رہا
ہوئے ضعیف ادھر ہم، ادھر وہ تو نہ رہا

ہم آپ ہی کشتے ہیں، نہیں قتل کی حاجت
یوں جی میں جو آئے تو کوئی زخم لگانا

اِن آہوں سے حجاب اس آسماں کا اٹھ نہیں سکتا
غضب یہ ہے کہ پردہ درمیاں کا اٹھ نہیں سکتا
ہم اس گلشن سے اک دن آشیاں اپنا اٹھائیں گے
دماغ اپنا تو ہم سے باغباں کا اٹھ نہیں سکتا

کعبہ و دیر میں ڈھونڈھے جو کوئی لے کے چراغ
تجھ سا کافر نہ ملے اور نہ مسلماں مجھ سا

اے "مصحفی" آیا نہ نظر صبح کے ہوتے
کیا تو بھی شب ہجر، چراغ سحری تھا

چین سا جاتا رہا ہے دل سے میں حیران ہوں
اس نے کل آنکھیں لڑائیں مجھ سے یا جادو کیا

لے لے کے نام اس کی جفاؤں کا "مصحفی"

هم آپ جل رہے هیں جلاتے هو هم کو کیا

آتش عشق سے شاید وہ هوا تھا پیدا

شعلۂ برق جو باراں سے بجھایا نہ گیا

شب فراق میں میں آہ و نالہ کیا کرتا

زباں کو درد دل اپنا حوالہ کیا کرتا

گر اس کے قدموں پہ اپنی نثار کرتا جاں

تو وقت نزع اجل کو حوالہ کیا کرتا

کوئی یہ ساقی مجلس سے کہہ دو آئے ادھر

کبھی همارے بھی حصے میں دور ساغر کا

شب هجراں کی سیاهی نہ هوئی روز سفید

یہ ورق تونے نہ دیکھے گردش ایام الٹا

گو هم رہے سفر میں بھی تو مصحفی کے ساتھ

جیسے سرا میں رہتا ہے انسان شب کی شب

میں خستہ تمام هو چکا اب   درد کا کام هو چکا اب

دربار هو یا نہ هو غرض کیا   اپنا تو سلام هو چکا اب

ابر رحمت ! میں توقع پہ تری آیا ہوں
دھو سیاہي کو مرے نامۂ اعمال سے خوب

ہونٹھوں پہ آرہی ہے یہ جاں انتظار میں
آنا ہے آپ کو تو کہیں آئیے شتاب

جس میں اک آدھ گھڑی تیرا تصور بندھ جائے
شب مہتاب سے ہم کو وہ شب تار ہے خوب

نالۂ صبح ! یہ کیا بے ادبي کرتا ہے
پایۂ عرش معلی کا ہلانا نہیں خوب

آنے کی تیرے کہہ کے صبا دل تو خوش کیا
قاصد نے گو کہ اپنے طرف سے بنائي بات

یہ میکدہ وہ ہے کہ نہ پھر ہوش میں آیا
جس نے کہ یہاں آ کے پیا جام محبت

روح کو اس تن خاکی میں ہو راحت کیوں کر
ہے فقط قید قفس مرغ گرفتار کے موت

افسوس آشیاں پہ مرے برق گر پڑی
جب فصل گل میں میں نے کئے بال و پر درست

وا حسرتا کہ قافلہ یاروں کا چل چکا
ہم سے نہیں ہوا ابھی ساز سفر درست

خوشی کو کیا کوئی ڈھونڈھے کہ نام کو بھی نہیں
وہ ہو گئی ہے ہماری دیار سے رخصت

نالہ کش اس باغ کی وہ بھی سہی
کون ہر ساعت کرے بلبل سے بحث

دیدار ہی ہے حسرت دیدار کا علاج
محشر پہ اٹھ رہا ترے بیمار کا علاج

اٹھتے ہو جو الگ یار سے اتنا میں کہوں
سامنے رہنے دے تو بیچ میں دیوار نہ کھینچ

جنبش میں ہے یہ ابروئے خم دار کی طرح
چلتی ہے آپ ہی آپ یہ تلوار کی طرح

بہار آئی خبر لے ان کی صیاد
قفس میں ہیں جو کچھ بے بال و پر بند

بچو ! کاڑھ سے پلکوں کی تمہاری
ھے یاں رگ رگ میں میری نیشتر بند
تری بالیں پہ بیٹھا ھے مسیحا
ابھی اے "مصحفی" آنکھیں نہ کر بند

کیا غم مجھے صیاد ! قفس کا ھے جو در بند
اڑ جاؤں قفس لے کے' اگر میں نہ ھوں پر بند

پھر گئیں ہم سے یار کی آنکھیں گردش روز گار کے مانند

شاید کہ جل کے سینہ میں دل خاک ھوگیا
جھڑتي ھے جو مري نفس واپسیں سے گرد

شتاب ذبح کر اب کیا' درنگ ھے صیاد
کہ جان میری اسیري سے تنگ ھے صیاد

نہ ھوئی شاد تري خاطرغمگیں فرھاد
دل پہ کیوں نقش نہ کی' صورت شیریں فرھاد

صانع نے ھاتھ سے قلم صنع رکھ دیا
اس حسن لا زوال کی تصویر کھینچ کر

خواہ دیوانہ کہے خواہ وہ وحشی مجھ کو
"مصحفی" میں تو اسے حال چلا دکھلا کر

منھ اٹھ گیا جدھر کو ادھر ہی چلے گئے
آوارگان عشق کو منزل کی کیا خبر
شمع شب فراق بنے ہم تو "مصحفی"
ہم دل جلوں کو عیش کی محفل کی کیا خبر

ڈرتا ہوں میں سینہ کہیں پھٹ جائے نہ تیرا
اے "مصحفی" اس طرح نہ فریاد کیا کر

بوہ کے اک دم سے نہیں گلشن ہستی کی بہار
اس سے تو سیر گلستان عدم ہے بہتر

عجب ڈھنگ ظالم کی آنکھوں کا دیکھا
نظارا فلک پر اشارا زمیں پر

کیا گردش فلک کا گلہ ہے کہ لے گئی
ہم کو تو تیری چشم کی گردش وطن سے دور

کافر مجھے نہ کہیو اے مومنان صادق
کرتا ہوں بت کو سجدے میں تو خدا سمجھ کر

شوخي میں تیري چشم کی بجلی کے ہیں یہ ڈھنگ
گا ہے نظر زمیں پہ گہے آسماں پر

چین سے کیا زمیں پہ بیٹھیں ہم   سر پہ یہ آسمان ہے کافر

ساتھ پیکاں کے نکل آیا جو دل لپٹا ہوا
یار پچھتایا مرے سینے سے پیکاں کھینچ کر

خاتمہ حسن حسیناں کا ہوا ہے تجھ پر
تب تو صانع نے بنائي تري تصویر آخر
''مصحفي'' یار کے ملنے سے نہ ہو ناأمید
یہي نالے ہیں تو دکھلائیں گے تاثیر آخر

جی تو بھر آتا ہے میرا ضبط سے اے ''مصحفي''
اور حیا رونے نہیں دیتی مجھے دل کھول کر

شمع کے پاس جو آنے نہیں دیتي فانوس
گرد پروانے پھرا کرتے ہیں باہر باہر

کاہش کے وہ بھی ہمارے سامنے ہی ہو چکیں
گردشیں باقي ہیں جتنی چرخ زنگاری میں اور

اس طرف ہم ہوں گے رخصت، اس طرف تو جائیو
کاٹ لے اے شمع اک شب گریہ وزاری میں اور

آسودگان خاک کی عالم کی سیر کر
کیا چپ پڑے ہیں مجلس ماتم کی سیر کر

یاد آتا ہے جس وقت وہ پیارا ترا نقشہ
روتا ہوں گلے سے تری تصویر لگا کر

قاتل سے یہ کہو کہ تماشے کا وقت ہے
جاتا ہے کوئی چھوڑ کے بسمل کو بے قرار
ملنے کو اس کے کیا کہوں کل اس نے ''مصحفی''
دو باتیں کر کے اور کیا دل کو بے قرار

عجب کیا کام ہے قدرت سے نکلے، تو میروں کا
رفوئے شال ہے موقوف اک ادھی کی سوزن پر

ہے مری خاک بگولے کی طرح چکر میں
دست بردار نہیں گردش افلاک ہنوز
یار مل جائے گا اتنی بھی نہ بے صبری کر
ابتدا عشق کی ہے اے دل صد چاک ہنوز

نعش پر نعش چلی آتی ہے اس کوچے میں
بر سر رحم نہیں غمزہ سفاک ہنوز

اس کے ہاتھوں سے کہاں جاؤں کہ یہ جوش جنوں
دست بردار نہیں میرے گریباں سے ہنوز

بیگانگی ہے اس کی ملاقات میں ہنوز
وا حسرتا کہ فرق ہے دن رات میں ہنوز

شاید نہیں ہوئی مری حاجت روا، ہنوز
سوے فلک دراز ہیں دست دعا ہنوز

بادل سے برستے ہیں مرے دیدہ تر روز
ساون کا مہینہ ہے ترے ہجر میں ہر روز

قصہ عشق ہے وہ طول و طویل جس کا انجام ہے نہ کچھ آغاز

یار کرتا نہیں نگاہ افسوس چشم پوشی سے اس کی آہ افسوس
"مصحفی" تیغ ناز خوباں سے ہو گیا قتل بے گناہ افسوس

ہم اسیران قفس لطف چمن کیا جانیں
کون لے جاتا ہے ہم کو گل و گلزار کے پاس

یہی یہ روگ لگ گیا ہم کو
ساتھ لائے نہ تھے عدم سے غرض

وہ دن گئے کہ پیتے تھے جام شراب سرخ
اپنی معاش خون جگر پر ہے اب فقط

تو ادھر جاتا ہے اور ہے روح کی رخصت ادھر
کچھ تو کہہ لے مجھ سے اے آرام جاں وقت وداع

قصۂ عاشق رہا موقوف شب ہائے دگر
کر گئی اپنا بیاں اک رات میں افسانۂ شمع

دل میں روشن ہے جو یارب داغ فرقت کا چراغ
صبح محشر تک نہ ہو گل یہ محبت کا چراغ
بے نشاں اب ہوگیا ہوں، میں اگر نہ پیش ازیں
یار کا نقش قدم تھا میری تربت کا چراغ

شعلہ اس کا محضر خون لاکھ پروانوں کا تھا
دیکھتا گر ڈال کر مجھ کو گریباں میں چراغ

تیر افگن ہیں ستارے ہجر میں دل پر مرے
بخت نے اس کو بنایا ہے نشانے کا چراغ

جب کر چکا تمام تو حیران رہ گیا
نقاش دیکھہ کر تری تصویر کي طرف
کھنچتا ھے ھر کشش میں کماںدار؛ دل مرا
دیکھوں کماں کو کہ ترے تیر کي طرف

گردش تمھارے چشم کي دیکھیں کدھر کدھر
تکتي ھے ساري خلق اِسی جام کي طرف

کام بے گانے سے کچھہ اس کو نہیں
آشنا سے آشنا ھوتا ھے عشق
ماجرائے عشق تو مجھہ سے نہ پوچھہ
سخت کافر ماجرا ھوتا ھے عشق

یہ اس کے حسن کی نیرنگیاں ھیں
تکلف برطرف کیا حسن کیا عشق

" مصحفی " جاکے میں گلزار میں ناشاد آیا
نہ ھوئي نکہت گل سے بھي ھوا داری دل

ھے گرفتاری دل باعث بیماری دل
ھوں نہ بیمار اگر ھو نہ گرفتارئي دل

" مصحفي '' اس کو میں سر گرمِ وفا پاتا ہوں
ان دنوں کچھ تو ہوا ہے اثر زاري دل

کیا کریں جا کے گلستاں میں ہم
آگ رکھ آئے آشیاں میں ہم
جان و جاناں میں کوئي فرق نہیں
ایک پردہ ہیں درمیاں میں ہم

کبھي کام اپنا کسي سے نہ نکلا   بہت خلق کي التجا کرچکے ہم

بے نام و نشاں بہت رہے ہم   پردے میں نہاں بہت رہے ہم
شب گھر سے وہ ماہ رو نہ نکلا   در پر نگراں بہت رہے ہم

پیدا کیا ہر ایک کو اک کام کے لئے
اس کو جفا سے کام ہے مجھ کو وفا سے کام

چھپتا ہے کیا ؟ نہ دکھلا آئینہ   اپني صورت سے خفا بیٹھے ہیں ہم

جتنا کہ ہمیں خوار یہ رکھتا ہے شب و روز
اتنے تو گنہ گار زمانہ کے نہیں ہم
ہوجائیں گے پامال گذر جائیں گے جي سے
پر سر ترے قدموں سے اٹھانے کے نہیں ہم

مرجائیں گے اے باد صبا دور چمن سے
پر تیری طرح خاک اڑانے کے نہیں ہم

ہر طرح تیرے ہی ہیں جو کچھ بھی ہیں
آشنا ہیں خواہ بے گانے ہیں ہم

مرجاؤں کہ جیتا رہوں میں ہجر میں تیرے
کس جرم کا خواہاں ہے مرا دل، نہیں معلوم
وہ بحر ہے دریاے سرشک اپنا کہ جس کا
ملاح تو کیا نوح کو ساحل نہیں معلوم

شمع آسا قصہ سوز دل اپنا ہے دراز
صبح کردیں گر کبھی چھیڑیں اس افسانے کو ہم

یاں خبر لینے کو آیا ہے مسیحا میری
اور اب تک ہے وہاں بے خبری کا عالم

تصدیع کھینچتے ہیں بس اس گلستاں میں ہم
ہے دل میں ایک دن نہ رہیں آشیاں میں ہم

کیوں جائے نہ بے پوچھے ہوئے "مصحفي" اس پاس
ناداں کو رہ و رسم ادب کچھ نہیں معلوم

ہر دم کو سمجھتے ہیں دم باز پسیں ہم
دنیا میں مسافر ہیں، نہیں کوئي مکیں ہم
پہلا سا مزا اب نہ رہا عشق کہن میں
پھر دل کو لگا لیں گے نئے سر سے کہیں ہم
گر دیدۂ تحقیق سے اے "مصحفي" دیکھیں
ہیں ہر طرف اس آئنہ خانے میں ہمیں ہم

ہے بر خلاف سارا زمانہ تو کیا ہوا
کي بخت نے مدد تو وہ دل بر ہے اور ہم
دل نذر ایک یار پري‌وش کو کر چکے
اے "مصحفي" اب آگے مقدر ہے اور ہم

اس کے بدن سے حسن ٹپکتا نہیں تو کیوں
لبریز آب و رنگ ہے یہ پیرہن تمام

مرغان باغ میں مرے نالے کا شور ہے
ہر چند میں ابھي نفس نا کشیدہ ہوں

کیا گرم اختلاط کسي سے هوں "مصحفي"
فرصت هے زندگي کی' بہ‌قدر شرر همیں

حیراں هوں اپنے کام کی تدبیر کیا کروں
جاتی رهی هے آہ سے تاثیر کیا کروں
دل مانگتا هے مجھ سے، مجھے بھي نہیں هے عذر
اتني سی چیز هے اسے دلگیر کیا کروں
بے دیکھے اس کے مجھ کو تسلی نہیں ذرا
نقاش اس کی لے کے میں تصویر کیا کروں

همارے طرف آپ کم دیکھتے هیں
وہ آنکھیں نہیں، اب جو هم دیکھتے هیں

تارے گن گن کے "مصحفی" کاٹی
سب شب انتظار آنکھوں میں

فلک جب کسی کو هنساتا هے مجھ پر
میں هنس کر فلک کي طرف دیکھتا هوں

نہ بیٹھو ابھی هاتھ پر هاتھ دھر کر
کماں هاتھ میں لو نشانے بہت هیں

اُٹھ اے "مصحفی" کیا یہی در ہے تجھ کو
پٹکنے کو سر آستانے بہت ہیں

ہستی کو مری ہستگی عالم نہ سمجھنا
ہوں ہست مگر ہستگی عالم سے جدا ہوں

دشمن جاں ہوئے ہیں عالم کی
وہ جو اک مہرباں ہمارے ہیں
"مصحفی" آنسوؤں پر اتنا ناز
ایسے کیا عرش کے یہ تارے ہیں

خوش رہو بے سبب خفا ہو اگر
اے بتو تم مرے خدا تو نہیں

کچھ ڈر نہیں منزل پہ پہنچ جائیں گے ہم بھی
گو راہ ابھی دور ہے جی کاہے کو ہاریں
قصد اپنا تو ہے "مصحفی" بت خانے کی جانب
جاتے ہوں جو کعبے کو وہ کعبے کو سدھاریں

دو چار قدم جاکے پھر آتے ہیں ہمیشہ
رہتا ہے نیا روز سفر اس کی گلی میں

کبھی بہار کبھی ہے خزاں زمانے میں
ہمیشہ کون رہا ہے جواں زمانے میں

مرگئے کیا سبھی زنداں میں ترے دیوانے
آج کل نالۂ زنجیر کی وہ دھوم نہیں

ہم اپنے ساتھ لے کے چلے ہیں یہ کارواں
سو آرزوئے کشتہ ہمارے کفن میں ہیں

جان دینے میں اضطراب ہے کیا لیجئے مہربان دیتے ہیں
لاکھ چاہا زمیں پہ بیٹھ رہیں چین کب آسمان دیتے ہیں

چھٹ گیا اپنا گریباں جب سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

"مصحفی" آج تو ساقی کی خوشامد ہے ضرور
بھر کے لایا ہے مئے بے خبری شیشے میں

آ کے کوچے میں ترے، دل کی تسلی کے لئے
روزن در ہی سے ہم آنکھ ملا جاتے ہیں

کبھی پردے سے جو وہ آنکھ لڑا جاتے ہیں
نہیں دیکھا ہے جو جلوہ، وہ دکھا جاتے ہیں

"مصحفی" درد محبت ہو نہاں کیا دل میں
یار تو بات کے انداز سے پا جاتے ہیں

جیتا رہوں کہ ہجر میں مر جاؤں کیا کروں
تو ہی بتا مجھے میں کدھر جاؤں کیا کروں

جس طرح سب جہان میں کچھ ہیں
ہم بھی اپنے گمان میں کچھ ہیں
ہم بھی اس انقلاب عالم سے
اُن میں کچھ ہیں اُن میں کچھ ہیں

خوف آتا ہے مجھے ، ہے یہ زمانہ الٹا
ہو کے بجلی نہ پڑے مجھ پہ مری آہ کہیں

نزدیک اپنے شوق کی منزل ہے دو قدم
تیزی جو پاؤں میں ہو تو راہ اس قدر نہیں

دست و پا کیا کوئی جاں باختہ مارے اس میں
بحر الفت کو جو دیکھا تو کنارا ہی نہیں

ہے مئے ڈلگوں کی تھری یہ گلابی ، ہاتھ میں
یادل پر خوں ہے میرا اے شرابی ہاتھ میں

دل کي بے تابي سے حالت ہے یہ میري اس سال
کہ قفس کو بھي لئے ساتھ اڑا جاتا ھ
فائدہ اور تو اس کوچے میں آنے کا نہیں
نقش پا سے فقط آنکھیں تو ملا جاتا ھ

اشک جس وقت کہ مژگاں پہ رواں ہوتے ہیں
دل کے جوہر مري آنکھوں سے عیاں ہوتے ہیں

ہرشب، شب فراق میں، کہتا ہوں میں یہی
اس شب بچوں تو صبح مداواے دل کروں

رہروان سفر بادیۂ عشق اے واے
قافلہ راہ میں لٹوا کے چلے آتے ہیں

سیر جہاں سے ہم کو خبر ہے بھی اور نہیں
اک واہمہ سا پیش نظر ہے بھي اور نہیں
انجام کیا ہو اس شب ہجراں کا دیکھئے
طالع سے تو امید سحر ہے بھي اور نہیں
گم گشتگاں بادیۂ عشق کے لئے
ریگ رواں کي طرح سفر ہے بھي اور نہیں

انس کہتے ہیں جسے پیرو جواں میں وہ نہیں
وہ جو اک چیز محبت ہے جہاں میں وہ نہیں

دیکھتا تھا خواب میں اس کا میں داماں ہاتھ میں
کھل گئي جو آنکھ تو پایا گریباں ہاتھ میں

کہا ''مصحفي'' میں روؤں یاروں کي صحبتوں کو
بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ھیں

نے محرم چمن ' نہ شناسائے باغ ھیں
ھم اپنے اس نصیب کے ھاتھوں سے داغ ھیں

عالم مکاں کا اور سے کچھ اور ھو گیا
تم آے قسمتیں درو دیوار کي پھریں

مرنا پڑا ھے مجھ کو زمانے کے رشک سے
لاکھوں ھیں اس کے طالب دیدار کیا کروں
اِنکار کفر عشق حمیت سے دور ھے
اب تو گلے پڑا مرے زنار کیا کروں

زباں بریدہ سے اے ھم صفیر ھم بھی ھیں
جہاں ھیں اور قفس میں اسیر' ھم بھي ھیں

ھم صفیران چمن کي انھیں حاجت کیا ھے
زمز مے کرتے ھیں جو پردۂ خاموشي میں

اس کے چتون کي شرارت سے عیاں ہوتا ہے
تیري تصویر مجھے پاس بلانے کي نہیں

ہم گرفتار بلا جی سے گذر جائیں کہیں
اس سے بہتر ہے ترے غم میں کہ مر جائیں کہیں
زیر دیـوار چمن ذبح مجھے کر صیاد
شاید اڑتے ہوئے یاں سے مرے پر جائیں کہیں

مجھ کو کیا کام کہ اس کوچے میں جاؤں اے دل
تو گرفتار ہے کچھ میں تو گرفتار نہیں

خوبرو گر دل بیمار کا چارہ نہ کریں
منع کا بھی تو طبیبوں کو اشارا نہ کریں
مصلحت ہے کہ ترے در کي سنگھائیں مٹي
غش میں آئیں تو ہمیں لوگ پکارا نہ کریں

کچھ تو ملتا ہے مزا سا شب تنہائی میں
پر یہ معلوم نہیں کس سے ہم آغوش ہوں میں

یا خدا بے چین ہیں سب عالم ایجاد میں
کوت کر اتنا اثر بھرنا نہ تھا فریاد میں

دل ایک قطرۂ خوں ' کوہ عشق بار گراں
تحمل اس کا کرے آدمی کا کام نہیں

کھاتا ہوا زمین پہ چکر پھرا ہوں میں
گردش میں آسماں کے برابر پھرا ہوں میں

از بسکہ اشک سرخ سے رنگیں ہیں پتلیاں
اپنا قفس بھی ہم کو کم از گلستاں نہیں

مذہب عشق کا عالم ہی جدا ہے ' ہم کو
کافروں میں کوئی گنتا ہے نہ دیں‌دار ہمیں

غیبت میں بھی تصور ٹلتا نہیں ہے اس کا
شب ہائے ہجر میں بھی ہم اُس کے رو بہ رو ہیں

شغل یہ ہاتھ اسیروں کے نیا آیا ہے
ذکر بے رحمی صیاد کیا کرتے ہیں
تیری تصویر سے بہلاتے ہیں ہم دل اپنا
دل نا شاد کو یوں شاد کیا کرتے ہیں

ہم جن بتوں کے خاطر زنار باندھتے ہیں
وہ قتل پر ہمارے ' تلوار باندھتے ہیں

بیدار هیں طالع انھیں لوگوں کے جو هر گز
پاؤں پہ ترے رکھ کے سر اپنا نہ اٹھائیں

رنگ رونے کا، هم اس شوخ کو دکھلادیں گے
آکے چمکا جو کوئی لخت جگر آنکھوں میں

"مصحفي" شهر سے دل سخت بہ تنگ آیا ہے
قصد هوتا هے کہ اب چل کے بیاباں دیکھوں

نہ هر دم هر گھڑی اس ذلت وخواري پہ روتا هوں
میں هوں آزردہ دل اپنے گرفتاري پہ روتا هوں

اس کا پیچھا چھوڑتا هے یہ دل بسمل کہاں
هاتھ سے جاتا هے اپنے دامن قاتل کہاں
میرے رهنے کي جگہہ یہ هستي فانی نہیں
چھوڑ کر مجھ کو گئي یہ هستي باطل کہاں

نہ طاقت هے کہ اُس کي بزم سے اٹھ کر میں گھر جاؤں
نہ مقدور اس قدر مجھ کو کہ قرباں هو کے مر جاؤں
ترحم هے ضرور اے باغباں احوال پر میرے
بھلا اڑ کر کہاں گلشن سے میں بے بال و پر جاؤں

دیکھا جو اس کو غش کیا ، اب کیا مرے دل کو خبر؟
ساقی کجا! مے کس طرف؟ مجلس کدھر؟ جاناں کہاں؟

کیا جانیئے چمن میں کیا تازہ گل کھلا ہو
آئے تھے آگ رکھ کر ہم اپنے آشیاں میں

تھوڑی سے قید بھی ہے نازک تنوں کو زنداں
فریاد کر رہا ہے حسن اس کا پیرہن میں

یاس سے دیکھ رہا ہے جو رخ قاتل کو
کچھ تو ملتا ہے مزا تیغ تلے بسمل کو

اے "مصحفی" اک طرفہ خطا مجھ سے ہوئی ہے
روٹھا ہوں میں جس سے وہ مناتا نہیں مجھ کو

گل پوش وہ آئے ہیں جلانے مرے دل کو
لب اور لگے آگ لگانے مرے دل کو
پیری میں بھی باقی ہے حسینوں کی محبت
اک روگ لگایا ہے خدا نے مرے دل کو

اس نور تجلی میں ہیں، سب برق کے انداز
سو بار کرے جلوہ تو سو بار نہاں ہو

لا اے صبا اڑا کے کوئی برگ گل ادھر
تسکین طایران گرفتار کچھ تو ہو

آئی بہار حسرت دل اب نکال دو
بلبل پھڑک پھڑک کے قفس توڑ ڈال تو
فتنے سے کہہ رہی ہے تری شوخئ خرام
میں سیر کو چلوں مرا دامن سنبھال تو

نہیں افلاس میں اب کوئی شناسا میرا
رنج غربت نظر آتا ہے وطن میں مجھ کو

آپ آئے ہیں ہمیں رخصت اگر کرنے کو
ہم بھی آمادہ ہیں دنیا سے سفر کرنے کو

ہم کہاں اور تماشائے رخ یار کہاں
حوصلہ چاہئے کچھ اس پہ نظر کرنے کو
زہر کا جام پلانے سے ہمیں کیا حاصل
اک نگہ کافی ہے سو ٹکڑے جگر کرنے کو
"مصحفی" یوں تو سبھی شعر و سخن کہتے ہیں
چاہئے لطف سخن دل میں اثر کرنے کو

اے شوق سفر اس کی خبر ہم کو بھی کرنا
گر یاں سے کوئی قافلہ جاتا ہو کہیں کو

سرگشتہ میری طرح جو رهتا هے آسماں
ڈر هے مجھے کہ اس کو تری جستجو نہ هو
تیرے هی ذات سے تو هے وابستہ یہ طلسم
هستي کہاں هماري اگر هم میں تو نہ هو
مارے حیا کے خاک هي میں تو تو مل گیا
اتنا بھی "مصحفی" کوئي بے آرزو نہ هو

اے دل کہاں تلک یہ گراں جانیاں تری
چل دور هو کہیں مري چھاتی کی سل نہ هو

یہ کس نے مرے حق میں دعا کی تھی آلہی
عاشق هو تو اس کي نہ شب هجر سحر هو

ساتھ لے جائے کہاں عشق کي رسوائی کو
گور بھي تنگ ملی هے ترے سو دائي کو
اپنے کوچے سے قدم پھر نہیں بڑھنے دیتي
حیرت حسن تري ' پائے تماشائي کو

تختہ هو چمن کا ' مرا هر تختۂ دامن
دامن میں اگر جمع کروں لخت جگر کو

حلقہ بزم کی زینت تو رہی ہے تم سے
تم جہاں بیٹھے ہو مانندنگیں بیٹھے ہو

اے ناصحو کچھ فکر کرو چاک جگر کی
بیہودہ مرے چاک گریباں کو نہ چھیڑو
رہنے دو پڑا ''مصحفی'' خاک پہ سر کو
اس غمزدۂ بے سرو ساماں کو نہ چھیڑو

کہتا ہے یہی تجھ سے ترا حسن ہمیشہ
اے برق جہاں سوز کہیں پردہ نشیں ہو
گہہ دیر میں جاتا ہوں' گہہ آتا ہوں حرم میں
پر دل کی تسلی نہ یہیں ہو نہ وہیں ہو

میں تو سمجھوں گا جو سمجھاتے ہو مجھ کو ناصحو
لیکن ان دزدیدہ نظروں کو بھی سمجھایا کرو

ہم سے کیامنھ کو چھپائے ہوئے تم جاتے ہو
ہم نے پہچان لیا منھ نہ چھپاؤ جاؤ

دل تو بہت قریب ہے کر لیں گے سجدہ ہم
کعبہ جو ہم سے سیکڑوں فرسنگ ہے تو ہو

پردہ اٹھے یا نہ اٹھے اس کے چہرے سے، مگر
یہ حجاب چشم، یارب! درمیاں سے دور ہو

یاد آئی جو تری زلف پریشاں، مجھ کو
صبح تک نیند نہ آئی شب ہجراں مجھ کو
میں جو کچھ ہوں سو ہوں، کیا کام ہے ان باتوں سے
کوئی کافر کہے یا کوئی مسلماں مجھ کو

روٹھ کر بیٹھ رہوں میں وہ منانے آئیں
کاش اتنا مجھے مقدور شکیبائی ہو

علاج دل کا مرے ہے اگرچہ صبرو شکیب
میں کیا کروں جو مرا دل پر اختیار نہ ہو
چلا ہے شوق مجھے لے کے آج اس کی طرف
بڑا مزا ہو اگر در پہ پردہ دار نہ ہو
گلی گلی ہے مرا اب تو "مصحفی" چرچا
کسی کا راز نہاں یارب آشکار نہ ہو

کیا "مصحفی" میں سعی کروں روز گار میں
تقدیر گھونٹتی ہو جو تدبیر کا گلو

دل نہ سمجھو کہ فرشتوں نے جلانے کے لئے

رکھ دیا ہے مرے پہلو میں اک انگارے کو

کب تک شب فراق میں دل درد مند ہو

یارب شتاب صبح کا تارا بلند ہو

ایسا نہ ہو کہ اس میں پڑ جاے پیچ کوئي

انگڑائي لے کے ناحق بل دیتے ہو کمر کو

خون ناحق ہوں، وہ کس طرح سے کھوئے مجھ کو

رہوں گردن پہ میں، دامن سے جو دھوے مجھ کو

رہا ہے گل سے افزوں بیم تاراج خزاں مجھ کو

بنانا هي نہ تھا ایسے چمن میں آشیاں مجھ کو

میں تھا همدرد اس کا پاس مجنوں هي کے لے جاتا

اگر لیلی کے ناقے کا بناتے ساربان مجھ کو

نکا هوں میں بہار گل کو میں تو، لوٹ لیتا هوں

بھلا کیا رخصت سیر چمن دے باغبان مجھ کو

پڑا هوں شاخ سے گر کر میں برگ زرد کي صورت

خدا جانے کہاں لے جائے اب باد خزاں مجھ کو

رہا کچھ آسرا رستہ میں منزل پر پہنچنے کا
نظر آتی رہی جب تک کہ گرد کارواں مجھ کو

باغباں ہم سے تو آزردہ عبث ہوتا ہے
کرنے آئے ہیں فقط سیر گلستاں ہم تو
اب کی گر فصل گل آئے تو پے نذر جنوں
گل سے مانگیں گے نیا چاک گریباں ہم تو

شاید اس کے حسن میں باقی ہے آرایش ہنوز
روز محشر پر جو رکھا وعدۂ دیدار کو
یہ جوانی کھو کے، یوں پیری میں غفلت بڑھ گئی
صبح کو آتی ہے جیسے نیند شب بیدار کو

زلف کا بوجھ یوں کمر پہ نہ ڈال
زلف کو دیکھ اور کمر کو دیکھ
اس قدر بھی بلند پروازی
اے پتنگ اپنے بال و پر کو دیکھ
''مصحفی'' یہ ستم نہ کر ناداں
خط نہ دے اپنے نامہ بر کو دیکھ

جاتا ھے لئے اشک مرے لخت جگر کو
اور مجھ سے یہ کہتا ھے مرے نامہ بری دیکھ

آنکھ ان کو نہیں ' شناخت کہاں
لوگ کچھ سمجھے ھیں' خدا ھے کچھ

صحبت ھے ترے خیال کے ساتھ
ھے ھجر مگر وصال کے ساتھ

شیخ تو کعبہ کو جا! جاؤں میں بت خانے کو
کہ تری راہ ھے وہ اور مری راہ ھے یہ
"مصحفی" سے جو یہ کہتے ھو کہ اُٹھ جا در سے
اٹھ کے جائے گا کہاں بندۂ در گاہ ھے یہ

جو آشنا ھے اس سے ھے نا آشنا وہ شوخ
اور آشنا اگر ھے تو نا آشنا کے ساتھ

مانی! گلے میں اس کے' مرے ھاتھ ڈال دے
اور نام اس شبیہ کا رکھ پیار کی شبیہ

نہ یار ہے ، نہ کوئی آشنا ہے ، میرے ساتھ
خدا کے ساتھ ہوں میں اور خدا ہے میرے ساتھ

زمانے کا چلن یکساں نہیں کچھ
کہیں کچھ ہے، کہیں کچھ ہے، کہیں کچھ
مرا جی تو بھلا بہلے کوئی دم
اسي کا ذکر کر اے ہم نشیں کچھ
غرض دونوں جہاں سے ہم ہیں آزاد
غم دنیا نہ ہم کو فکر دیں کچھ
اگر اے "مصحفي" ہو قصد تیرا
تو دور اِتنا نہیں عرش بریں کچھ

نہ شریعت، نہ طریقت، نہ حقیقت، نہ مجاز
کون کافر مجھے کہتا ہے مسلمان ہے یہ

آنکھیں نہ چرا مجھ سے مری جان ادھر دیکھ
اے میں تري ان آنکھوں کے قربان ، ادھر دیکھ

مرگئے پھر بھی ہیں کھلی آنکھیں
اپني عاشق کا انتظار تو دیکھ
مجھ کو کیا دیکھتا ہے قتل کے بعد
اپني شمشیر آبدار تو دیکھ

روز کي خارا تراشي سخت مجبوري هے یه
عاشقی کاهے کو هے فرهاد ! مزدوری هے یه

رات آگیا کدهر سے یه کمبخت محتسب
سیفے میں میرے دل کو بهي توڑا سبو کے ساتهہ
قربانیاں عید کے همت کا هوں غلام
کرتے هیں سر کٹا کے مروت عدو کے ساتهہ

داغ جگر سوخته میرے جو یه هیں
چمکیں گے شب گور میں انجم سے زیادہ

نامه بهیجا جو اُسے اس نے اڑائے پرزے
دیکهئے هے ابهی قسمت میں لکها کیا کیا کچهہ
کان رکهہ کر تو ذرا "مصحفی" اک بار تو سن
آتی هے دل کی دهڑکنے کي صدا کیا کیا کچهہ

کل سوئے غیر اس نے کئي بار کي نگاہ
لاکهوں میں سچ هے چهپتي نہیں پیار کی نگاہ

مل گئے خاک میں ایسے که نشاں تک نه رها
پهر کوئي خاک کرے گور غریباں په نگاہ

آرزو ہے ترے دیدار کی ایسی کہ مدام
آنکھیں رہتی ہیں لگی روزن دیوار کے ساتھ
قصۂ کوتہیٔ عمر جو چھیڑا اس نے
شمع بھی روئی سحر تک ترے بیمار کے ساتھ

جتنی الفت زیادہ ہوتی ہے
دل کی حسرت زیادہ ہوتی ہے
دیکھتا ہوں جو تیری صورت کو
مجھ کو حسرت زیادہ ہوتی ہے

گرچہ بیزار ہے وہ مجھ سے مگر دھو کے میں
کچھ ہنسی اس کو مرے نام پر آجاتی ہے

کیا حور کا مذکور تو کرتا ہے ہمیشہ
خاموش ہو زاہد ہوس حور کسے ہے

اتنا بھی حقارت سے بتو ہم کو نہ دیکھو
اک دل تو ہے موجود اگر کچھ نہیں رکھتے

ہر ایک نے کھینچا ہمیں اپنی ہی طرف کو
ہم کش مکش گبرو مسلماں سے نہ چھوٹے

ترا شوق دیدار پیدا ہوا ہے
پھر اس دل کو آزار پیدا ہوا ہے

یہاں تک میں پھڑ کا کہ کنج قفس میں
پروں کا مرے آشیانا ہوا ہے
ترے در پہ بیٹھا ہے گھٹنوں کو پکڑے
یہی "مصحفی" کو بہانا ہوا ہے

ہر حلقۂ زلف میں مرا دل
ہوتا ہے شکن شکن پہ صدقے

چمکا ہوا ہے فصل بہاري سے داغ دل
وہ بھي ہماري آگ پہ دامن جھٹک گئے

آئینہ خانے میں وہ جس دم گیا
آئینے خورشید نما ہوگئے

جاتا ہے مثل برق یہ سرپٹ اُڑا ہوا
کتني ! سمند عمر کي رفتار گرم ہے

وقت پیري، ہوس عشق بتاں کیا کیجئے
شرم آتي ہے کہ اب منھ سے فغاں کیا کیجئے

ہے نو بہار گلشن آفاق دیدنی
آنکھیں کبھی تو اے دل بے ہوش کھول دے

اشک نے راہ چشم تر لی ہے
مصلحت کچھ تو دل سے کر لی ہے
جو بلا آسماں سے آئی ہے
ہم نے وہ اپنی جان پر لی ہے
دید رخ سے ہے باغ باغ نگاہ
کیسے پھولوں سے گود بھر لی ہے
تب ڈبویا ہے قہر خالق نے
جب گناہوں سے ناؤ بھر لی ہے
میں نے بازار حسن خوباں سے
مول اک حسرت نظر لی ہے

بے امتیازی چمن دھر کیا کہوں
اس بوستاں میں قدر گل و خار ایک ہے
ہے رنج و راحت ایک اسے جس کے کان میں
صوت قفس ، ترانۂ گلزار ایک ہے

مجھ کو وہ بدنصیب کہتے ہیں
یہ بھی خوبی مرے نصیبوں کی

راہ عدم میں خاک ہوئے یا فنا ہوئے
یاران رفتہ آہ خدا جانے کیا ہوئے
اب آئینہ ہے اور بنانا ہے زلف کا
اچھا ہوا کہ تم بھی اسیر بلا ہوئے
کل تم کو آپ یاد کیا اس نے "مصحفی"
نالے شب فراق میں بارے رسا ہوئے

بات کہنا بڑہ کے کچھہ اچھا نہیں
اس میں عاشق کا گھٹا جاتا ہے جی

پردے میں جو پنہاں ہے وہ پیدا نظر آئے
کھل جائے اگر آنکھہ، تماشا نظر آئے
اے دل بگڑ اک روز تو اس دشمن جاں سے
تا دوستی مردم دنیا نظر آئے

یہ گم ہوے ہیں خیال وصال جاناں میں
کہ گھر میں پھرہیں ہم اپنی جستجو کرتے
ملا نہ "مصحفی" اس فتنہ زماں کا سراغ
تمام عمر ہوئی ہم کو جستجو کرتے

چمن ہے سبزہ ہے ساقی ہے اور ہوا بھی ہے
جو یار ایسے میں آئے تو کچھہ مزا بھی ہے

میں اعتماد کروں کس کی آشنائی پر
کوئی کسی کا زمانے میں آشنا بھی ہے
دعا لکھی ہے اُسی خط میں، میں نے کوئی بغور
اگر پڑھے تو دعا بھی ہے مدعا بھی ہے

کیوں نہ دیکھوں کہ بنائی ہے صنم
صورت ایسی ہی خدا نے تیری
"مصحفی" عشق کا اب نام نہ لے
جان رکھی ہے خدا نے تیری

مجھ کو پامال کر گیا ہے یہی   یہ جو دامن اٹھائے جاتا ہے

آیا تھا میں سجدے کو ترے، ملک عدم سے
سر سائے کے مانند اُٹھایا نہ قدم سے

دیں اس نے گالیاں مجھے جس وقت اس گھڑی
کچھ ہو سکا نہ غیر دعا میرے ہاتھ سے

نہ تو یہ آہ ہی ہم دوش اثر ہوتی ہے
نہ شب ہجر ہی کم بخت سحر ہوتی ہے

واں بار یاب جلوہ اسي کي نگاہ ہو
آنکھوں سے اپني جو کوئي پردہ اٹھا سکے

جی سے تجھے چاہ ھے کسی کي
کیا جانے کوئی کسي کے جی کي
رونے پہ میرے ھنس رھے ھو
یہ کون سی بات ھے ھنسی کی

شاھد رھیو تو اے شب ھجر
جھپکي نہیں آنکھ "مصحفي" کی

محشر کے دن وہ آنکھ نہ کھولیں گے خواب سے
جو پاؤں تیرے کوچے میں پھیلا کے سو رھے

تن میں میرے، فقط اک دم کی ھوا باقی ھے
استخواں رہ گئے ھیں اور تو کیا باقی ھے

ھرگز در اس کا وا نہ ھوا ھم سے سیکڑوں
سر پھوڑ پھوڑ کر پس دیوار مرگئے

پھر کے ھیں زیر دام ھم ایسے کہ اب ھمیں
خنجر تلے تڑپنے کی طاقت نہیں رھي

رکھتا ہے مجھے قید بلا میں یہ ہمیشہ
دل مجھ کو نہیں ، جان کا جنجال دیا ہے
اے "مصحفی" اس شوخ کی باتوں پہ نہ جانا
اس نے تو ہزاروں کو یونہیں ٹال دیا ہے

تمنائے زلف رسا ساتھ ہے — جہاں جاؤں میں یہ بلا ساتھ ہے
اسیر بلا پھر یہ ہوتا ہے کیوں — جو بندے کے ہر دم خدا ساتھ ہے
اگر اڑ کے جائے تو اے مشت خاک — چمن تک تو باد صبا ساتھ ہے
امید اس سے خلوت کی کیا ہو مجھے — ہر اک آدمی کی قضا ساتھ ہے

پھروں تری تصویر کو دیکھا شب فرقت
مجبوری میں یوں حسرت دیدار نکالی
جب خاک میں ہم مل گئے تب دیکھنے آئے
رفتار نکالی تو یہ رفتار نکالی

دل جا چکا مرا، ابھی ہوش و حواس ہیں
پر دیر کیا ہے آج گئے خواہ کل گئے

کیا جانئے؟ کسیر کہ کہتا ہے، یہ کیا ہے
ملتی نہیں، جو چیز زمانے میں وفا ہے

بے طرح نظر ہے ' طرف آئینہ تیری
ڈرتا ہوں تری آنکھ کہیں تجھ سے نہ لڑ جاے

دل دھڑکنے کا یہ عالم ہے کے بے منت دست
پرزے ہو ہو کے گریبان اُڑا جاتا ہے

ہر لحظہ زلف اس کی دل مانگتی ہے مجھ سے
کافر نے کس بلا کو پیچھے لگا دیا ہے

نہ وہ راتیں ' نہ وہ باتیں ' نہ وہ قصہ کہانی ہے
سر بستر فقط ہم ' یا ہماری ناتوانی ہے
بھلا میں ہاتھ دھو بیٹھوں نہ' کیوں کر جان سے اپنی
کہ چلنے میں تمہارے' موج دریا کی روانی ہے

ہر چند کے ہے ہوش ربا صورت شیریں
دیکھے تری صورت کو اگر' جان نکل جاے

وعدہ قتل پہ رکھتا ہوں میں دل شاد اپنا
کہ اسی وعدے میں اک وعدۂ دیدار بھی ہے
مجھ سے کہتا ہے کہ گلیوں میں لئے پھر ہردم
دل بد بخت ترا کوئی خریدار بھی ہے

شرم آتی ہے اب اٹھ کر، یاں سے کیا گھر جائیے
بیٹھے بیٹھے آستاں یار پر مر جائیے

سنا ہے آگ لگی ہے چمن میں ہم نفسو!
خبر تو لے کوئی بلبل کے آشیانے کی
گلہ نہ کیجئے یاروں کی بے وفائی کا
کہ ان دنوں یہی تاثیر ہے زمانے کی

اے ساکنان کنج قفس آئی ہے بہار
ایسے میں تم بھی دھوم مچاؤ تو خوب ہے

ہزاروں مومن و کافر سجود میں ہیں یہاں
بتوں کے گھر میں جو دیکھا تو اک خدائی ہے

حسرت پر اس مسافر بے کس کے روئیے
جو رہ گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

کبھی در کو تک کے کھڑے رہے، کبھی آہ بھر کے چلے گئے
ترے کوچے میں جو ہم آئے بھی تو ٹھہر ٹھہر کے چلے گئے

بے لاگ ہیں ہم، ہم کو لگاوٹ نہیں آتی
کیا بات بنائیں کہ بناوٹ نہیں آتی

مثل آئینه فقط وہ ہے اور اک حسرت ہے
عاشق بے سروپا کی بھی عجب صورت ہے
مجھ کو اے دوست جو چاہے تو ملا دے تجھ سے
میں تو عاجز ہوں پر اللہ میں سب طاقت ہے

ہزاروں حوادث ہیں تا زندگی ہے
یہی زندگی ہے تو کیا زندگی ہے
چھپا منھ نہ ہم سے کہ مر جائیں گے ہم
مسیحا ترا دیکھنا زندگی ہے
تری بے وفائی کا شکوہ کریں کیا
خود اپنی یہاں بے وفا زندگی ہے

سفر اس دل سے کر گئے غم و درد
یار سونا مکان چھوڑ گئے

بلبل نے آشیانہ جب اپنا اٹھا لیا
پھر اس چمن میں بوم بسے یا ہما بسے

میری اس کی جو سر راہ ملاقات ہوئی
منھ کیا اس نے ادھر، آہ ادھر میں نے کی

بام پر آکر جو شب، وہ کچھہ اشارا کر گئے
کیا کہیں بس کام ہی آخر ہمارا کر گئے

سوزن کا ہے نہ کام نہ ناخن کی ہے جگہہ
کیوں کر مژہ کی پھانس جگر سے نکا لئے

ہے درد عشق اس کا مداوا کروں میں کیا
اس کا علاج ہی نہیں جو دل کی چوٹ ہے

بے قراری اور بھی دل کو اگر ہو جائے گی
مجھہ کو یہ ڈر ہے کہ پھر اس تک خبر ہو جائے گی
تجھہ سے اے آہ سحر مجھہ کو توقع تھی بڑی
یہ نہ جانا تھا کہ تو بھی بے اثر ہو جائے گی
بیکسی پر رحم آتا ہے کہ گر میں اٹھہ گیا
پھر کہاں اس کا ٹھکانا در بہ در ہو جائے گی
وصل کی شب کو میں اپنے دل میں سمجھا تھا دراز
یہ نہ جانا تھا کہ باتوں میں سحر ہو جائے گی

سیلاب اشک، میری آنکھوں سے پھوٹ نکلا
کوئی کدھر سے رو کے کوئی کدھر سے باندھے

نسیم صبح' چمن سے ادھر نہیں آتی
ہزار حیف کہ گل کی خبر نہیں آتی

اٹھتے ہوئے بالیں سے مری' رات مسیحا
بولا کہ خدا کے ہے یہ بیمار حوالے

دل دو دو ہاتھ سینے میں اچھلا کیا مرا
کیا کیا شب فراق میں صدمے گذر گئے

تنہا نہ آسمان کی مٹی خراب ہے
عالم میں اک جہان کی مٹی خراب ہے
لیلیٰ کی جستجو میں ہے کتنا تباہ قیس
صحرا میں اس جوان کی مٹی خراب ہے

خدایا صبر دے دل کو کہاں تک راہ میں اس کی
دھرے زانو پہ سر بیٹھا رہے دو دن پہر کوئی

از بس کہ ترے حسن میں تھا مہر کا عالم
دم بھر نگہہ طالب دیدار نہ ٹھہری

دیکھا اسے آہ ہم نے کرلی حسرت کی نگاہ ہم نے کرلی
نخوت سے جو کوئی پیش آیا کج اپنی کلاہ ہم نے کر لی

کھاتا ہوں میں غم، پر مری نیت نہیں بھرتی
کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

کارواں دور ہوا، پاؤں تھکے، جی ہارا
کون اب منزلِ مقصود کو پہنچائے مجھے

خارِ صحرائے جنوں! دستِ درازی سے تری
چاک جاتے ہیں گریباں کے مرے داماں کے

غم میں تیرے، راحت و آرام سے جاتے رہے
بھول گئے ایسے کہ ہم ہر کام سے جاتے رہے

دریا میں کل نہا کر، اس نے جو بال باندھے
ہم نے بھی دل میں اپنے کیا کیا خیال باندھے

نہ پہنچوگے منزل پہ تم "مصحفی"
گیا دور اب کارواں، بیٹھئے!

شب اٹھ کے محفلِ جاناں سے اپنے گھر کو چلے
مگر یہ کچھ نہیں معلوم ہم کدھر کو چلے

اے دیدہ! شرط گریہ ہے ابر بہار سے
اتنا تو کیجیو کہ مری آبرو رہے

فغاں، میں جاں گسل کرتا ہوں لیکن
نہیں سنتا مرا صیاد، میری

خفتگان خاک کی مجھ کو فراغت پر ہے رشک
سوتے ہیں کیا چین سے یہ، پاؤں پھیلائے ہوئے

کس ناز کا آنا ہے کس قہر کا جانا ہے
صدقے ترے آنے کے قرباں ترے جانے کے

بس کہ سر رگڑا کیا میں آستان یار پر
ماہ نو کی طرح صرف سجدہ پیشانی ہوئی

مقتل میں تم جو آئے ہو کشتوں کو دیکھنے
اپنے شہید ناز کو پہچان لیجئے
مشکل نہیں ہے یار کا پھر وصل "مصحفی"!
مرنے کی اپنے جی میں اگر ٹھان لیجئے

اے "مصحفی" دل جس نے اُٹھایا ہے جہاں سے
اُٹھتے ہوئے وہ یاں سے سبکبار اٹھا ہے

تیري محفل میں انھیں دخل نہیں ھے ورنہ
مہر و مہ آ کے یہاں آئینہ داري کرتے

دل کو دھڑکا ھے ' کہاں چین سے خواب آتا ھے ؟
رات کیا آتی ھے اک مجھ پہ عذاب آتا ھے

کوئی اے "مصحفي" اس سے یہ کہدے
دعا دیتا تجھے سائل گیا ھے

اھل بصر کی جلوۂ خالق پہ ھے نظر
صورت پرست ' محو تماشائے خلق ھے

مدت ھوئي کہ بیٹھے ھیں ھم انتظار میں
کیا جانے آتے آتے قیامت کہاں رھي
وہ تیر غمزہ ' دل سے مرے پار ھوگیا
جان ستم رسیدہ سلامت کہاں رھی

اچھي وھی رہے جو گلستاں میں مرگئے
حسرت نصیب ھم تھے کہ زنداں میں مرگئے
پہنچا نہ کام چشم کي گردش تلک دریغ
ھم اس کے ایک جنبش مژگاں میں مرگئے
نسبت درست کیجئے اب کس سے "مصحفي"
جو منتخب تھے گبرو مسلماں میں ' مرگئے

یهي حسرت رهی دل میں که کبهي ساقي نے
اپنے هونٹوں سے لگا کر نه دیا جام مجھے

اے "مصحفی" سمجهیں هیں هم اس شوخ کو غافل
آگاہ هے وہ خوب وفاداریِ دل سے

او دامن اٹها کے جانے والے　　هم تو بهي تو خاک سے اٹهالے
حلقے زلفوں کے تیرے رخ پر　　اک ماہ هے اور هزار هالے
دل نے تو مجهے بهت ستایا　　دشمن کے پڑے نه کوئي پالے

اس تامل کا هوں کشته که ترا وقت خرام
پاؤں پڑتا هے کہیں، آنکھ کہیں پڑتي هے

هر اک رگ میں جو زخم نیشتر معلوم هوتا هے
مژہ کا تیرے رخ کچھ تو ادهر معلوم هوتا هے

افسانۂ عشق کس سے کہئے　　اس بات میں درد سر بهت هے

اول تو قفس کا مرے در باز کہاں هے
اور هو بهی تو یاں طاقت پرواز کہاں هے

روک لو ہاتھ، آپ یہ بسمل کام اپنا تمام کرتا ہے

قصۂ غم کیا لکھوں دم بھر میں میں
اس کے لکھنے کو زمانہ چاہئے

اے عشق اب کی وہ تری تاثیر کیا ہوئی
شور جنوں کدھر گیا زنجیر کیا ہوئی
دیوانہ پن کا میرے جو کرتے نہیں علاج
تدبیر کرنے والوں کی تدبیر کیا ہوئی

نہ جھپکی، نہ جھپکی، ذرا آنکھ میری
یہ شب مجھ کو اختر شماری میں گذری

آتے ہوئے گلی سے تری، مثل گرد باد
ہم اپنی خاک آپ ہی برباد کرگئے

میں مرگیا پر اس نے میری طرف نہ دیکھا
ہاں جرم عاشقی کی تعزیر ہے تو یہ ہے
فرقت میں تیری اب تک جیتا رہا یہ مضموں
ہاں سچ ہے "مصحفی" کی تقصیر ہے، تو یہ ہے

خاک بھی میري نہ پھونچي اس کے کوچے میں صبا
یوں گیا برباد میں مُشت غبار افسوس ھے

ھم صفیران چمن نے باغ کي لوتي بھار
ھم قفس ھی میں رھے فصل بہار، افسوس ھے

عاشق سے اپنے، قطع مروت نہ کیجئے
یہ بھی نہ کیجئے جو محبت نہ کیجئے

سلوک عاشق و معشوق کوئي کیا جانے
کسی کي ھاتھہ سے آفت کسی کی جی پر ھے

آئے جو تیرے کوچے میں سوداگران عشق
تیرا تو کیا گیا وھي کچھہ اپنا کھوگئے

گرم سخن تھے جن کي زباں ساري ساري رات
سو وہ چراغ صبح سے خاموش ھوگئے

کچھہ خوب نہیں یہ خود نمائی
ھاں اے بت شوخ! ڈر خدا سے

ھمیشہ "مصحفي" ھم راہ راہ جاتے تھے
کل اس گلي میں جو پھونچے تو راہ بھول گئے

اس زلف کا اینٹھنا تو دیکھو
بے چہرے بھی پیچ و تاب میں ھے
اوٹھ "مصحفی" آفتاب نکلا
تو وقت سحر بھی خواب میں ھے

جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ھے　　درد بے اختیار اٹھتا ھے
"مصحفی" کو یہ ھے خیال ترا　　سوتے سوتے پکار اٹھتا ھے

کاھے کو تیرے دام سے آزاد ھو کوئی
کیوں یاں سے اُڑئے ؟ کس لئے برباد ھو کوئی ؟
قاصد کوئی تم' کاھے کو بھیجوگے مرے پاس
نامہ تو وہ لکھے کہ جسے یاد ھو کوئی

اے صید فگن ! تیر نہ سینے سے مرے کھینچ
پیکاں کے ھمراہ کہیں دل نہ نکل جائے

قد قیامت' خرام آفت ھے　　وہ چھلا وہ تمام آفت ھے

کس نے دکھلائی انھیں چشم غضب کیا جانیئے
وہ جو جی اٹھے تھے پھر روز قیامت مر گئے

بیٹھ کر وہ جہاں سے اٹھتا ہے ایک فتنہ وہاں سے اٹھتا ہے
کشتۂ عشق یوں نہیں ہلتا مر کے کوئے بتاں سے اٹھتا ہے

خدا کے واسطے ہمدم ہمیں نہ چھیڑ اس وقت
کہ بیٹھے ہیں دل اندوہ گیں پہ ہاتھ دھرے

اے دل تہ خنجر، نہ تڑپ اتنا بھی دم لے
کیا کرتا ہے؟ قاتل کا کہیں ہاتھ تو تھم لے

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
کون سے شہر میں ہوتا ہے، کدھر ہوتا ہے؟
نہیں معلوم کہ ماتم ہے فلک پر کس کا؟
روز کیوں چاک گریبان سحر ہوتا ہے

مانگی ہزار بار دعا پر نہ کچھ ہوا
ناچار اب دعا ہی سے ہم ہاتھ اٹھائیں گے

جوش گل سے ساکنان باغ کا، عرصہ ہے تنگ
دیکھئے بلبل کا اس میں آشیاں کیوں کر رہے

سراغ قافلۂ رشک کیجئے کیوں کر
نکل گیا ہے یہ کوسوں دیار حرماں سے

ہے ماہ کہ آفتاب، کیا ہے؟
دیکھو تو نقاب کیا ہے؟
سینے میں جو دل نہیں ٹھہرتا
یارب اسے اضطراب کیا ہے؟

جب جدا ہم سے یار ہوتا ہے   دل بہت بے قرار ہوتا ہے

فراغت میں بتوں کی صورت دل خواہ یاد آئے
پڑے جب کچھ مصیبت تب ہمیں اللہ یاد آئے

صاف بگڑا ہوا آتا ہے مرا آئینہ رو
آج کچھ اور ہی صورت ہے خدا خیر کرے

مگر بہار کے دن ہیں کہ خود بہ خود صیاد
قفس چمن کو اڑے جاتے ہیں اسیروں کے

طاقت گئی فغاں کی، دل اب آہ کیا کرے
کیا جانے رفتہ رفتہ تری چاہ کیا کرے

نگہ ناز پسیں کی بھی ہوس مٹ جائے
دل کم بخت میں ارمان نہ ہو اتنا بھی

کب بھلا کوچۂ قاتل میں گذر ہے سب کا
وہی جاتا ہے وہاں، جس کی قضا آتی ہے

آیا ہوں پھرتے پھرتے غنیمت مجھے سمجھو
کیا جانے پھر کدھر مجھے تقدیر پھینک دے

زندانئی الفت نے دھرے تیغ گلے پر
زنداں سے نکلنے کی یہ تدبیر نکالی

مقابل ہو یہ خورشید اس کے، کب اس کا یہ زہرا ہے
مگر دل سخت کرکے اک ذرا آئینہ ٹھہرا ہے

اک ذرا جنبش مژگاں کی روا دار نہیں
کس کی تصویر مرے دیدۂ دیدار میں ہے

تھی گرفتاری میں بھی اک لذت آسودگی
کیا کہیں ہم، کیسے پچھتائے نکل کر دام سے

ڈرتا ہوں، خوشامد سے وہ مغرور نہ ہوجائے
قتل اس کو کہیں غیر کا منظور نہ ہوجائے

مجنوں کو بہت ضعف ہے صحرائے جنوں میں
یہ جامہ دری سے کہیں معذور نہ ہوجائے

اس سے بھی محبت ہے مجھے دل سے زیادہ
رونے سے کہیں داغ جگر دور نہ ہو جائے

جہاں مجنوں پکارا بس وہیں در تک نکل آئی
صدا پہچانتی ہے آپ لیلیٰ اپنے سائل کی

ذرا خوابیدہ گان خاک کی بے ہوشیاں دیکھے
نہ کی ہو گر کسی نے سیر، بدمستوں کی محفل کی

ہستی کو مٹا اپنی جو ہے وصل کا طالب
پایا ہے پیمبر نے خدا بت شکنی سے

اسباب طرب جتنے تھے موجود تھے لیکن
ہمت مری سایل نہ ہوئی چرخ دنی سے

جان آنکھوں سے شب ہجر، بہ دقت نکلی
بعد اک عمر کے نکلی تو یہ حسرت نکلی

شکر کی جا ہے کہ منھ سے مرے مرتے مرتے
نزع کے دم بھی نہ اس بت کی شکایت نکلی

ایک نے حشر کے دن بھی نہ جگایا ہم کو
ہم نہ سمجھے کہ کدھر صبح قیامت نکلی

اس کي تصوير کو چھاتي سے لگايا ہم نے
آہ کچھ طرز نگہ سے وہ محبت نکلی

گرچہ سوبار مسيحا نے بلايا ہے ہميں
آپ ہم درد کا اپنے نہيں درماں کرتے

بندۂ خاکی جھکائے رکھ سر تسليم کو
طوق بار زندگي جب تک تري گردن پہ ہے
جاؤ اپنے اپنے گھر جو ہو چکا وہ ہو چکا
حشر کا ہنگامہ يارو کيوں ميرے مدفن پہ ہے

جو يہاں ہے وہ پھيلائے ہوئے پاؤں پڑا ہے
کيا گور غريباں بھي اک آرام کي جا ہے
کيوں آج ہلا جاتا ہے دل بانگ جرس سے
کيا قافلے کے پيچھے کوئی آبلہ پا ہے

اس وقت تو چونک اٹھتے جو تو قبر پہ آتا
رخصت ہميں اتنی بھي نہ دي خواب عدم نے

دست جنوں سرک کہ جب آئی ہے فصل گل
خود چاک ہوگئے ہيں گريباں سئے ہوئے

اک روز تیرے کوچے سے ہم مر کے اٹھیں گے
بیٹھے ہیں مصیبت کے یہ دن بھر کے اُٹھیں گے
چل چل کے جو رہ جاتا ہے ہر بار گلے پر
یہ ناز نہ ہم سے ترے خنجر کے اُٹھیں گے
جس وقت وہ دیکھے گا تری چشم کا فتنہ
آگے نہ قدم فتنۂ محشر کے اُٹھیں گے

آبادی فضاے عدم ہم سے خاک ہو
کچھ ساتھ لے گئے نہ جہان خراب سے
ٹھوکر نے تیرے پاؤں کی اے فتنۂ زماں
چونکا دیا ہے فتنۂ محشر کو خواب سے

نظر بد کا گماں مجھ کو سوئے کو کب ہے
شب کو منھ کھول نہ اپنا کہ یہ آخر شب ہے

اشک رنگیں کے سوا اور نہ کچھ ہاتھ آیا
پھول ہم چن کے یہ لائے چمن حرماں سے

پتھر میں بن گیا ستم روز گار سے
ٹوٹے گا آبلہ نہ مرا نوک خار سے
اس شعلہ رو سے گرم ہے شاید کنار غیر
آتی ہے بوئے یاس دل داغ دار سے

نہ غنچہ لائی ' نہ گل ' ارمغاں ہزار افسوس
ہمیں قفس میں نسیم بہار بھول گئی

واں باد صبا جائے ' نہ قاصد کا گذارا
یاران عدم رفتہ کی کیوں کر خبر آئے

اے "مصحفی" کچھ یاں سے نہ لے جائے گا کوئی
حسرت ہی فقط سوئے عدم ساتھ چلے گی

ہوائے کوچۂ قاتل پہ جان جاتی ہے
بہار خلد بریں ہم کو کب خوش آتی ہے
دکھایا ہم کو جو پیری نے نیک و بد دیکھا
اب آ کے دیکھیئے تقدیر کیا دکھاتی ہے

جو کچھ شکستہ قفس کی بھی تیلیاں ملتیں
تو ہم انہیں کو خس و خار آشیاں کرتے
نہ دی فلک نے ہمیں فرصت اس قدر ورنہ
کسی طرح تو ترے دل کو مہرباں کرتے

مرے تو دل میں نہیں کچھ ' پر اس میں ہوں مجبور
اگر زبان قلم سے گلا ٹپکتا ہے

لیلیٰ نے کہا دیکھ کے مجنوں کی نگاہیں
عاقل ہے یہ دیوانہ تو مجذوب نہیں ہے

ہے کچھ تو سبب اس کا کہ مجھ تک نہیں آتی
وابستۂ زنجیر ہیں کیا پاؤں اجل کے

خواص دور بیں آئینہ دل میں ہے عاشق کے
نظر نزدیک ہی آتا ہے جو ہے دور آنکھوں سے
کہا تونے "نہ دیکھا کر مجھے" کیاعذر ہے مجھ کو
بجالاؤں گا تیرا حکم تا مقدر آنکھوں سے

شانہ اک لحظہ نہ ہوتا تھا جدا گیسو سے
چند دن ' ربط تھا واں آئینہ و زانو سے
ساتھ پیکاں کے مری جاں نکل آئی وہیں
تیر بے درد نے کھینچا جو مرے پہلو سے

"مصحفی" ہجر کبھی وصل کبھی ہوگا نصیب
یار باقی ہے تو تازیست ہے صحبت باقی

"مصحفی" کو بھیک اگر دیتے نہیں تو دو جواب
دیر سے کوچے میں وہ خانہ خراب اِستادہ ہے

''مصحفي'' عود جواني تو ہے مشکل لیکن
آپ کو وصل کی شب ہم نے جواں دیکھا ہے

وا حسرتا نصیب نے چونکا دیا وہیں
آئی نظر جو خواب میں صورت وصال کي
محتاج سے نہ پوچھو کہ کیا تجھ کو چاهئے
مرد فقیر آپ ہے صورت سوال کي

کچھ ایسا آنکھ لگتے ہی آرام آگیا
جو صبح حشر کو بھی نہ بیدار ہم ہوئے

شکل امید تو کب ہم کو نظر آتی ہے
صورت یاس بھي بن بن کے بگڑ جاتی ہے

شب' طبق میں آسماں کے بگڑے تھے میرے جو اشک
کچھ ثوابت بن گئے کچھ ان میں سیارے ہوئے
زخم سینہ پر نمک چھڑ کا کئے تا صبح دم
ہجر کی شب دشمن اپني نیند کے' تارے ہوئے

ہم کب سے چمن زار میں بے ہوش پڑے ہیں
معلوم نہیں گل ہے کدھر؟ خار کدھر ہے؟

پیچھے پھر کر دیکھتا ہوں بھاگتا ہوں آپ سے
اپنے سائے سے بھي مجھ کو اب تو وحشت ہوگئی
ہائے کعبے سے پھرا اب تک نہ ہرگز "مصحفي"
اس کو کیا جانے وہاں کس بت سے صحبت ہوگئی

تو آکے بیٹھے دم نزع جس کی بالیں پر
وہ مر بھي جائے تو آنکھیں کبھی نہ بند کرے

کر سلوک اب تو گریبان سے اے دست جنوں
چاک اک جھٹکے میں تا دامن محشر پہنچے

اے '' مصحفي '' ہجراں میں کیا دل کو اذیت ہے
نے یار ہی ملتا ہے نہ جاں نکلتي ہے

مانی اُن ابرووں کی تصویر کھینچتا ہے
خورشید پر دو دستي شمشیر کھینچتا ہے
رہنے دے، تا ہو ، دل کو میرے ذرا تسلی
پہلو سے میرے ظالم کیوں تیر کھینچتا ہے

میں وہ نہیں ہوں کہ اس بت سے دل مرا پھر جائے
پھروں میں اس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے

شب فراق میں بچنا بشر کا ہے مشکل
یہ بات اور ہے آدمی ہوئی قضا پھر جائے

جگر پہ صدمہ ہے غم کے مارے، تو دل میں جوش ملال بھی ہے
تپ جدائي ترا برا ہو نہ چھیڑ! کچھ مجھ میں حال بھي ہے

شمع و شراب و شاہد و ساقي ہے رو بہ رو
کیا چاہے اور طالع بیدار سے کوئی
میں تم سے پوچھتا ہوں بھلا اس کا کیا علاج
پھر جائے وعدہ کر کے جو اقرار سے کوئی

مخمس بر غزل " آصفي "

جب سے ہوا ہے مجھ سے وہ پیماں شکن جدا
آتش میں تن جلے ہے جدا اور من جدا
ہو وے کسی طرح سے یہ رنج و محن جدا
صورت گراں! ہلاکم ازاں سیم تن جدا
سازید صورتے کہ نہ با شد زمن جدا

ہے بس کہ میري جان کو، تجھ سے جو اتحاد
تیرے سوا کسی کی نہیں میرے دل میں یاد
جب تک کہ میں ہوں اور ہے تو ہے یہي مراد
دور از رخت مباد مرا دیدہ بلکہ باد
مردم زدیدہ، دیدہ ز سر، سر ز تن جدا

کی زندگی میں تجھ سے وفا میں نے گل بدن

ایسي که گل سے کر نه سکے بلبل چمن

مرنے کے بعد بھي جو مرا خاک ھوگا تن

پیوند بگسلند سگت ز استخوان من

روزے که بند بند شود از کفن جدا

قصیدہ در معذرت اتہام انشا بہ جناب مرشد زادہ شہزادہ

مرزا سلیماں شکوہ بہادر

قسم بذات خدائے که ھے سمیع و بصیر

که مجھ سے حضرت شہ میں ھوئی نہیں تقصیر

سوائے اس کے که حال اپنا کچھ کیا تھا میں عرض

سو وہ بہ طور شکایت تھي آند کے تقریر

گر اس سے خاطر آقدس پہ کچھ ملال آیا

اور اس گنہ سے ھوا بندہ واجب التعزیر

عوض رپوں کے ملیں مجھ کو گالیاں لاکھوں

عوض دو شالہ کے خلعت بہ شکل نقش حصیر

سلف میں تھا کوئی شاعر نواز ایسا کب

جو ھے تو شاہ سلیماں شکوہ عرش سریر

مزاج میں یہ صفائی که کر لیا باور

کسي کے حق میں کسي نے جو کچھ که کي تقریر

مصاحب ایسے، اگر کچھ کسي سے لعزش ھو

تو اس کے رفع کی ھرگز نه کرسکیں تدبیر

اگر کریں تو پھر ایسی کہ نار طیش و غضب
مزاج شاہ میں ہو مشتعل بصد تشویر
سو تاب ذرہ کہاں نور آفتاب کہاں
کہاں وہ سطوت شاہی کہاں غرور فقیر
مقابلہ جو برابر کا ہو تو کچھ کہئے
کہاں دمیقی و دیبا، کہاں پلاس و حصیر
میں اک فقیر غریب‌الوطن مسافر نام
رہے ہے آٹھ پہر جس کو قوت کی تدبیر
مرا دھن ہے کہ مدح حضور اقدس کو
الٹ کے پھر میں بہ حرف ذمیمہ دوں تغیئر
یہ افترا ہے بتایا جو منحرف مجھ کو
یہ چاہے ہے کہ کروں شکوہ اس کا پیش وزیر
اگر وزیر بھی بولے نہ کچھ خدا لگتی
تو جاؤں پیش محمد کہ ہے بشیر و نذیر
شفیع روز جزا بادشاہ او ادنی
نہ کر وہ جرم یہ جس نے لکھی نہیں تعزیر
کہوں یہ اس سے کہ اے جرم بخش ہر عاصی
تیری غلامی میں آیا ہے داد خواہ فقیر
خطا ہو میری جو پہلے ' تو کر اسیر مجھے
و گر عدو کی ' پہنا اس کو طوق اور زنجیر
اگر چہ بازی " انشا " کے بے حمیت کو
رہا خموش سمجھ کر میں بازئی تقدیر
و لے غضب ہے بڑا یہ کہ اب وہ چاہے ہے
خیال میں بھی نہ کھینچوں میں ہجو کی تصویر

کیا میں فرض کہ میں آپ اس سے در گذرا
پھرے گا مجھ سے کوئی کرم و منتظر کا ضمیر
اور ان پہ بھي جو کیا میں نے تازیانہ منع
تو ہو سکے ہے کوئی ان کي وضع کي تدبیر
ہزار شہدوں میں بیٹھیں ہزار جا پہ ملیں
پھریں ہمیشہ لئے جمع ساتھ اپنے کثیر
نہ مانیں تیغ سیاست ' نہ قہر سلطاني
نہ سمجھیں قتل کا وعدہ نہ ضربت شمشیر
مزاج ان کا تنھول اس قدر پڑا ہے کہ وہ
ہنسي سمجھتے ہیں اس بات کو نہ جرم کبیر
پھر اس پہ یہ بھی ہے یعني کہ اس مقام کے بیچ
جو ہووے منشي تو کچھ نثر میں کرے تسطیر
فکیف جن کو خدا نے کیا ہو موزوں طبع
اور اپنے فضل سے بخشي ہو شعر میں توقیر
یہ کرني بات ہے سو سن کے وہ خموش رہیں
ہوا ہے مصلحتاً گو کہ تصفیہ بہ اخیر
مگر یہ بات میں مانی کہ سوانگ کا باني
اگر میں ہوں تو مجھے دیجے بدترین تعزیر
میں آپ فاقہ کش' اتنا مجھے کہاں مقدور
کہ فکر اور کروں کچھ بغیر آش شعیر
مرے حواس پریشاں بہ ایں پریشانی
ہو جیسے لشکر بہ شکستہ کی خراب بھیر

گر اس پہ صلح کي ٹھہري رہے تو صلح سہي
اگر ہو پھر شرارت، بشر ہوں میں بھی شریر
جو اب ایک کے یاں دس ہیں اور دس کے سو
نگاہ کرني تھي اول بہ ایں قلیل و کثیر
حصول یہ ہے کہ جب کوتوال تک قضیا
گیا ہو از پے تہدید شاعراں شریر
تو کوتوال ہي بس ان سے اب سمجھ لے گا
یہ دم بہ دم کي شکایت کی ہے عبث تحریر
یہ وہ مثل ہے کہ جس طرح سارے شہر کے بیچ
بلند قامتی اپني سے متہم ہو بعیر
سو مہتمم مجھے ناداں نے ہجو شہ سے کیا
قباحت اس کي جو سمجھے شہ اس کو دے تعزیر
ولے مزاج مقدس جو لاابالي ہے
نہیں خیال میں آتا خیال حرف حقیر
جو کچھ ہوا سو ہوا ''مصحفي'' بس اب چپ رہ
زیادہ کرنہ صداقت کا ماجرا تحریر
خدا پہ چھوڑ دے اس بات کو وہ مالک ہے
کرے جو چاہے جو چاہا کیا بہ حکم قدیر

افسوس

شیر علي نام ' دهلي میں پیدا هوئے - گیارہ برس کے سن میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ گئے اور وهیں رہ پڑے '' میر حسن '' یا '' میر حیدر علي '' حیراں یا دونوں کے شاگرد تھے ' عالم ' فاضل خلیق ' اهل دل اور منکسر مزاج آدمي تھے -

ڈاکٹر گلکرسٹ کی نظر انتخاب نے صاف اور سلیس اُردو نثر کی کتابیں لکھوانے کے لئے زبان دانان ریختہ ' کي جو جماعت مقرر کي تھي اس میں '' افسوس '' ایک ممتاز درجہ رکھتے هیں افسوس صاحب دیوان شاعر هیں ان کے کلام میں عاشقانہ رنگ نمایاں ھے اُن کی زبان صاف اور شستہ ھے اور بیان میں درد و اثر بھي ھے -

'' افسوس '' نے سنہ ۱۸۰۹ ھ میں انتقال کیا -

— —

انتخاب

ملے ہے پانوں سے اپنے، وہ لالہ رو ہردم
یہ مرتبہ تو دل داغ دار کا پہونچا
قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں "افسوس"
حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہونچا

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

وہ بے وفا مجھے تو تک ایک آج مل گیا
پر اپنے اختیار سے "افسوس" دل گیا

جس کو تیر نگہ لگا ہوگا ایک دم میں وہ مرگیا ہوگا

اس شعلہ وش کو دیکھ کے بے تاب ہوگیا
یارو بہ دل تو تھا ہی پہ سیماب ہوگیا

دل ترے بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار
بے وفاؤں سے رہی ہے تجھ کو یاری بیشتر

ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بغیر
روتے ہی آہ کٹ گئی یہ رات تجھ بغیر

پاؤں یہ گڑے کے جوں نقش قدم پھر نہ اٹھے
خاک میں مل گئے بیٹھے جو ترے در پر ہم

کوچۂ یار میں رہتے تو نہیں اب، لیکن
بھولے بھٹکے کبھی اس راہ سے ہو جاتے ہیں

سچ ہیں یہ خود نمائیاں، حق ہیں یہ لن ترانیاں
شعلۂ طور بجھ گیا، دیکھ کے اس کے نور کو

ہنستے ہیں شب وصل میں ہم اب تو پر اک دن
اس شب کو بہت روئیں گے اور یاد کریں گے

صلاح جانے جو کچھ اس سے کہیو اے قاصد
پیام کیا میں تجھے دوں نہیں حواس مجھے

کرتے تھے اور اپنی قادرالکلامی سے ہر خار زار کو گلزار بنا دیتے تھے - ان کے کلام میں دلنشیں استعارے اور نادر تشبیہیں کثرت سے ملتی ہیں -

شاہ نصیر فن شعر کے مسلم‌الثبوت استاد تھے - ان کے تلامذہ میں " حیا " " معروف " - اور " ذوق " مشہور ہیں - ایک " ذوق " ہی اُن کی اُستادی کی ایسی یادگار تھے جو دنیاے شاعری میں ہمیشہ باقی رہیگی -

---

اِنتخاب

بے کلی کیوں کر نہ ہو وے اُس کی فرقت میں "نصیر"
عشق میں اس گل‌بدن کے دل ٹھکانے لگ گیا

دیر کیوں کرتا ہے پھر کیا جانئے کس کا ہو دور
ساقیا لب سے ہمارے تو لب ساغر لگا
آپ سے آئے نہیں ہم سیر کرتے باغ میں
لائی ہے باد صبا گلشن میں لپٹا کر لگا

نہیں اس دور میں ڈر ساقیا سنگ حوادث کا
بغل میں ہے بہ‌رنگ شیشہ تصویر، دل میرا

ہر جا متجلی ہے وہی پردۂ غفلت
اے معتکف دیر و حرم اٹھ نہیں سکتا

وائے اے شیشۂ دل سینے میں مانند حباب
ٹھیس سے اس نفس سرد کے تو ٹوٹ گیا

کعبہ سے غرض اُس کو، نہ بت خانے سے مطلب
عاشق جو ترا، ہے نہ ادھر کا نہ اودھر کا

صبا کیا آبرو ہو اُس کی جو ہو وے تنک مایہ
چمن میں قطرۂ شبنم در مکنون نہ ٹھہرے گا

کیا ہوا، گر چشم تر سے خوں ٹپک کر رہ گیا
بادۂ گلگوں کا ساغر تھا چھلک کر رہ گیا

ساقیا دیکھ تو کیا عالم کیفیت ہے
جام گرداب ہے، مینائے مئے ناب، حباب

موج صبا کہاں ہے یہ فصل بہار میں
مجنوں کے واسطے ہے سلاسل کا اضطراب

رات اس بت کا ہوا بوسۂ رخسار نصیب
جھوٹ بولوں تو خدا کا نہ ہو دیدار نصیب

دیکھا نہ تجھے، رہ گئی دیدار کی حسرت
تا مرگ نہ نکلی ترے بیمار کی حسرت

صیاد قفس کو نہ اٹھا صحن چمن سے
باقی ہے ابھي مرغ گرفتار کی حسرت

مہر ہاے داغ سے معمور ہے سینہ تمام
رو برو اللہ کے جائیں گے ہم محضر سمیت

دیوانہ میں وہ ہوں کہ سدا پاؤں سے میرے
سر اپنا اٹھاتي نہیں زنجیر لگا کر

سو مردے جلا دے ہے وہ اک جنبش لب سے
منکر کوئي اعجاز مسیحا سے ہو کیوں کر
حسن رخ دل دار ہے ہر جا متجلي
پنہاں یہ مرے دیدۂ بینا سے ہو کیوں کر
فردا تري فردائے قیامت سے نہیں کم
تسکین مجھے وعدۂ فردا سے ہو کیوں کر

خیال زلف میں ہر دم "نصیر" پیٹا کر
گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

دل صید ہوا تیري پریشان نظري سے
کرتا ہے خطا ہو وے اگر تیر کو جنبش

کیوں نہ رکھے دانہ انگور کی تسبیح شیخ
لے گیا دامن کشاں مسجد سے میخانے کا شوق
حلقۂ چشم غزالاں خانہ زنجیر ہے
کھینچ کر لے جائے ہے صحرا کو دیوانے کا شوق

نہ تنہا اشک کے قطروں سے کچھ زیب گریباں ہے
یہ موتی ٹانکتا ہے دیدۂ غم ناک دامن تک
مکدر ہو کے وہ آئینہ رو جھٹکے ہے دامن کو
ہماری خاک پہونچی اڑ کے بھی کیا خاک دامن تک

کیا عدم کو سفر موسم بہار نے حیف
خزاں کے دوش پہ ہے آج گاہوارۂ گل

جو بات پیش آئی تھی سو پیش آ گئی
کیا دیکھیں تیرے کشتوں کے پیشانیوں میں ہم

کیوں نہ آنکھوں سے لگا کر میں پیوں اے ساقی
ہے رقم ساقی کوثر کا لب جام پہ نام
والہ و شیفتہ و زار و حزین و مجنوں
ہم کو کیا کیا تری الفت میں ملے نام پہ نام

اے باد صبا ہم تو ہوا خواہ ہیں تیرے
مشتاق ہیں گل کے نہ طلب گار گلستاں

تجھ سے کہا دیدۂ و دانستہ محبت کیجئے
آنکھ لڑتی ہے کہیں، نامہ و پیغام کہیں

آپ کا کون طلب گار نہیں عالم میں
ایک بندہ ہی گنہ گار نہیں عالم میں

برقعۂ آبِ رواں میں یہ ترے، جالی نہیں
پڑ گئے ہیں ناوک مژگاں سے روزن آب میں

پوچھے ہے وہ کہ کس طرح شیشہ و جام کا ہے ساتھ
کہہ دے ملا کے چشم سے چشم کو ساقیا کہ یوں

چھلنی کانٹوں سے ہوئے گو، مرے تلوے لیکن
دشت وحشت کی ابھی خاک چھنی خوب نہیں

"نصیر" دیکھ تو کیا جلوۂ خدائی ہے
ہمارے اس بت خانہ خراب کے گھر میں

کیا کہوں تیرے بغیر اے ساقئی پیماں شکن
حلقۂ ماتم یہاں تھا دور ساغر رات کو

رکھتا ہے اور کیا دل ناشاد آرزو
ملنے کي ہے ترے ستم ایجاد آرزو

دم غنیمت ہے کوئي دم کي یہ صحبت ہم نشیں
تجھہ سے پھر ملنا خدا جانے ہمارا ہو نہ ہو

کر ذبح اسیران قفس کو کہیں صیاد
پرواز کی طاقت نہیں تا بام کسی کو
انصاف تو کر دل میں تک اے ساقی کم ظرف
خالی کوئي دیتا ہے بھلا جام کسی کو

وہ حسن بے حجاب اُس کا ہے ہر جا جلوہ گر لیکن
تري آنکھوں پہ غفلت کا پڑا ہے بے خبر پردہ

رفتہ رفتہ یار کے زانو تلک پہونچا دیا
آفریں ہے تجھہ کو اے تدبیر پشت آئینہ

جب رشتۂ محبت ساقی سے جوڑ بیٹھے
شیشے کو پھوڑ ڈالا ساغر کو توڑ بیٹھے

چشم سے پردۂ غفلت جو اٹھا دیکھیں گے
سب سے باہم تجھے اور سب سے جدا دیکھیں گے

اس قدر ہم نے کیا ہے تجھ کو یاد
ایک عالم کو ہماری یاد ہے

دیکھ لیتی جو اٹھاکر ترے کیا ٹوٹتے ہاتھ
لیلی ایسا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

" نصیر " زیب مکان رونق مکیں سے ہے
فروغ خانۂ انگشتری نگیں سے ہے

راسخ

شیخ غلام علی نام' آبا و اجداد دهلی کے رهنے والے تھے' عظیم‌آباد (پٹنہ) ان کا مولد هے' اسي نسبت سے [راسخ عظیم‌آبادي مشہور تھے - سنہ ۱۱۹۲ ھ میں پیدا هوئے' سنہ ۱۲۲۱ ھ تک مختلف مقامات کي سیر و سیاحت کرتے رهے - سنہ ۱۲۲۲ ھ میں اپنے وطن عظیم‌آباد میں واپس آے' عظیم‌آباد اس وقت مرجع اهل کمال تھا' راسخ کی کافي عزت هوئی' راسخ نے پہلے میر "گھسیٹا'' عشق' فدوی' شرر سے اصلاح لی لیکن کچھ دنوں کے بعد جب خم‌خانۂ میر سے جرعہ نوشي کی تو آخر تک اسي رنگ میں مست رهے' "میر" کي شاگردی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے' جا بجا مقطع میں اس کا ذکر کیا هے' مشہور هے کہ "میر" نے "راسخ" کے اس شعر پر اصلاح دي تھي -

راسخ—مرتے دم ان کا ذکر جب آیا زبان پر
نیند آ گئي همیں تب اسي داستان پر

میر—تا خواب مرگ ذکر تھا ان کا زبان پر
نیند آ گئي همیں تو اسی داستان پر

راسخ کے کلام میں تصوف کا عنصر غالب ہے ، وہ خود سراپا کیف
اور ان کا دیوان خم خانۂ کیفیات ہے " راسخ " صوفی منش ، بزرگ
صفت سوز و گداز رکھنے والے شخص تھے ، موسیقی میں بھی دخل
تھا ، کہا جاتا ہے کہ موسیقی سے متاثر ہو کر بیشتر غزلیں کہی ہیں ،
تمام اصناف سخن پر قادر تھے - " راسخ " نے ۷۶ برس کی عمر پاکر
وفات پائی -

انتخاب

تمہارے آشنا کب خلق سے رکھتے ہیں آمیزش
انھیں تو آپ سے بھی ہم نے بیگانہ سدا پایا
دل بلبل نہ تنہا چاک ہے اس عشق کے ہاتھوں
یہ وہ ہے جس سے گل کے بھی گریباں کو قبا پایا

جب تجھے خود آپ سے بے گانگی ہو جائے گی
آشنا تب تجھ سے وہ دیر آشنا ہو جائے گا

لاگ اس پلک کی اتنی ہے معلوم ہے کہ آہ
کانٹا سا کچھ جگر میں ہے اپنے چبھا ہوا

شہادت گہ خوں ریز محبت طرفہ جا دیکھی
کہ جو مقتول تھا یاں خنجر قاتل کا ممنوں تھا

جوانی ہلس کے کاٹی اب پلک پر اشک چمکے ہے
جو رات آخر ہوئی نکلا ستارہ صبح پیری کا

تھا جی میں کہ دشواری ہجر اس سے کہیں گے
پر جب ملے کچھ رنج و محن یاد نہ آیا

بےمدعا ہوں یہ بھی ہے اک مدعائے دل
اس قید مدعا سے نہ کوئی رہا ہوا

انتہائے عاشقی ہے شان معشوقی کہ ہم
صید جس صیاد کے تھے وہ شکار اپنا ہوا

دور میں اس کی مست آنکھوں کے
محتسب بھی شراب خوار ہوا

بگڑی جب سب سے، تب کچھ اُن سے
اسلوب بنا موافقت کا

رخ زیبا دیا گل کو، دل بےصبر بلبل کو
اسے خنداں کیا پیدا، اُسے نالاں کیا پیدا

مدعا عالم سے اپنا ہی فقط دیدار تھا
دید کو اپنے یہ آئینہ اسے درکار تھا
دل سے آگے کیوں بڑھا تو اے طلب گار وصال
پھر ادھر ہی جا وہی گھر جلوہ گاہ یار تھا

شوق کي باتوں کا کس نامہ میں اظہار نہ تھا
هم نے کب خط انهیں لکھا کہ وہ طومار نہ تھا

برسوں رہا ہے صدمہ کش اشک و آہ دل
یہ نسخہ ہے کچھ آب زدہ کچھ جلا ہوا

ہوا دیوانہ ہر فرزانہ تیرا   بہت فرزانہ ہے دیوانہ تیرا

مت پوچھئے مجھ سے حال میرا   حیرت زدہ کیا بیاں کرے گا
جاں جسم پہ اب گراں ہے اے غم   کتنا مجھے ناتواں کرے گا

معمور طرب رکھے دل، دوست نے دشمن کے
آنکھوں کو محبوں کی آنسو سے بھرا رکھا

عقل والوں کے نہ آیا پیچ میں "راسخ" کبھو
یہ بھي اس کي ذي شعوري تھی کہ سودائی رہا

پیشتر تم تھے جہاں اب سبب تسکیں ہے
اس مکاں کے درودیوار کو دیکھا کرنا

وے تھے خواہاں مرے خرابي کے   میں اسي واسطے خراب رہا

دشمنی در پردہ کی، اے واے تم نے کیا کیا

آپ تو پردے میں بیٹھے اور ہمیں رسوا کیا

کب میرا خریدار ہو موجد وہ جفا کا

بندہ تو ہوں، ہے عیب ولے مجھ میں وفا کا

سونپا ہوا داغ ان کا تازہ ہی سدا رکھا

ہم نے اس امانت کو چھاتی سے لگا رکھا

گذرے جو وہ خیال میں تو نازکی سی ہائے

یہ رنگ ہو کہ پھول ہو جیسے ملا ہوا

ہو ضبط آب، ٹوٹے ہوئے ظرف میں کہاں

دل چاک ہو گیا ہے جو آنسو رواں ہے اب

صورت ہمارے حال کی بگڑی سے دیکھ کر

قاصد نے ان کے آنے کی دل سے بنائی بات

زندہ ہے نام "میر" "راسخ" سے کوئی ہے شاعروں میں ایسا آج

کہاں کا دام فقط ہے تری نظر صیاد

جو چاہے صید ہوں ہم دیکھ تک ادھر صیاد

فلک تجھ سے خواہان شاہی نہیں ہم
ہمیں کوچۂ یار کا تو گدا کر

اپنا بھی ماجرائے دل اک مرثیہ سا ہے
بے اختیار روتے ہیں لوگ اس بیان پر

ضبط گریہ تو ہے پر دل پہ جو اک چوٹ سی ہے
قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز
شیخ اس بت شکنی پر نہ ہو اتنا مغرور
تو نے توڑا نہیں اپنا بت پندار ہنوز

بازار جہاں میں کوئی خواہاں نہیں ہے تیرا
لے جائیں کہاں اب تجھے اے جنس وفا ہم

عموماً کاش محو جلوہ فرمائی نہ ہوتے تم
جگہہ دل میں مرے کرتے جو ہرجائی نہ ہوتے تم
تمہاری التفات خاص ہی وجہہ جنوں تھی یاں
تماشا ہم نہ بنتے گر تماشائی نہ ہوتے تم

جز داغ ہے کیا ؟ دل حزیں میں   اللہ ہی اُگے ہے اس زمیں میں

اب اور لگا ہونے ایجاد گلستاں میں
راتوں کو لگا رہنے صیاد گلستاں میں

——

گھر سے کہو کر دو یہ اپنے بیٹھنے دیتے نہیں
تم جو کہتے ہو کہ جاؤ یاں سے میں اب جاؤں کہاں

——

اس کا ہر برگ آئینہ روے چمن آرا کا ہے
دیدنی ہے یہ چمن گر ہم نظر پیدا کریں
باوجود دل نظر آز نہ تم حیرت ہے یہ
آئینہ پاس اور ہم دیدار کو ترسا کریں
کچھ بھی کیفیت گراں میں ہو تو یہ سب خرقہ پوش
سبحہ و سجادہ رہن ساغر و صہبا کریں

——

"راسخ" علاقہ دل کا نہ ہو دلبروں کے ساتھ
تم اہل دل ہو حق میں مرے یہ دعا کرو

——

گردوں نے طرفہ تلب درد آشنا دیا ہے
یعنی ہمیں یہ شیشہ ٹوٹا ہوا دیا ہے
کتنی گراں بہا ہے پاؤں کی ان کے ٹھوکر
قیمت میں اس کی سر کو ہم نے جھکا دیا ہے

——

آہ عالم کي هم اس وضع سے حیران هوئے
دشت یاں شهر هوئے شهر بیابان هوئے
دم میں آزاد کیا قید سے هستی کی همیں
تیغ قاتل کے تو هم بندہ احسان هوئے

هوئے هیں هم ضعیف اب دیدني رونا همارا هے
پلک پر اپنی آنسو صبح پیري کا ستارا هے

غم شریف حرم کو یہ هے کہ حیف نہ گدائے شر اب خانہ هوئے

خواهشیں جمع تهیں دل میں سو کیا ان کو وداع
کوچ سے آگے هی سامان لٹایا هم نے

هوئے مغلوب شوق کار فرما آخر آخر هم
همیں تها اختیار آگے پر اب بےاختیاري هے
اٹها سکتے نهیں بے طاقتي کا بار بهی اب هم
هوئے هیں ناتواں ایسے کہ جینا تک بهی بهاري هے

اگر باب اجابت تک رسا اپنی دعا هوتي
تو جي میں تها کہ خواهان دل بے مدعا هوتے

مثنویؔ "عشق"

اے عشق امام ھے تو میرا　　دین و اسلام ھے تو میرا

تو جان ھے جسم ناتواں میں　　ھووے جو نہ تو تو پھر کہاں میں

کپڑوں کے نہ بند میں رھا میں　　اس قید سے ھو گیا رھا میں

پوشش سے تو میں نے ھاتھ اٹھایا　　عریانی کو پیرھن بنایا

ھے طرفہ مزا تري جفا کا　　جی جانتا ھے مری وفا کا

شاھوں کي تباھي تونے چاھی　　کشکول بنائے تاج شاھی

تو عقل کے ھوش کھو سکے ھے　　جو چاھے سو تجھ سے ھو سکے ھے

بیدار

نام میر محمدی ، دهلی کے رهنے والے مولانا فخرالدین کے مرید اور مرتضی قلی خاں کے شاگرد تھے - اپنے استاد سے زیادہ مشہور ہوے -

دهلی سے اکبرآباد چلے گئے تھے وهیں وفات پائی - صاف شعر کہتے هیں ، اور مضمون آفرینی کی کوشش کرتے هیں اُن کی غزلوں میں جا بجا تصوف کی جھلک بھی دکھائی دیتی هے - فارسی کی دل‌آویز ترکیبیں استعمال کرتے هیں -

---

انتخاب

اشک سے سوز غم عشق مٹایا نہ گیا
شعلہ اس آگ کا پانی سے بجھایا نہ گیا

ایک بھی تار نہیں تا سر دامن ثابت
اس طرح چاک گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
نظر آتی ہی نہیں صورت جاناں دل میں
عکس آئینے میں پنہاں نہ ہوا تھا سو ہوا

جو کچھ کہ تھا وظائف و اوراد، رہ گیا
تیرا ہی ایک نام فقط یاد رہ گیا
کس کس کا دل نہ شاد کیا تونے اے فلک
اک میں ہی غم زدہ ہوں کہ ناشاد رہ گیا
" بیدار " راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس، کوہ میں فرہاد رہ گیا

طلب میں تیری اک تنہا نہ پائے جستجو ٹوٹا
کہ نایابی سے تیری تار تار آرزو ٹوٹا

کیا ھنگامۂ گل نے مرا جوش جنوں تازہ
اودھر آئی بہار، ایدھر گریبان کا رفو ٹوٹا

ہم خاک بھی ہوگئے پر اب تک جی سے نہ تیرے غبار نکلا

کروں ہوں شاد دل اپنا ترے تصور سے
اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا کرتا

اس نے یاں تک کبھي گذر نہ کیا تونے اے آہ کچھ اثر نہ کیا

ہو گیا گرتے ھي تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا " بیدار " یہ یا آگ کا پرکالہ تھا

نہیں رہا ھے کسي کے اب اختیار میں دل
کیا ھے قصد مگر تونے دل ربائی کا
جہاں ہو نقش قدم اُس کا دیکھ لو "بیدار"
کہ واں نشان ھے میری بھي جبھہ سائي کا

تھي جو رسوائي ھو چکی " بیدار "
پاس نا موس و ننگ کیا ھے اب

پھر سرنو سے بیاں کر ! اس کو تو اے قصہ خواں
بوئے درد آتی ہے مجھ کو تیرے افسانے میں آج
پھونک دی یہ آگ کس کے حسن بزم افروز نے
بحث جھڑے کی ہے باہم شمع و پروانے میں آج

ہوں میں پا بند الفت صیاد　　کب مجھے باغ و بوستاں ہے یاد

نہ تاب ہجر کی رکھتا ہوں نا امید وصال
خدا ہی جانے کہ کیا ہوگا اس کا آخر کار

آخر اے دل تونے دیکھا کیا ستم تجھ پر ہوا
ہم نہ کہتے تھے کہ ظالم اس سے مت کر اختلاط
آتش حسرت میں ہو جاتے ہیں لخت دل کباب
اُس لب مے گوں سے جب کرتا ہے ساغر اختلاط
دل سے اپنے وہ خبر دار اُس کی باتوں پر نہ بھول
بے سبب کرتا نہیں ہے وہ ستم گر اختلاط

اے شیخ تو اُس بت کے کوچے میں تو جاتا ہے
ہو جائے نہ یہ سبحہ' زنار خدا حافظ

دے تو اس ابر سیہ میں جام جلدی سے مجھے
دل بھرا آتا ہے میرا دیکھ کر صہبا کا رنگ

اس آئینہ رو کے ھو مقابل معلوم نہیں کدھر گئے ھم
گو بزم میں ھم سے وہ نہ بولا باتیں آنکھوں میں کر گئے ھم
پاتے نہیں آپ کو کہیں یاں حیران ھیں کس کے گھر گئے ھم

فتراک سے باندھ خواہ مت باندھ
اب تیرے شکار ھو گئے ھم

تیرے حیرت زدگاں اور کہاں جاتے ھیں
کھوئے گر آپ سے جاتے ھیں تو واں جاتے ھیں

ایک دم بھی نہیں قرار مجھے
اے ستمگار کیا کروں تجھ بن

انجمن ساز عیش تو ھے یہاں
اور پھر کس کی آرزو ھے یہاں

کون ھے کس سے کروں درد دل اظہار اپنا
چاھتا ھوں کہ سنو تم سو کہاں سنتے ھو

منھ نہ پھیرا کبھی جفا سے تری
آفریں دل کو، مرحبا دل کو

ہے زمانے سے جدا روز و شب سوختگاں
شام کہتے ہو جسے ہے سحر پروانہ

اپنے اوپر تو رحم کر ظالم دیکھ مت بار بار آئینہ

" بیدار " چھپانے سے چھپتے ہیں کوئی تیرے
چہرے سے نمایاں ہیں آثار محبت کے

درپہ اے یار تیرے آ پہنچے طاپش دل نے رہ نمائی کی

اب تک مرے احوال سے واں بے خبری ہے
اے نالۂ جاں سوز ! یہ کیا بے اثری ہے
تیرا ہی طلبگار ہے دل دونوں جہاں میں
نے حور کا جویا ہے نہ مشتاق پری ہے

ساقی نہیں ہے ساغر مے کی ہمیں طلب
آنکھیں ہی تیری دیکھ کے بے ہوش ہو گئے

تو نہ ہو وے تو اے مہ تاباں
چاندنی رات خوش نہیں آتی

ربط جو چاهے هے "بیدار" سو اُس سے معلوم
مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی هے

رخ تاباں سے تمہارے کہ هے خورشید مثال
در و دیوار سبھی مطلع انوار هوئے

نذر میں اُس شہہ خوباں کے کروں کیا "بیدار"
دل هے سو داغ هے' جاں هے سو غم اندوختہ هے

سجاد

نام میر محمد "سجاد" اکبرآباد کے رہنے والے تھے - علم طب فن انشا و طلسمات کے ماہر تھے "میر" نے ان کا شمار استادان فن میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے کلام میں الفاظ کی بندش کا اہتمام زیادہ ہے تاہم معنی کی دل نشینی بھی موجود ہے - ایک شعر کی نسبت کہتے ہیں کہ جی چاہتا ہے اس کو سو مرتبہ لکھوں وہ شعر یہ ہے :—

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے
جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

ان کے اشعار میں آمد کا رنگ نمایاں ہے - جہاں آورد ہے وہاں بھی بے ساختگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے - محاورہ بندی ان کی خاص شان معلوم ہوتی ہے - بعض جگہ پوری مثل مصرعہ کی صورت میں باندھی ہے -

انتخاب

ساقی ! بغیر جام کے جیو کا نہیں بچاؤ
جوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ بلا

کیوں مشت گل بھی دل کی نہ رونے میں بہہ گئی
"سجاد" مجھ کو باقی ہے چشموں سے یہ گلا

تجھ کو اے "سجاد" غیر از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

جو دل ہے گلوں سے اٹکتا ہوا　　وہ کانٹا ہے جی میں کھٹکتا ہوا

بتاں تو چاہتے "سجاد" تجھ کو
کریں پر کیا ؟ خدا نے جو نہ چاہا

آتش غم نے ہم کو سرد کیا
دل پھپھولا ہوا وہ درد کیا

بتوں کی بھی یہ یاد دو روز ھے　　ھمیشہ رھے نام اللہ کا

اب جلائے تک آن کر ساقی　　عمر کا بھر چکا ھے پیمانا

عشق میں جائےگا کہیں مارا　　بے طرح دل ہوا ھے آوارا

"سجاد" کوئی دیکھے بے تابیاں تو دل کی
ھے زندگی ھماری یہ موت کا نمونا

یار سے دل ملا وہ غیر ستی　　نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

لائے ہو تم میرے آگے کیا دوا　　خون دل اپنا پیوں میں یا دوا

میں نے جانا تھا قلم بند کرے گا دو حرف
شوق کے لکھنے کا "سجاد" نے دفتر کھولا

مرے دیکھ کر حال داماں کا　　پھٹے کیوں نہ سینہ گریباں کا

سب کی نظر سے گر کر اک دم میں پست ہو جا
گر میکشوں میں آیا زاھد تو مست ہو جا

کوئی جا کے قاتل کو سمجھائے گا
کہ عاشق کا جی کھو کے کیا پائے گا

شتابی پلا لے کہ جاتا ہے ابر　　جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

دل آبادی میں تنہا کھینچ مت رنج
کہ ویرانے میں دیوانوں کا ہے گنج

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ بات ہے کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

بند میں مت رہ دوانے عقل کے
کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا وہ شہر
جنگل میں آ بسا ہے نکل کر تمام شہر

سب ہی جلتے تھے شمع و پروانہ
رات یہ دن تھے اہل مجلس پر

دوانے کا نہیں مطلب دوانا　　تو کیوں ناصح یہ بے مطلبوں کی زنجیر

شوق جلوں میں تیرے عوض، خاک جیب کی
نرگس چمن میں دیکھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف
روز سیاہ و نالۂ شبگیر ہے یہ زلف

خاموش اس سبب سے وہ رهتا هے بیشتر
تنگ اس قدر هے منهه کو نکلتا نہیں هے حرف

جس خوب رو کے دل میں نہ عاشق سے هو نفاق
کهتے هیں سارے اس کے تئیں حسن اتفاق

گلی میں تری، بیٹھتے هي سجن
ان آنکھوں سے آتے هیں آنسو نکل

" سجاد " فکر هم نہ کریں کیونکہ شعر کی
لگتے هیں جاکے یار کے منهه سے سخن میں هم

ایک دل رکھتا هوں جو چاهے سو لے جائے اسے
خواہ زلفیں، خواہ ابرو، خواہ مژگاں، خواہ چشم

جب هم آغوش یار هوتے هیں   سب مزے در کنار هوتے هیں

نا خدائي تک ایک کر ساقي　　ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک　　تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

کس طرح کوہ کن پہ گذرے گی　　ہجر کي یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیاری بھری ہوئي
آنکھیں نشہ کے بیچ تمہاری گلابیاں

میں جو اس کی گلي میں جاتا ہوں
دل کو کچھ گم ہوا سا پاتا ہوں

دیکھوں طبیب درپئےدارو ہے کب تئیں
مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں

جب کرے ہے ترے دہن کا بیاں
منھ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

تیغ تیری کے تلے دھر جاے سر
جان! اتنا کوئی جی رکھتا نہیں

صحبت شعر اب مرا ہوا ہے بلند
شاعروں سے کہو کہ فکر کریں

لب شیریں پہ اس کے مرتا ہوں
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

یہ "سجاد" کے دل کی جلنے کی قدر
نہیں بوجھتی شمع اس کو بجھاؤ

میرا جلا ہوا دل مژگاں کے کب ہے لائق
اس آبلے کو کیوں تم کانٹوں میں کھینچتے ہو

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز   یوسف اپنا پیرہن تہہ کر رکھے

رات اس زلف کا وہ افسانہ   قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

آبلے ہے خدا سے پیری ، میں   بت پرستی ہے اور جوانی ہے

عشق کی ناؤ پار کیا ہو وے   جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

بتوں کے تئیں کس قدر جانتا ہے
یہ کافر مرا دل ، خدا جانتا ہے

جب تک نہیں پہونچتے ترے آستاں تلک
تب تک ہماري خاک کی مٹي خراب ھے

کچھ یہ ''سجاد'' کے جی پر ھي عجیب حالت ھے
ورنہ دیکھے ھیں میں اس درد کے بیمار کئي

اے صنم زنار پہنی تجھ وفا کے واسطے
ورنہ کافر کون ھوتا ھے خدا کے واسطے

ماہ رو بن' یہ شمع' محفل میں جیسي روشن ھے سب پہ روشن ھے

پاؤں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں
کیا پھپھولوں نے سر اٹھایا ھے

کیسے جنگل اجاڑ کو دیکھیں یہي ''سجاد'' دل میں بستی ھے

اس زمانے کی دوستي کا رنگ آن میں کچھ ھے آن میں کچھ ھے

محسن

محمد محسن نام ' " حسن " خان آرزو کے بھانجے اور " میر "
تقي میر کے شاگرد تھے ' بہ قول " قائم " نوجواني هي سے شعر و شاعري
کی طرف مائل تھے ' کلام کا نمونہ یہ ہے :—

انتخاب

" محسن " مروں نہ میں تو بھلا ' جی کے کیا کروں
اک دل بساط میں تھا سو میں وہ بھي کھو چکا

جس دن تري گلی سے میں عزم سفر کیا
هر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

طبع نازک کو مري هاتھ میں رکھیو تو کہ میں
قیس و فرهاد سا دهقانی و مزدور نہیں

کیا جانے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں
مجھ کو تو تن بدن کي بھی اپنی خبر نہیں

کب تلک نزع کي حالت میں رهوں میں اس بن
هو بهي اے مردن دشوار تک آسان کهیں

دورے گئے وہ کوہ کن و قیس کے جو تهے
میرے جلوں کا اب تو زمانے میں شور هے

اگر شیخ دوزخ میں گرمي هے زور
مرے پاس بهي اک دم سرد هے

دل مرا وابستۂ هر تار زلف یار هے
هے تو دیوانہ پر اپنے کام میں هشیار هے
اور یہ عاجز تمهارا کچهہ نہیں رکهتا مگر
جان بر لب آمدہ حاضر هے گر درکار هے

قائم

نام شیخ قیام الدین ' چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے ' ملازمت کی وجہ سے دھلي میں قیام رہا - اس وقت دھلی کی فضا پر شاعري چھائي ہوئي تھي' " قائم '' کو بھي دھلي میں آکر مشق سخن کا شوق ہوا - ابتداء '' میر درد'' کو اپنا کلام دکھاتے رہے ' اس کے بعد مرزا '' سودا '' کے شاگرد ہو گئے - دھلی کي تباھي کے بعد ''قائم'' اپنے وطن میں چلے آے ' کچھ دنوں رہکر رام پور گئے - وھاں نواب احمد یار خاں نے ان کي تنخواہ مقرر کردي جو ان کے لئے ناکافی تھی لیکن کچھ دنوں اسی پر قناعت کی ' آخرکار لکھنؤ پہونچے ' اور ان کي جو جائدادیں ضبط ہوگئی تھیں ان کي بحالی کے لئے مہاراجہ ٹکیت راے کي تحریر لے کر وطن واپس ہوئے - وطن سے پھر عازم رام پور ہوے اور سنہ ۱۲۱۰ھ میں وھیں سپرد خاک ہوے -

'' قائم '' با کمال اور نازک خیال سخنور تھے - ان کی فکر رسا فطرت بلند اور طبیعت معنی یاب تھی - مضمون آفرینی اور قادرالکلامی میں '' میر '' اور '' سودا '' کے قریب پہنچ جاتے ھیں - ان کا شمار اُن لوگوں میں ھے جنھوں نے اردو شاعری کا پایہ بلند کر دیا اور ثابت

کر دیا کہ اردو زبان بھي باریک خیالات اور نازک جذبات کے اظہار کی قدرت رکھتي ہے - ان کا یہ دعوی ہے اور صحیح ہے :—

قائم میں غـزل طور کیا ریختہ ورنہ
اک بات لچر سي بہ زباں دکنی تھي

زبان کی اصلاح میں '' قائم '' اپنے استاد " سودا '' سے زیادہ کوشاں نظر آتے ہیں ' حتي الوسع الفاظ ثقیل سے پرھیز کرتے ہیں' اور ترکیب کی خوبي اور بندش کي ا چستی سے مضمون کو دل نشیں بنانے کي کوشش کرتے ہیں -

انتخاب

پھر کے جو وہ شوخ نظر کر گیا
تیر سا اک دل سے گذر کر گیا
چھپ کے تیرے کوچے سے گذرا میں لیک
نالہ اک عالم کو خبر کر گیا

اے ابر! اپنے گریئے میں جس وقت جوش تھا
جو قطرہ اشک کا تھا سو طوفاں خروش تھا
" قائم " تو اپنی ہستی نہ سمجھا کہاں تلک
اے خانماں خراب کوئی یہ بھی ہوش تھا

عار ہے ننگ کو مجھ نام سے، سبحان اللہ
کام پہونچا ہے کہاں تک مری رسوائی کا

عہدے سے تیرے، یار! بر آیا نہ جاے گا
یہ ناز ہے تو ہم سے اٹھایا نہ جائے گا
دل کو نہ صرف گریہ کر اے چشم اشک بار
ایسا رفیق ڈھونڈھے بھي پایا نہ جائے گا

ٹوٹا جو کعبہ ' کون سی یہہ جائے غم ہے شیخ
کچھ، قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
"قائم" خدا بھي ھونے کو جو جانتے ہیں ننگ
بندا تو اُن کے پاس کہایا نہ جائے گا

سنے کو دیکھے پہ ہم دیویں کس طرح ترجیح
خدا کو ہم نے سنا ہے تمہیں بتاں دیکھا

غرور مجھ کو نہیں شیخ بےگناهی کا
امیدوار هوں میں رحمت الہی کا
همیشہ خوف میں رہ دل تو گو ہے بے تقصیر
مباد جرم کہیں تجھ پہ بے گناهی کا
فلک جو دے تو خدائی تو اب نہ لے " قائم "
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاهي کا

بے دماغي سے نہ اُس تک دل رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یاں حسن سے بھي دور گیا
آہ پہلو میں سے میرے دل رنجور گیا
تا کجا ضبط نفس کہجئے کہ مقدور گیا

مرے نزدیک دل سے درد پہلو اور بہتر تھا
عوض اُس چہ پہ م نے ہوتا اگر ناسور ، بہتر تھا

هریک سے راز دل کہہ کے تو یاں رسوا ہوا "قائم"
.. بھلا اے بے خبر یہ بھي کوئي مذکور بہتر تھا

کب میں کہتا ہوں کہ تیرا میں گنہ گار نہ تھا
لیکن اتني تو عقوبت کا سزاوار نہ تھا
لے گیا خاک میں ہمراہ دل اپنا "قائم"
شاید اس جنس کا یاں کوئي خریدار نہ تھا

عوض طرب کے گذشتوں کا ہم نے غم کھینچا
شراب اوروں نے پي اور خمار ہم کھینچا
طریق عشق میں کہہ بوالہوس سے جائیں ہیں سر
بھلا ہوا کہ تو اس راہ سے قدم کھینچا
خلش تھی مد نظر ہم سے حرف‌گیروں کو
سو ہم نے ہاتھ ہی لکھنے سے یک قلم کھینچا

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا　　ہائے چپ بھي رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھي ہوں نادم　　کیا کروں پر رہا نہیں جاتا

ہم بھي ہر طرح تري دوری میں دل شاد کیا
ہچکی گر آئي تو سمجھے ہیں کہ تیں یاد کیا
کوہ اور دشت میں بھي ہم نہ رہے آسودہ
ماتم قیس کیا یا غم فرہاد کیا

وہ حال سے مرے اتنا نہ بے خبر ہوتا
اگر مرا اثر آہ، نامہ بر ہوتا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ھی اور آپ من گیا

اے نزع پھر قریب ہے شام شب فراق
یہ مرحلہ تو اب تئیں یک سو نہیں کیا

جب تک ہی مثل آئینہ امکان دیکھنا
دکھلائے جو فلک سو مری جان دیکھنا
سر سے کفن کو باندہ کے آیا ہے تجھ تلک
عاشق کا اپنے تک سر و سامان دیکھنا

قدم تو کس کا ترے کو میں پھر گیا ہوگا
گیا بھی ہوگا کسی کا، تو سر گیا ہو گا
گلے سے اس کے جو ''قائم'' کو لائے ہم تو کہا
یہ دل پہ نقش ہے اب تک کہ پھر گیا ہوگا

گو تغافل سے میرا کام ہوا پر بھلا تو تو نیک نام ہوا

مرے دماغ مے مانوس ہے شمیم صبا
کسي کے کوچے سے آئي مگر نسیم صبا
گل شگفتۂ دیروزہ ہوں میں گلشن میں
زیادہ باد خزاں سے ہے مجھ کو بیم صبا

جب سنگ آستانہ ترا تکیہ گاہ تھا
ہم کو بھی کوئے عشق میں اک عز و جاہ تھا

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
نے تجھ پہ وہ بہار رہی اور نہ یاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے اک الزام رہ گیا

موج گرداب کي طرح ہم نے گھر سے باہر کبھو سفر نہ کیا

ہم سے بےچاروں کا کچھ چرخ نے چارا نہ کیا
سب کیا ان نے پہ کچھ فکر ہمارا نہ کیا

رات کو چین ہے نہ دن کو تاب
دل ہے یا رب کہ پارۂ سیماب
دل گنوانا تھا اس طرح "قائم"
کیا کیا تونے ہائے خانہ خراب

نکلی اُدھر زباں سے ادھر جي نکل گیا
کیا جانے کیا بلا تھی کچھ آواز عندلیب

دیکھئے اب کی تپ عشق سے کیوں کر بچئے
غالب آیا ہے طبیعت پہ یہ آزار بہت
" قائم " آتا ہے مجھے رحم جواني پہ تري
مر چکے ہیں اسي آزار کے بیمار بہت

رہا میں اس سے گرفتہ اک عمر تک لیکن
کیا جو خوب تامل تو کچھ نہ تھا باعث

اے وہ کہ تو کرے ہے ہر آزار کا علاج
جز مرگ کچھ بھي ہے ترے بیمار کا علاج
اے ضبط گریہ روئے کیوں کر نہ اب لہو
کچھ ہو سکا نہ دیدۂ خوں بار کا علاج

بیکسی اپني کس کو سونپ مروں
میں تو رکھتا تھا اس کو جاں کي طرح

گردش میں ہوں میں رات دن ایام کي طرح
یہ چال ہے تو کون ہے آرام کی طرح

کچھ آج دل پہ یہ وحشت کا رنگ ہے صیاد
ترے قفس سے چمن مجھ پہ تنگ ہے صیاد
گئی بہار خزاں آئی ، گل ہوئے پامال
مری رھائی میں اب کیا درنگ ہے صیاد

نے غم اُس کے نے لیا دل کو نہ کی جان پسند
اور کیا چیز ہے گھر میں جو ہو مہمان پسند

ہم نشیں ! کہہ لے قصہ مجنوں ہم کو بھی دل کی داستاں ہے یاد

بے شغل نہ زندگی بسر کر
گر اشک نہیں تو آہ سر کر
دے طول امل نہ وقت پیری
شب تھوڑی ہے قصہ مختصر کر
کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی
اس سے جو کوئی جیا تو مرکر

تھی وفا اس مرتبہ یا بے وفائی اس قدر
آشنائی اس قدر نا آشنائی اس قدر

میں بعد مرگ بھی " قائم " چھٹا نہ گردش سے
ہے میری خاک سے اس بزم میں ایاغ ھنوز

گو یاں نہ کسی کو آئے افسوس   حالت تو ھے اپنی جائے افسوس

صحت کا جی میں چاؤ نہ آزار کی هوس
تا گفتنی ھے کچھ ترے بیمار کی هوس
طوبیٰ کی چھاؤں تجھ کو مبارک هو زاهدا
ھے اپنی دل میں سایۂ دیوار کی هوس

گستاخ نہ هو خاک نشینوں سے کہ "قائم"
دیکھی ھے چھپی راکھ میں هم بیشتر آتش

وعدہ جھوٹا بھی وہ نہیں کرتا
بس همیں انتظار سے کیا حظ
پونچھے آنسو نہ آستیں جو تری
دیدۂ اشک بار سے کیا حظ

شب میں چاھا کروں کچھ اُس سے سوال
بن سنے هی کیا جواب شروع
نام سنتے هی اس کا کہوں "قائم"
پھر کیا تونے اضطراب شروع

جان بہ لب ھے دل، نہ کہاؤں کس طرح سینے میں داغ
نزع میں رنجور کی بالیں پہ لازم ھے چراغ

کس بات پر تري میں کروں اعتبار ھاے
اقرار اک طرف ھے تو انکار اک طرف

سو دیکھي جفا پہ منھ نہ موڑا
رحمت ھے تجھے وفائے عاشق
ھجراں میں بھی مر گیا نہ ''قائم''
بس بس تو اور کھائے عاشق

دل دے کے دیا میں تجھ کو جاں تک
اب اور جگر کروں کہاں تک

" قائم " جہاں کے بیچ تو آسودگي نہ ڈھونڈھ
ھر خار گلستاں میں ھمیشہ ھے پائے گل

اب کي جو یہاں سے جائیں گے ھم
پھر تجھ کو نہ منھ دکھائیں گے ھم

جب موج پہ اپني آگئیں چشم
دریا دریا بہاگئیں چشم

لے پہنچیو تو صحن چمن تک ہمیں نسیم
آمادۂ سفر ہیں بہ رنگ غبار ہم

جوں شمع جلتے مرتے ہی گذری تمام عمر
رکھتا ہے کوئی ایسے بھی شام و سحر کہ ہم
"قائم" یہ کہتے تھے کہ نہ مل اِن بتوں سے گرم
اب سنگ آستاں سے تو مارے ہے سر کہ ہم

شب اس سے لگ چلا تھا میں سو ہنس کر یہ لگا کہنے
کہ ہیں باتیں یہی اس جبہ و دستار کو لازم

اچھا تو ہے "قائم" کو دبا دیں جو اسی طرح
یہ آگ کا شعلہ نہیں رکنے کا کفن میں

اب تک بھی جنوں ہاتھ اُٹھاتا نہیں مجھ سے
ہر چند گریباں کے کئی تار رہے ہیں
دیکھا ہے جنھوں نے تجھے اے یوسف خوبی
سو جان سے تا زیست خریدار رہے ہیں
پوچھ ہم سے تو احوال خرابات کہ "قائم"
یک عمر ہم اس گھر میں بھی مختار رہے ہیں

سمجھ کے شیشۂ دل کو پٹکیو اے بت مست
بہ جائے بادہ لہو ہے اس آبگینے میں
یہ جانتا میں نہیں ہوں کہ دل ہے کیا "قائم"
پر اک خلش سے رہے ہے مدام سینے میں

"قائم" اس باغ میں بلبل تو بہت ہیں لیکن
دل، کھلے نالے سے جس کے ہے وہ آواز کہاں

کوئی مختار کہو یا کوئی مجبور ہمیں
ہم سمجھتے ہیں جہاں تک کا ہے مقدور ہمیں

جتنے اسباب تھے دنیا کی سو دیکھے "قائم"
اب وہ ہو فکر کہ ہم ترک سب اسباب کریں

دیکھا میں نہ جز سایۂ بازوئے شکستہ
حرماں زدہ جوں حسرت بے بال و پری ہوں

اپنا قصور سعی ہے ملتا جو تو نہیں
کیوں کر ملے وہ جس کی ہمیں جستجو نہیں

جـور سپهر ، دوري ياران و روٹے فہر
جو کچھ نہ دیکھنا تھا سو اب دیکھتا ہوں میں

" قائم " یہ جي میں ہے کہ تقید سے شیخ کي
اب کی جو میں نماز کروں بے وضو کروں

رهنے دو میرے نقش کو ہو جائے تا غبار
لے جـائیگـي اڑا کے نسیـم سحـــر کہیں
روتے هي تو گلوں هی کو شبنم ! ادھر تو دیکھ
ٹکـڑے ہے اس طرح سے کسي کا جگر نہیں

"قائم" ہو کس طرح سے بہم ربط و اختلاط
وہ اس غرور ناز میں ہم اس حجاب میں

شام شب مزار ہوئي ، صبح زندگي
لیکن شب فراق کو اب تک سحر نہیں

ایک جاگہہ پہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں
ہے عجب حال مرا ، صبح کہیں ، شام کہیں

آنا ہے تو آو ورنہ پیارے
ہم آپ سے آج جارہے ہیں

گریباں کی تو "قائم" مدتوں دھجی اڑائی ہے
یہ خاطر جمع اس دن ہوئے جب سینے کو ہم چیریں

آپ جو کچھ قرار کرتے ہیں
کہیئے ہم اعتبار کرتے ہیں

نت ہوں "قائم" خموش کیا جانے
کس تہي دست کا چراغ ہوں میں

میں اس اخفا سے تیري یاد میں دل شاد کرتا ہوں
کہ خود واقف نہیں اب تک میں کس کو یاد کرتا ہوں

"قائم" اک بات میں جیتا ہے تمہاري' لیکن
پرسش حال تم اوس خستہ کی کب کرتے ہو

جانے دو جو نصیب میں ہونا تھا سو ہوا
یارو خدا کے واسطے تکرار مت کرو

رہتا کہ کہوں کا حال دل کا
آ جائیں تنک حواس مجھ کو
حیرت نے کیا ہے اک جہاں کا
جوں آئینہ روشناس مجھ کو

ی نظر میں ہے "قائم" یہ کائنات تمام
نظر میں گو کوئی لاتا نہیں یہاں مجھ کو

یہ کون طرز وفا ہے جو ہم سے کرتے ہو
یہاں خدا نہ کرے تم خدا سے ڈرتے ہو

میں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کے سو چلے
بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ

م تک جاتے ہوئے دیکھا تھا اُس کو "قائم"
پھر نہ معلوم ہوئی کچھ خبر پروانہ

جوں موج، مرا قافلہ غافل ہے سفر سے
کیا جانے کہاں جائے گا آیا ہے کدھر سے

ساقیا دور کیا کرے ہے تمام آپ ہی آپ دور چلتا ہے

عذر ستم عبث ہے کہ گذرا جو کچھ ہوا
منظور گر ہے لطف تو آئیندہ کیجئے

شب کو تو شغل گریہ ہے اور دن کو مشق غم
اوقات اس طرح کوئی کب تک بسر کرے
پہلے ہی سوجھتی تھی ہمیں اے شب فراق
یہ رات بے طرح ہے خدا ہی سحر کرے
کہتے ہیں لوگ گالیاں " قائم " کو دے گیا
اے کاش یہ سلوک وہ بار دگر کرے

مجھ سا بھی تری چشم کا بیمار ہے کوئی
جینے کی بھی جو شکل سے بیزار ہے کوئی

مر جائیے کسی سے الفت نہ کیجئے
جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے

شب، غم سے مری جان ہی پر آن بنی تھی
جو بال بدن پر تھا سو برچھی کی انی تھی

روز و شب ہے حالت انجام مےنوشی مجھے
کس کی آنکھوں نے کیا پیغام بے ہوشی مجھے
منحصر ہے شرح سوز دل پہ میری زندگی
شمع ساں مرتا ہوں گر اک دم ہو خاموشی مجھے

دامان گل نہیں ہے کہاں دسترس مجھے
تکلیف سیر باغ نہ دے اے ہوس مجھے
ساقی نہ کھینچ مجھ کو تو مستوں کے دور میں
تک گردش نگاہ ہی تیری ہے بس مجھے
"قائم" میں عندلیب خوش آہنگ تھا پہ حیف
زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے

کہتے ہیں خوش دلی ہے جہاں میں، یہ سب غلط
رنج و تعب ہی ہم نے تو دیکھا جدھر گئے
بھٹکا پھروں ہوں یاں میں اکیلا جو ہر طرف
اے ہم رہان پیش قدم، تم کدھر گئے

دو چیزیں ھیں یاد گار دوراں　　تیرا ستم، اپنی جاں فشانی

کس کس صورت سے جلوہ گر ھے　　اللہ رے نمود بے نشاں کی

دل ڈھونڈھے ھے سینے میں مرے، بوالعجبی ھے
اک ڈھیر ھے یاں راکھ کا اور آگ دبی ھے
کیا پوچھتے ھو موجب آزردگی یار
دل لے چکے مدت ھوئی اب جاں طلبی ھے

جنوں کے ھاتھ سے گو ناتواں ھوں
گریباں تک مری تو دسترس ھے
نہ پوچھو مجھ سے گلشن کی حقیقت
برس گذرے کہ میں ھوں اور قفس ھے

صدموں سے یاں طپش کے نے بال ھے نہ پر ھے
اے شوق پر فشانی! کچھ تیری کیا خبر ھے

آج اے گریہ خبر لے مرے دیوانے کی
کچھ رکا جاے ھے جی گرد سے ویرانے کی
آج کی رات میسر ھو جو اس گل کا وصال
شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کی

مرا پیغام بر طرز ادائے ناز کیا سمجھے
خدا جانے یہ کیا بہکے وہ مست ناز کیا سمجھے

عوض امید کے اب دل کو یاس آئی ہے
عجب زمانے نے جی سے خلش مٹائی ہے

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے
کسو کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا؟ خدا نہ پھرے

نیا ہر لحظہ ہر داغ کہن ہے
بہار سینہ رشک صد چمن ہے
یہ صحرا ہے بھلا دیکھیں تو بارے
جنوں کیسا ترا دیوانہ پن ہے

صبر و قرار و ہوش و دل و دیں تو واں رہے
اے ہم نشین یہ تو بتا ہم کہاں رہے
دل میرا دیکھ دیکھ جلتا ہے
شمع کا کس پہ دل پگھلتا ہے

اے گریہ دعا کر کہ شب غم بسر آوے
تا چند ہر اک اشک کی تہہ میں جگر آوے

نے ناز و نہ عشوہ ہے نہ تقطیع نہ چھب ہے
دل کو جو لبھاے ہے وہ کچھ اور سبب ہے

نہ پوچھو کیونکہ میری ان دنوں اوقات کٹتی ہے
کہ دن گر رو کے گذرے ہے تو مرکر رات کٹتی ہے

ہنوز شوق دل بے قرار باقی ہے
بجھی ہے آگ تو لیکن شرار باقی ہے

سحر ہے ' رات بیتی ' مئے ہے شیشے میں ' ابھی باقی
ادر کاساً و نا و لہا الا یا ایہا الساقی

لبریز شوق میرا از بسکہ مو بہ مو ہے
سمجھا نہ میں یہ اب تک یہ میں ہوں یا کہ تو ہے

'' قائم '' شباب ہی کے مناسب تھا شور عشق
جانے دے اب یہ کام کہ وہ ولولے گئے

بیتاب

سنتھوکھ رائے نام ' " قائم " کے معاصر تھے ان کے کلام میں پختگی ' سوز و گداز اور بے ساختگی پائی جاتی ہے -

اِنتخاب

نہ رہے باغ جہاں میں کبھی آرام سے ہم
پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریق اخلاص
کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم

گو کہ تجھ لطف کے قابل دل رنجور نہیں
پر تیری بندہ نوازی سے یہ کچھ دور نہیں

محبت کی بھی کچھ ہوتی نہیں کیا ہم نشیں راہیں
کہ خوباں یوں ہمیں دکھ دیں ہم ان کو اس طرح چاہیں

آہ دی سینے میں آتش کون سی بے درد نے
دل سے لے کر منھ تلک امڈا ہوا اک دود ہے

مدت سے انتظار میں اپنی کٹتي ھے یاں
اب تک جو هم نہ آئے الهی کہاں رھے

محبت اب تلک رکھتي ھے یہ تا ثیر مجنوں کي
کہ بن لیلے نہیں کھینچتی کہیں تصویر مجنوں کي

عشق میں کاھے عسل، گہ نیش ھے
نت نیا یاں ماجرا درپیش ھے

خدا کسي کو گرفتار زلف کا نہ کرے
نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

(رباعي)

یہاں آ کے هم اپنے مدعا کو بھولے
هل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کي تلاش میں گنوائی سب عمر
اِس مس کي طلب میں کیمیا کو بھولے

مجذوب

مرزا غلام حیدر نام ' دهلي کے رهنے والے مرزا رفیع سودا کے (متبنّی) اور شاگرد هیں غزل میں " سودا " کا رنگ نمایاں هے ' صفائي میں " سودا " سے زیادہ' درد اور گداز میں کم هیں -

انتخاب

چمن میں حسن کی مے جب وہ گل اندام لے آیا
ادھر غنچہ صراحي اور ادھر گل جام لے آیا
عجب قسمت هے اپنے دل کی بازار محبت میں
جو کوئي صبح اس کو لے گیا تو شام لے آیا

خوباں سے جو دل ملا کرے گا
دھڑکا هے یهي ' که کیا کرے گا

پھرنا تجھے خورشید جو دیکھے به سر بام
گردش کو کرے اپني ' فراموش فلک پر

بد کہنے کو کسی کے معیوب جانتے ہیں
اپنے تئیں کو یارو ہم خوب جانتے ہیں
خاطر میں کون لاوے میرا سخن کہ مجھ کو
"سودا" کا بیٹا مجھ کو "مجذوب" جانتے ہیں

عداوت سے تمہاری کچھ اگر ہووے تو میں جانوں
بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں
تمہارا ہم سے جو عہد وفا ہے، اس کو تم جانو
مرا پیمان کچھ نوع دگر ہووے تو میں جانوں
نہ اندیشہ کرو پیارے! کہ شب ہے وصل کی تھوڑی
تم اپنی زلف کو کھولو سحر ہووے تو میں جانوں

آوے بھی مسیحا مری بالیں پہ تو کیا ہو
بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو
" مجذوب " ترے عجز و تکبر سے ہوں نالاں
بندہ کبھی ہو بیٹھے ہو، گہ خدا ہو

گزرے ہے یوں خیال وطن جوں کرے ہے یاد
خو کردہ، قفس گل و گلزار گاہ گاہ
طاقت کہاں کہ حال کہے یہ طبیب سے
تھنگی بھرے ہے سانس یہ بیمار گاہ گاہ

زلفوں کو گرہ دینے سے کچھ فائدہ اے یار
ناحق تو مری عمر کو کوتاہ کرے ہے

یہ گھر ہے وہ خراب جو آتش سے تھم رہے

چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہم صفیر

صیاد نے سنا یہ ترانہ تو ہم رہے

شکر ہم اس طرح جہاں سے چلے

یاد بھی کچھ نہیں کہاں سے چلے

طوبے کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار

جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لئے

ماهر

فخرالدین خاں نام ، آباو اجداد دھلی کے رھنے والے تھے ، مگر ماھر نے لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا - اشرف علی فغاں کے بیٹے اور "سودا" کے شاگرد تھے -

---

انتخاب

چشم اس سے ترحم کی نہ رکھ! رو رو کے " ماھر "
کب پونچھے ھے وہ دیدۂ خوں‌بار کسو کا

جو اُس کے درپہ بیٹھے ھیں ، سمجھتے ھیں وہ در کس کا
ھوے جو اُس کے آوارہ وہ کہتے ھیں کہ گھر کس کا

میں تو مانوں ترا سخن ناصح
پر ، نہیں دل پہ اختیار اپنا

مدت ھوئی کہ دل کی مجھ تک خبر نہ پہونچی
ملتا نہیں نشاں کچھ اس بے نشاں سے مجھ کو

تو تو کب اعتبار مانے ہے　　جس پہ گذرے ہے سو ہي جانے ہے

سبز و خرم تر و تازہ ہے گلستاں ہر چند
تو ہی جب پاس نہ ہو کیوں کہ یہ شاداب لگے

کوئي نہ بھلا کام ہوا عمر میں ہم سے
اُمید ہے بخشش کي مگر تیرے کرم سے

ممتاز

حافظ فضلو نام، سودا کے شاگرد تھے ان کا وطن دهلی تھا
مگر کچھ دنوں دکھن میں بھی قیام کر لیا تھا -

ممتاز کی زبان میں صفائی اور روانی، بیان میں درد و اثر اور
تشبیہات و تمثیلات میں جدت و ندرت ھے -

انتخاب

هزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا
هنوز حوصلہ باقی ھے آشنائی کا

قروں میں کس لئے رنجش سے پیار میں کیا تھا
میں اب خزاں کو جو روؤں بہار میں کیا تھا
جفائے یار نے کس طرح کردیا مایوس
اور ان کی خاطر امید وار میں کیا تھا
ترے هی واسطے آئے عدم سے هم یہاں تک
و گر نہ هستئی نا پائیدار میں کیا تھا

کیوں کہ سر سبز هو شاهی و گدائی کی هوس
رہ گئی آہ مرے دل میں خدائی کی هوس

بال و پر توڑ کے جب تونے قفس کو سونپا
وهیں آخر هوئی صیاد رهائی کی هوس

گذرا کبھی شاید کہ وہ بے باک چمن میں
آتا هے نظر جامۂ گل چاک چمن میں

جو کیفیت نہ ہو مستی میں کیا خمار میں ہو
جو رنگ و بو نہ ہو گل میں تو کیا بہار میں ہو
نہ کر تو صبر نصیحت کا هم پر اے "ممتاز"
سخن تو کہتے هیں اس سے جو اختیار میں ہو

بے نیازی عشق کی وہ کچھ تمہارا ناز یہ
اُس کا کیا انجام هو گا جس کا هے آغاز یہ

عشق کے غم سے کوئی عیش مقدم نہ سمجھ
یہ عجب طرح کی شادی هے اسے غم نہ سمجھ

همارے رونے میں دل سے بخار اٹھتا هے
کہ جیسے پانی کے چھڑ کے غبار اٹھتا هے

عشق میں عرض تمنا مانع دیدار هے
میرا هی دست دعا منھ پر مرے دیوار هے

هدایت

هدایت‌الله نام، شاہ جہاں آباد کے رہنے والے، خواجہ میر درد کے شاگرد اور معتقد تھے، غزلوں کے علاوہ رباعیاں، اور بنارس کی تعریف میں ایک مثنوی بھی لکھی ہے - شاعری کی طرح طبابت میں بھی مشہور تھے میر قدرت‌الله قاسم ان کے ارشد تلامذہ میں تھے -

ہدایت اعلیٰ درجے کے غزل گو شاعر ہیں، انسانی فطرت کا انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے - دلی حالت کے وہ نازک تغیرات جو عام نظروں سے اوجھل رہتے ہیں اُن کی باریک بیں نگاہیں اُن کو دیکھ لیتی ہیں اور وہ ان کو عام فہم اور پر اثر انداز میں بیان کر سکتے ہیں - اُن کے منتخب کلام میں ”میر“ کی شاعری کا لطف ملتا ہے -

ہدایت نے سنہ ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا -

انتخاب

نہ رحم اس کے ہے جی میں نہ دل میں اپنے صبر

ہماری گزرے گی کیوں کر الٰہی کیا ہوگا

دیکھ اس کی چشم مست کو دل تو بہک گیا

بس میری جان! دوھی پیالوں میں چھک گیا

دیکھا نہیں ہے ہم نے "ہدایت" کو ان دنوں

شاید کسی جگہ پہ دل اس کا اٹک گیا

ہے آدمی کو بھی قید حیات ان دنوں

کسی نے خوب کہا ہے موا سو چھوٹ گیا

آیا ہوں تنگ کشمکش دام زلف میں

یارو میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا

کچھ ان دنوں ہے حال "ہدایت" ترا تباہ

کیوں میری جان! کیا تجھے آزار ہو گیا

اک دن بھي مہربان نہ وہ بے وفا ہوا
اے آہ و نالۂ سحری تم کو کیا ہوا ؟

رہا مرتے مرتے مجھے غم اسي کا
نہیں بعد میرے کوئي بیکسی کا
کیا تیغ قاتل نے جب کام اپنا
میں منھہ دیکھتا رہ گیا بے بسی کا

روے ہے کیا جواني پہ اپني کہ بے خبر
شب کیا گذر گئي ہے کہ اب دن بھی ڈھل گیا
لب پر ہزار حرف شکایت کا تھا ہجوم
مکھڑے کو دیکھتے ہی پہ کچھہ دل بہل گیا

ہر لخت دل گلے کا مرے ہار ہو گیا
گل تھا پر اپني چشم میں یہ خار ہوگیا
ہے کس کے جي میں خواہش سیر چمن یہاں
سینہ تمام داغوں سے گلزار ہو گیا

جاتا رہا ہوں آپ بھي میں اپني یاد سے
کیا جانئے کہ کس نے فراموش کر دیا
مجلس میں رات اس کي " ہدایت " نے سوز دل
یاں تک کہا کہ شمع کو خاموش کر دیا

نے جم رھا، جہان میں ' نے جام رہ گیا
مردوں کا اس جگھہ میں مگر نام رہ گیا
کوئی پھرا نہ ملک عدم سے تو اب تلک
پایا جہاں کسو نے کچھ آرام رہ گیا

نہ صحن باغ میں لگتا ھے جی نہ صحرا میں
ھوا ھوں آہ میں یارب کس انجمن سے جدا

نہ ملے کارواں سے ھم اے وائے گرچہ کتنا جرس پکار رھا

جس دم زباں پہ یار! ترا نام ھو گیا
کچھ دل کو چین ' جان کو آرام ھوگیا

ناتوانی کا بھی احساں ھے مری گردن پر
کہ ترے پاؤں سے سر مجھ کو ھٹانے نہ دیا

یار' ھم میں ھے "ھدایت" جلوہ گر
جس طرح ھو گوھر یکتا میں آب
یہ نہیں معلوم ھرگز آپ کو
آب میں دریا ھے یا دریا میں آب

تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات
روتے ھی روتے گزری ساری رات

دل تو سمجھائے سمجھتا ہے کبھو پر "ھدایت" چشم‌تر کا کیا علاج

کٹتی ھی نہیں یہ ھجر کی شب یارب کیا آج سوگئی صبح

تونے گر قتل کیا ھم کو صنم خوب کیا
ھاں میاں سچ ہے کہ ایسے ھی گنہگار تھے ھم

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ھو
اپنے مطلب ھی کی سنتے ھو جہاں سنتے ھو

کس دل جلے کی خاک سے گزری چمن میں آج
دیکھا عرق فشاں میں نسیم بہار کو

تجھ بن تو چاھتا نہیں جی سیر باغ کو
لگتی ہے تپیس' نکہت‌گل سے دماغ کو

کرتا نہیں ہے جانے کو دل' کوئے یار سے
گو اس میں جی رہے نہ رہے ھم تو یاں رہے

کیا خاک کو کہیں مری' گلشن میں جا نہ تھی
پر چشم تجھ سے ھائے مجھے یہ صبا نہ تھی

......

ضعف سے بیٹھا ہوں جوں نقش قدم تو کیا ہوا
گرد باد آسا مری طینت میں ہے آوارگی

موجب صد عیش و عشرت ہم کو تیرا دید ہے
مل گئے جس دن گلے تیرے اسی دن عید ہے

دل مرا کیونکر ہو غافل گور سے
گھر نظر آتا ہے اپنا دور سے
آنکھ سے آنسو کبھی تھمتا نہ تھا
چشم بھی کیا کم ہے یہ ناسور ہے

گر نت یہی جور اور جفا ہے بندے کا بھی اے بتاں خدا ہے

غرض یہی ہے مجھے اشک کے بہانے سے
کہ مہرباں ہو وہ یارب کسی بہانے سے
وہ کیا کرے کہ محبت کا اقتضا ہے یہی
وگرنہ فائدہ اس کو مرے ستانے سے
میں چھوڑتا ہوں کوئی اس کو مثل حلقۂ در
یہ سر لگا ہے مرا، اس کے آستانے سے

آنکھوں نے تری جس کے تئیں مست کیا ہو
وہ شور قیامت سے بھی ہشیار نہ ہووے

کیا کہوں تجھ سے "ہدایت" کہ مری شام و سحر
یاد میں زلف و رخ یار کے کیوں کر گزری
دن گزرتا ہے مجھے روز قیامت سے دراز
رات گزری تو شب مرگ سے بدتر گزری

پختہ مغزان جنوں سے ہر کسی کو جنگ ہے
جو ثمر پکا سو پامال جفائے سنگ ہے
عشق نے تیرے، مجھے یاں تک کیا ہے ناتواں
تا بہ لب آنا نفس کو راہ صد فرسنگ ہے
ان دنوں کچھ تو "ہدایت" ہو گیا ہے زرد سا
ظاہرا عاشق کسی پر ہے، ترا کیا رنگ ہے؟

صدقے ترے گل‌عذار! جی سے — اک جی سے نہیں ہزار جی سے

گھر سے نکلے ہے تو جی ساتھ نکل جاتا ہے
کوئی قامت ہے کہ یہ آہ دل محزوں ہے

چشمۂ خوں ہے، دامن دریا — آستیں کس نے یاں نچوڑی ہے؟

ایک وہ ماہ رو غائب ہے نظر سے ورنہ
وہی تارے ہیں، وہی ماہ، وہی گردوں ہے

خدا جانے صنم آوے نہ آوے
بھروسا کیا ہے؟ دم آوے نہ آوے

غنیمت ہے کوئی دم سیر گلشن
پھر اپنا یاں قدم آوے نہ آوے

گویا کہ تیرے ہجر میں، میں مر گیا ہوں رات
تعبیر جز وصال نہیں میرے خواب کی

صبا کوچے سے اس کے، مت اٹھانا خاک کو میری
مبادا گرد اس کے چہرۂ گل فام پر بیٹھے

شب ہجراں میں تری، صبح کے ہوتے ہوتے
استخواں شمع صفت بہ گئے روتے روتے

ہمیں نشیب و فراز زمانہ سے کیا کام
جو سر بلند ہیں ان کو ہے فکر پستی کی

جی تو گلشن میں بھی نہیں لگتا
کس کی مجلس سے ہم اداس گئے

هوس

مرزا محمد تقی خاں نام ، " ہوس " تخلص نواب مرزا علی خاں کے بیٹے اور نواب آصف الدولہ کے قریبی عزیز تھے - وطن فیض آباد اور مسکن لکھنؤ تھا - نہایت فارغ البال اور خوش حال تھے " ہوس " " مصحفی " کے شاگرد تھے مگر اُستاد کے طرز کی تقلید نہیں کی - اپنا راستہ الگ بنایا ان کے یہاں آمد کم آورد زیادہ ہے پھر بھی ان کلام لطف سے خالی نہیں - عبارت کی چستی اور فارسی ترکیبوں کی کثرت میں اپنے اکثر ہم عصروں سے بڑھے ہوئے ہیں -

انتخاب

مہر معنی میں نے جب کاغذ پہ نور افشاں کیا
مطلع صبح قیامت مطلع دیواں کیا
اک تبسم کو نہ فرصت لب تک آنے کی ملی
کس قدر اس گل نے پاس خوبی دنداں کیا

اے عشق قدم اب تو تری راہ میں ڈالا
الان توکلت علی اللہ تعالیٰ
آنکھوں سے لہو آنے لگا اشک کی جاگہ
نیرنگئی الفت نے عجب رنگ نکالا

خواہش نہ بقا کی تھی نہ خوف فنا ہم کو
ہستی سے "عوس" اپنی بہتر تھا عدم اپنا

تم نے ظاہر میں گلے لگنے سے انکار کیا
خواب میں ہم نے تمہیں دیر تلک پیار کیا
شرم کی اوٹ ہے سب کام بنا جاتا تھا
ذوق بے پردہ نے رسوا سر بازار کیا

بیچ ڈالا ہے مجھے ہاتھ خوش اسلو بوں کے
اس کا بندہ ہوں انہیں جس طرح سے دار کیا

ے دست جنوں کچھ تو موئے پر بھي مدد کر
بد نامی وحشت ہے گریبان کفن کا

حسن کو ہوتي ہجوم عاشقاں کي گر خبر
تو جلو خانہ کو صحرائے قیامت مانگتا

جو اڑتا تو گماں طاقت کا ہوتا ہم صفیروں کو
ہجوم ضعف نے چہرے پہ میرے رنگ ٹھہرایا
زباں طاعناں سے اے "ہوس" کیونکر بچیں کیا ہو
جنوں عشق نے ہم کو حریف ننگ ٹھہرایا

پائے تلاش پہلے ہي منزل میں رہ گیا
جي اشتیاق خنجر قاتل میں رہ گیا
کام اپنا تو تمام کیا یاس نے " ہوس "
شوق خراش خار مرے دل میں رہ گیا

ہم سے وا رفتۂ الفت ہیں بہت کم پیدا
ہاتھ سے کھو نہ ہمیں ہونگے نہ پھر ہم پیدا

میں بھی ہوں باعث ایجاد "ہوس" اک شے کا
میری خاطر مرے خالق نے کیا غم پیدا

اگرچہ آج ہے بالیں سنگ و بستر خاک
کبھی تو سر مرا آغوش یار میں بھی تھا

بلبل نے کڑھایا نہ غم گل نے رلایا
ہم کو تو فقط اس کے تغافل نے رلایا

جگر پہ داغ ہوا یار کی جدائی کا
یہ داغ جی سے نہ جاوے گا آشنائی کا

شمع، پروانے پہ مصروف ہے، گل، بلبل پر
حسن ہر رنگ میں پاتا ہے خریدار اپنا

سینے کے داغ، دیکھ لئے میرے، خلق نے
وحشت میں پھاڑ کر میں گریباں خجل ہوا

جی اس کے در سوا، نہیں لگتا کہیں ذرا
فرصت دے ناتوانی تو جاویں وہیں ذرا

منزل میں جہاں کی، نہ ہوا دل سے جدا غم
اس راہ میں کیا یار سفر ہم کو ملا تھا
کہتا تھا اُسے کوئی " ہوس " اور کوئی مجنوں
کل دشت میں اک خاک بہ سر ہم کو ملا تھا

ایسے آنے سے تو قاصد تو نہ آیا ہوتا
کیسی امید میں تونے مجھے مایوس کیا

سینے میں تڑپتا ہے پڑا ، برق کے مانند
کچھ حال نہ پوچھو دل بے صبر و سکوں کا

آتی نہیں چمن سے یہ، سوئے قفس کبھی
روکا ہے بخت بد نے نسیم رواں کو کیا

کسی کا روکنا وحشت میں جو مجھ کو نہ بھاتا تھا
جنوں میں میں نے سر ہر خار دامن گیر کا توڑا

نقش پائے رفتگاں کا سلسلہ جاتا رہا
ہم تو تھک کر رہ گئے اور قافلہ جاتا رہا
ہم گئے تھے اس سے کرنے شکوۂ درد فراق
مسکرا کر اس نے دیکھا سب گلا جاتا رہا

عہد طفلي سے غم عشق ھے دمساز اپنا
قیس وارفتہ کا انجام ھے آغاز اپنا
پاس ناموس محبت سے کبھو آہ نہ کي
نادم مرگ کسی پر نہ کھلا راز اپنا

غفلت ھي میں ھم خوش تھے' بیداری کا اک غم تھا
ھنگام شباب ' اپنا کیا خواب کا عالم تھا

مشت پر بلبل نالاں کے جو برباد ھیں سب
ھاتھ پر ھاتھ دھرے سوچ میں صیاد ھیں سب

ستا نہ ھم کو دم نزع اے تصور یار
چلے ھیں ھوکے ھم اپنے دیار کو رخصت

نہیں ''ھوس'' ! وقت جوش مستی' قد خمیدہ سے کچھ حیا کر
بتوں کا بندہ رہے گا کب تک؟ خدا خدا کر؟ خدا خدا کر
کہاں کی نیند آگئي الہی مسافران رہ عدم کو
کچھ ایسے سوے کہ پھر نہ چونکے تھکے ھم ان کو جگا جگا کو

طفلی کو یاد کرلے! جنازے کو دیکھ لے
آغاز بھی ھے دوش پر ' انجام دوش پر

ہمارے شہر میں ہے عام راہ و رسم خود داری
نہ ہو یاں جذب مقناطیس، دست انداز آہن پر
زمین مزرع الفت، بہار ستان آتش ہے
یہاں پروانہ کرتا ہے شرر کا کام خرمن پر

دیدنی ہے حسن اس بت کا کہ کیا کیا صنعتیں
خرچ کی ہیں صانع قدرت نے اس تصویر پر

کوزا جو اس پہ، موج نسیم سحر کا ہے
جاتا ہے مثل آب رواں توسن بہار

ہر ساعت و ہر لحظہ فزوں ہے الم عشق
ہم سے تو اُٹھائے نہیں جاتے ستم عشق

کس سوختہ کی خاک سے اٹھا ہے بگولا
اک شعلہ جوالہ ہے پہونچا پس محمل

یہی کہتی تھی لیلیٰ سوختہ جاں، نہیں کھاتی ادب سے خدا کی قسم
غم قیس سوا مجھے غم نہیں کچھ، اُسی کشتۂ ناز و ادا کی قسم

دل نے کی ہے مشق ضبط آہ و زاری ان دنوں
طایر بے آشیاں ہے بیقراری ان دنوں

ناز پر ورد چمن تھے ' اب اسیر دام ھیں
کچھ تو اے صیاد کر خاطر ھماري ان دنوں

وصل کا دن ھے ' ولے آنکھوں کے میري سامنے
ھے کھڑے شب‌ھاے ھجراں کي سیاھي کیا کروں
ٹکڑے ٹکڑے دل ھوا جاتا ھے پہلو میں "ھوس"
ذبح کرتی ھے بتوں کي کم نگاھي کیا کروں

ھے جو نالاں ھم صفیران چمن کی یاد میں
اک مزا ھے عندلیب زار کي فریاد میں

لے گئي ھے دور از خود رفتگي اُن سے ھمیں
مدتیں گذریں کہ اب ھم آپ میں آتے نہیں
اس کے جاتے ھی ھوا ھے مضطرب کیسا "ھوس"
ھجر بھي ھوتا ھے لیکن اتنا گھبراتے نہیں

سوا غم کے نہ کچھ دیکھا' بہ جز حسرت نہ کچھ پایا
عدم سے ساتھ اپنے ھم عجب تقدیر لائے ھیں
ھمیں پرسش سے تھا کیا کام؟ ھیں ھم لوگ دیوانے
صف محشر میں ھم کو یار بے تقصیر لائے ھیں

خواہ وہ قید رکھیں خواہ وہ آزاد کریں
ھم کو طاقت نہ رھي اتنی کہ فریاد کریں

گل سے کہہ جاکے اسیروں کی طرف سے یہ صبا
قید سے چھوٹیں تو پھر ہم چمن آباد کریں

نام لیلے سے ترے ہم کو حیا آتی ہے
رو بہ رو کس کے ؟ ترا شکوہ بیداد کریں

گر کوئی مانع نہ ہو واں سجدہ کرنے کا مجھے
آستاں یار پر برسوں جبیں سائی کروں

محمل نشیں ناز کو مطلق خبر نہیں
کس کس کی خاک ہوتی ہے پامال کارواں ؟

اے باد صبا ہوئے گی بلبل کو ندامت
لے جا نہ تو خاکستر پروانہ چمن میں

بھرے گلشن سے میں نے پھول کب چن چن کے داماں میں
یہاں تو عمر بھر جھگڑا رہا دست و گریباں میں

بلبل کو ترنم نے گرفتار کیا ہے
ہر تار نفس ہے اسے زنجیر قفس میں

گئے ہے عفو کی امید ، گاہ قتل کا بیم
کھڑے ہیں تیرے گنہ گار دیکھئے کیا ہو

نہ آشنا ھیں موافق ، نہ دوست ھیں غم‌خوار
فلک ھے درپے آزار دیکھئے کیا ھو

لطف شب وصل اے دل! اس دم مجھے حاصل ھو
اک چاند بغل میں ھو، اک چاند مقابل ھو

صحرا میں جنوں کے مجھے نخچیر بناؤ
دل کو مرے ، اس کا ھدف تیر بناؤ
اے منعمو کیا قصر و محل کرتے ھو، تم طرح
ٹوٹے ھوئے دل کی مرے ، تعمیر بناؤ

دیکھو نہ پریشانی مری، آئینہ لے کر
آشفتگی زلف پریشاں کو تو دیکھو

میں چراغ سر رہ ھوں نہیں صرصر در کار
قتل کرنے کو ھے بس جنبش داماں مجھ کو

دکھائے رنج پیری کے ، اجل تیرے تغافل نے
تجھے آنا تھا پہلے ، آہ تو انجام کار آئی
نہ پایا وقت اے زاھد کوئی میں نے عبادت کا
شب ھجراں ھوئی آخر تو صبح انتظار آئی

اللہ رے بد مزاجی ! کرتا ہے عاشقوں سے
وہ گفتگو کہ جس میں الفت کی بو نہ آوے

دل میں اک اضطراب باقی ہے
یہ نشان شباب باقی ہے

ہوے آج بوڑھے جوانی میں کیا تھے
جب اٹھتے تھے زانو سے ہاتھ آشنا تھے
جہاں کی تو ہر چیز میں اک مزا تھا
نہ سمجھے کہ کس شے کے ہم مبتلا تھے
بنا کر بگاڑا ہمیں کیوں ؟ جہاں میں
یہ سب حرف کیا سہو کلک قضا تھے
خدا جانے دنیا میں کس کو تھی راحت
'' ہوس '' ہم تو جینے سے اپنے خفا تھے

مرگیا غصے میں حاجت بھی نہ تلوار کی تھی
کیا مری موت بھی مرضی میں مرے یار کی تھی
یاد ایام توانائی و آغاز جنوں
وہ بھی کیا دن تھے کہ طاقت مری رفتار کی

کبھی زلف دن کو جو کھول دی ' تو نمود ہے شب تار کی
جو نقاب شب کو الٹ دیا تو سحر ہے فصل بہار کی

توبۂ مے کا چلے ہیں داغ ہم دل پر لئے
سامنے آئیں نہ حوریں ہاتھ میں ساغر لئے

ہو حکم باغباں ' تو پئے بلبل اسیر
پژ مردہ پھول باغ سے دو چار توڑئیے

نیند بھر کوئی نہ سویا مرے زنداں میں کبھی
صلح اک دم نہ ہوئی دست و گریباں میں کبھی
قیس و فرہاد نہیں ہائے میں کس سے پوچھوں
نیند آتی ہے کسی کو شب ہجراں میں کبھی
باغباں باقی ہے اب بھی کوئی تنکا کہ نہیں
آشیاں ہم نے بنایا تھا گلستاں میں کبھی

رونے میں رات ہجر کی ساری گذر گئی
گذری بری ' پہ یوں ہی ہماری گذر گئی

تم جو غافل رہے الفت کے گرفتاروں سے
سر پٹک مرگئے زندان کی دیواروں سے
زینت پائے جنوں اس سے زیادہ کیا ہو
آبلے سب گہر سفتہ بنے خاروں سے
داغ دل ' سوز جگر ' کاوش غم ' درد فراق
بیشتر مرتے ہیں عاشق انہیں آزاروں سے

۷۵۳

کیا کیا نہ رنج ہم پہ ' ترے بن گزر گئے
اب جلد آ کہیں کہ بہت دن گزر گئے
رخصت کے وقت ہم نے "هوس" آہ تو نہ کی
صدمے هماري جان پہ ممکن گزر گئے

دامن میں رکھا بھر کر یوں لخت جگر ہم نے
یہ باغ محبت کے پائے هیں ثمر ہم نے

قفس سے چھوٹنے کی ہے خوشی' پر ساتھ یہ ڈر ہے
هماري ناتوانی پھر نہ ہم کو دام ہو جاوے

فدوی

مرزا محمد علي نام اور عرف پھجو تھا - شاہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے ' آخر میں ترک وطن کر کے عظیم‌آباد میں سکونت اختیار کرلی تھي - مشہور بزرگ شاہ گھسیٹا کے معتقد اور شاگرد تھے علم موسیقی میں بھي مہارت رکھے تھے -

اشعار میں بندش کي چستی اور زبان کي شیرینی ہے ' محاورہ بندی اور معانی و مضامین کی تلاش میں الفاظ کي چنداں پروا نہیں کرتے ہیں - بعض اشعار میں ترنم خاص طور پر نمایاں ہے -

انتخاب

هم کو تو وفا سے نہیں اے یار ! گزرنا
پر تو بھي جفا سے نہ ستم گار ' گزرنا

تجھ سے ہوتے ہیں درد مند جدا؟
گو کرے کوئي بند بند جدا

کچھ تو دل میں ترے نفاق پڑا
جو اب آنا اِدھر کا شاق پڑا

دل میں کس بات سے ملال گیا
یار تیرا کدھر خیال گیا

گلا آپس میں آگے بھي کبھو تھا
تکلف بر طرف ایسا ھي تو تھا ؟

بہ رنگ آئینہ جو آب جو تھا
وہ پانی پانی اس کے رو بہ رو تھا

تک اثر ہو زبان میں پیدا
پھر سبھی کچھ ہے آن میں پیدا
زندگی کا نہ کچھ مزا پایا
کیوں ہوئے ہم جہان میں پیدا

کیا تسلی کر گیا تھا یار اس دل کو مرے
یہ تو کچھ جاتے ہی اس کے اور گھبرانے لگا

کون اس سے یہ کہے، "کیوں قتل عالم کو کیا"
کیا کسی کا ڈر پڑا ہے جی میں آیا سو کیا

دل سے یہ دور رہے آج کی شب ہوگئی صبح
شب فرقت ہے خدا جانے کہ کب ہوگی صبح

بیگانگی ہمیں نہیں تجھ سے تری طرح
ہم سب طرح ترے ہیں، سمجھ تو کسی طرح

مجھ سوختہ دل کو نہ کہہ پیکر طاؤس
جلتے ہیں مرے داغوں کے آگے پر طاؤس

ہر طرح ہم اس کے ہیں دل و جان سے "فدوی"
وہ خواہ ہمیں یاد کرے خواہ فراموش

عاشق کی کچھ نہیں ہے دل و جاں سوا بساط
اے دوست امتحان نہ کر اس کی کیا بساط

گیا وہ زمانہ ' ہوا اور عالم
نہ وہ دن' نہ وہ دل' نہ وہ تو' نہ وہ ہم

چشم بد دور ' عجب آنکھیں ہیں
قتل کرتی ہیں غضب آنکھیں ہیں

کچھ خوش آتا نہیں بغیر ترے
زندگانی عذاب ہے تجھ بن

وہ کافر ہماری شب تار ہے جسے دیکھنا مہر کا عار ہے

گو تجھ کو نہ اعتبار ہو وے
کافر ہو جسے قرار ہو وے

جوں شمع گو کہ سر سے بلا رات ٹل گئي
ديوانے فکر آج کي کر کل کی کل گئي

ٹک ساتھ ہو حسرت دل مغموم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دزديدہ نگہ نے تري بندہ کيا مجھ کو
اِس آن کے ' اس ڈھب کے' اس انداز کے صدقے

دل ہے ازل سے تختہ مشق ستم گراں
تقدير کے لکھے کو کوئي کب مٹا سکے

کس دل جلے کي تھري تئيں بد دعا لگي
اے شمع اب تو آہ ترے سرپہ آ لگی

ملے وہ غيروں سے مہروش جو ' ہميں کب آتا ہے رشک اس کا
يہ ڈھلتي پھرتي ہے چھاؤں ''فدوي'' کبھی ادھر ہے کبھي اُدھر ہے

۷۵۹

تری ' هم نے تاثیر بس آہ دیکھی
نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی

میں دل اور جان حاضر هوں ' پر تو اس کو کہا جانے
مرے دل میں تو یہ کچھہ هے ترے دل کی خدا جانے
همیں تو عیں راحت هے جو کچھہ تری عنایت هے
گرفتار جفا هو وے جفا کو جو جفا جانے

محسن

مرزا حسین علی نام ' جرأت کے شاگرد تھے ' لکھنؤ میں تعلیم اور تربیت پائی تھی ان کی غزلوں میں آورد زیادہ ہے ۔۔

انتخاب

اپنا تو درد عشق سے بس کام ہو چکا
گر غم یہی ہے تو ہمیں آرام ہو چکا

ناصح تو نصیحت نہ سنا ! میں نہیں سنتا
بک بک کے مرا مغز نہ کھا ! میں نہیں سنتا
اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو
مجھ سے نہ کہو بہر خدا ' میں نہیں سنتا
بیماریٔ غم سے کوئی جیتا ہے طبیبو !
کیوں مجھ کو بتاتے ہو دوا ' میں نہیں سنتا
کیوں پہلے نہ آنے کی خبر اس کے سنادی
پیغام بر اب کچھ نہ سنا ! میں نہیں سنتا

کیا حرف ? یارب! اس کے دھن سے نکل گیا
سنتے ھی جس کے جي مرا، سن سے نکل گیا
چھوڑا قفس سے تب ھمیں صیاد تونے آہ
جب موسم بہار چمن سے نکل گیا
تیرے جلے بلے کو، رکھیں خاک قبر میں
شعلہ سا ایک تھا سو کفن سے نکل گیا

مت اپنا سنا غم دل افگار کسي کو
مرجائیں گے ورنہ ابھی دو چار تڑپ کر

سیر گل کو وہ بھی آیا تھا، ھوا مجھ کو یقیں
ٹکڑے ٹکڑے باغ میں گل کا گریباں دیکھ کر

آ گیا غش میں وہ افراط نزاکت کے سبب
سخت محجوب ھوئے ھم تو اسے مار کے پھول

اس سے یہ روٹھنا میرا نہ ستم لائے کہیں
نہ دل اس یار کا اغیار سے مل جا کہیں
نشۂ مے میں، نہ دیکھ آئینہ لے کر پیارے
غرہ حسن تجھے اور نہ بہکائے کہیں
ٹکٹکي اس کی طرف اس لئے میں باندھے ھوں
کہ دم نزع مری آنکھ نہ پھر جائے کہیں

دم کسي شکل ٹھہرتا نہیں اب اے "مصحلت"
ٹھہرے جینے کي جو ملنے کي وہ ٹھہرائے کہیں

کیا اس کی کہوں حالت دشوار ہے اب صحت
خاموش ہے کچھ تیرا بیمار کئی دن سے

ہو رقیبوں سے ملاقات اس بت گمراہ کي
اور ترستے ہم رہیں قدرت ہے یہ اللہ کی

ہے انکھڑیوں میں نیند تو اک کام کیجئے
یہ بھي تو گھر ہے آپ کا ' آرام کیجئے
اس زندگي سے کھینچئے "مصحلت" گر اپنا ہاتھ
پھیلا کے پاؤں ذوق سے آرام کیجئے

مت اٹھا ان کو جو ہیں ظلم اٹھانے والے
جیتے جي واے ترے ہم نہیں جانے والے
کل شب وصل میں کیا جلد کٹي تھیں گھڑیاں
آج کیا مرگئے گھڑیال بجانے والے

غضنفر

غضنفر علی خاں نام ' لکھنؤ کے رھنے والے جرأت کے شاگرد تھے -
کلام میں صفائی اور روانی ہے - محاورہ بندی کا خیال زیادہ ہے - واردات
عشق کے علاوہ دوسرے مضامین بہت کم نظم آتے ھیں -

انتخاب

حال کہنے کی بھی اب طاقت نہیں اے ھمدمو!
کیا کہیں؟ کیا حال وہ ظالم ھمارا کر گیا
نام سے جس مرنے والے کے تمہیں اب تک ہے ننگ
سچ تو یہ ہے نام وہ سب میں تمہارا کر گیا

آغاز محبت ھی میں دنیا سے اٹھے ھم
صد شکر اٹھایا نہ کچھ احسان کسی کا

دیکھنے کو ترے بیمار کے لوگ آئے ھیں
ایسے میں آکے ذرا تو بھی نظارا کرنا

شکوا کروں آہ کیا کسي کا   کوئي نہیں آشنا کسی کا
مذکور جو رات تھا کسی کا   کچھ ھوش نہ تھا بجا کسی کا
محتاج کسي کو اے "غضنفر"   ھرگز نہ کرے خدا کسي کا

تا دم زیست نہ اس شوخ کا در چھوڑوں گا
آخر اک روز میں اپنا اسے کر چھوڑوں گا
جب تلک اس کے بھی دو چار نہ آنسو نکلیں
آہ رونا نہ میں اے دیدۂ تر چھوڑوں گا

غالباً مرگ ھی آئي ھے اب اپني کہ جو آہ
نظر آتا نہیں تصویر سحر کا نقشا

جاتے ھیں وھاں سے گر کہیں ھم
ھر پھر کے پھر آتے ھیں وھیں ھم
صد حیف کہ کنج بیکسی میں
کوئي نہیں اور ھیں ' ھمیں ھم
خاموشي کي مہر ھے دھن پر
ھیں حلقۂ غم میں جوں نگیں ھم
آیا نہ وہ شوخ اور گئے آہ
حسرت ھي بھرے تہ زمیں ھم
تکتے رھے جانب در اے وائے
مر مر کے بوقت واپسیں ھم

قسمت میں تو هجر هے " غضنفر "
اب وہ هے تو آپ میں نہیں هم

کچھ سمجھ میں نہیں آتا هے اب اپنا آزار
هیں تو چنگے بھلے، پر لگتے هیں بیزار سے هم

بے توقع هوئے از بسکہ هر اک بات سے هم
دست‌بردار هیں اب سب کی ملاقات سے هم
اب تو هم بیٹھے هیں خاموش " غضنفر " گویا
آشنا تھے هی نہیں حرف و حکایات سے هم

تصور میں هو اس سے دو بدو هم
کیا کرتے هیں پهروں گفتگو هم
کھنچی دیکھی جو کل تصویر مجنوں
تو گویا بیٹھے تھے بس هو بہ هو هم

نہ کاٹے کٹیں اور نہ مارے مریں
تمہیں پر یہ عاشق تمہارے مریں
مریضوں کی تیرے هے چارہ یہی
چھٹیں دکھ سے گر، یہ بچارے مریں

میں نے مانا تو مجھ سے کام نہ رکھ
پر مجھے عاشقوں میں نام نہ رکھ
قاصد جو کہا ھو اس نے ' کہدے
اس کا باقی کوئی پیام نہ رکھ

سونا فراق یار میں خواب و خیال ھے
جب دل لگا تو آنکھ کا لگنا محال ھے

میري ایذا کے جو رھتا ھے وہ درپے دن رات
کچھ تو اس کو بھی ستانے سے ھے حاصل میرے

نالہ و شور و فغاں تھا ' آہ و زاري رات تھی
کنج تنہائی میں کیا کیا بے قراري رات تھی
بے کلی سے کل نہ تھی کل شام سے لے تا سحر
ایک سي حالت دل مضطر کي ساري رات تھی
فکر دینا و غم دیں دونوں بھولے تھے اُسے
اک فقط دل کو تمھاري یادگاری رات تھي
تار رونے کا نہ ٹوٹا جب تلک ٹوٹا نہ دم
شدت غم سے یہ حالت مجھ پہ طاري رات تھی
تیرے آنے کی توقع تھي جو دل کو بعد مرگ
نا امیدی میں عجب امید واری رات تھی

جس میں تری طلب ہو اس جستجو کے صدقے
ہو جس میں ذکر تیرا اس گفتگو کے صدقے

جائیے واں تو کہیں کوچۂ دلبر والے
اس طرف راہ نہیں او دل مضطر والے

جس کے بن دیکھے نہیں زیست کا اسلوب کوئی
بد تو کیا اس کو کہوں، ہے وہ غرض خوب کوئی

مطلوب نہ ہاتھ آئے تو طالب کی ہے خامی
دیکھیں تو بھلا ہم سے وہ کیوں کر نہیں ملتے
بے دید ہیں کیا ملک عدم کے بھی مسافر
جاتے ہیں تو برسوں میں پھر آکر نہیں ملتے

نصرت

نصرت تخلص تھا ؛ جرأت کے شاگرد تھے - الفاظ ثقیل سے پرہیز کرتے ہیں اُن کی طبیعت کا میلان سلاست اور محاورہ بندی کی طرف معلوم ہوتا ہے -

انتخاب

ہر برگ شجر کو ہے ترے نام کی تسبیح
ہر رنگ میں عالم کو ترے دھیان میں دیکھا
اول تو تجھے کعبہ و بتخانے میں ڈھونڈھا
دیکھا تو پھر آخر دل حیران میں دیکھا

ہوس کسی کو جو دیکھنے کی ہو موج بے انتہائے دریا
تو آکے چشموں کو دیکھے میری کہ یاں سے ہے ابتدائے دریا
دروں گرداب اب تو جاکر پھنسی ہے کشتی ہماری یارب
سرشک یاس اب نہیں ہیں آنکھوں سے کیا کہیں ماجرائے دریا

بات وہ حق کے سوا اور نہ کچھہ کہتا تھا
کیوں سر دار پہ ناحق سر منصور کیا

بن ترے آئے پریشاں ہیں سبھی سامان عیش
مے کہیں، مطرب کہیں، ساقی کہیں، ساغر کہیں
کارواں عشق سے بچھڑا میں اب جاؤں کدھر
گم صدائے زنگ ہے اور چل بسے رہبر کہیں

ہو صبر کو کیا قرار دل میں ہے ہم سے خفا وہ یار دل میں

جس کو غم عشق گل‌رخاں ہو کب اسکو ہوائے بوستاں ہو
وہ دوست جو مہرباں ہو کیا غم گو دشمن جاں مرا، جہاں ہو

طبیبوں نے جو دیکھا نبض کو میری تو یہ بولے
یہ جاوےگا تمہارے جی کے ساتھہ آزار دیکھو گے
نہ دوگے شربت دیدار گر بیمار کو اپنے
تو جی دیگا تمہارا طالب دیدار دیکھو گے

لچھمی نرائن، صاحب و شفیق

لچھمی نرائن نام، صاحب و شفیق تخلص، اورنگ آباد دکن کے رہنے والے تھے - ان کے والد لالہ منسا رام عرصے تک سلطنت دکن میں صدرالصدور کے پیشکار تھے سنہ ۱۱۵۸ ھ میں پیدا ہوئے، مولوی شیخ عبدالقادر سے کتب درسی پڑھیں، فن شعر میں علامہ میر غلام علی " آزاد " بلگرامی کے شاگرد ہوئے، پہلے " صاحب " تخلص کیا جب میر محمد مسیح " صاحب " کا شہرہ ہوا تو آزاد کے مشورے سے شفیق تخلص اختیار کیا چنانچہ پہلے دیوان میں صاحب اور دوسرے میں شفیق تخلص ملتا ہے -

ان کی زبان ان کے دکن ہمعصروں کے مقابلے میں بہت صاف ہے لیکن یہ شاعری میں کوئی خاص درجہ نہیں رکھتے ان کے بہت سے شعروں کی بناء لفاظی پر ہے ایسے شعر انتخاب میں نہیں لے گئے ہیں -

انتخاب

شمع پر پروانہ جل کر راکھ ہو
عاشقی کا نام روشن کر گیا

قباحت ہے بڑے غمزے سے آکر پھر کے ہٹ جانا
جھجک کر مسکرا کر دیکھ کر ہنس کر لپٹ جانا

ان وفاؤں کا یہ بدلا ہے ملا یا قسمت
ہم چلے ، تم کو تو اب کر کے دعا یا قسمت

باغباں ہم کو نہیں واللہ کچھ گل سے غرض
ہیں کے مشتاق صدا ہے شور بلبل سے غرض

کم رکھے جی دل میں اپنے گل رخاں کا اختلاط
جی میں لے چھوڑے گا چتکی ان بتاں کا اختلاط

بہار آئی جنوں نے سر اٹھایا ہے خدا حافظ
نسیم صبح نے دل کو ستایا ہے خدا حافظ

جیوں جلا آگ کا آتش ستي هوتا هے بهلا
عشق کے درد کو تحقیق دوا هے کا عشق

مرا دل لینے هي تک آشنا تها
تري آنکهیں پهرانے کے تصدق

دل الجهتا هے مرا جیوں جیوں که سلجهے هیں وہ بال
کیا مچے گي دیکهئے کاکل کے کهل جانے میں دهوم

کس طرح بیمار دل کی هم شفا چاهیں که آج
پڑ گئی هے اس کي آنکهوں سیتی مے خانے میں دهوم

کیا کریں عرض حال تیرے پاس
هم کو دل نهیں تجهے دماغ نهیں

ب حیات حق میں سخن گو کے هے سخن
باقی هے میرے بعد یهي یاد گار کچهہ

اس طور تهج گئے هیں نین کس کی یاد میں
نرگس کو هے چمن میں مگر انتظار کچهہ

مت کوئی روشن کرو تربت پہ مجنوں کے چراغ
روح جل جاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھ

کہو باتیں بنا تم اب و لیکن   تمہارا دل کہیں جاتا رہا ہے

ہمیں کنج چمن میں چھوڑ کر صیاد جاتا ہے
خدا جانے کہ ہم سے خوش ہے یا ناشاد جاتا ہے

اگر وہ شعلہ خو تک پردہ منہہ سے دور کر دیوے
پتنگے جل مریں اور شمع کو بے نور کر دیوے

خاک سے اس کی نرگس اگتی ہے
جو ترا منتظر ہو مرتا ہے

ہر جہت باد صبا سے یہ قدم کا فیض ہے
مرقد بلبل پہ گل جو یوں چراغاں ہو گئے

میں اپنے درد دل کہنے کے صدقے
ترے سن سن کے چپ رہنے کے مئے

چکوریں ماہ کے اور بلبلیں گلزار کے صدقے
کوئی قربان کس کا ھے میں اپنے یار کے صدقے

خدا کسي کو کسي ساتھہ آشنا نہ کرے
اگر کرے تو قیامت تلک جدا نہ کرے

کیا ھوا ھے کس طرح کا ابر ھے
جس کو دل چاھے نہ ھو کیا جبر ھے

اختر

محمد صادق خاں نام ' بنگال کے رہنے والے تھے مگر ترک وطن کر کے لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا ' مرزا قتیل کے شاگرد تھے - اردو اور فارسي دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے - ان کی شاعری کا اس قدر شہرہ ہوا کہ غازي الدین حیدر فرما نرواے اودھ نے ان کو ملک الشعرا کا خطاب دیا ' عالم و فاضل شخص تھے - اختر عالم فاضل نکتہ رس دقیق نظر اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے - شعبدہ بازی میں بھي کمال رکھتے تھے -

خیالات کي بلندي ' مضامین کا تنوع بندش کي چستی ' فارسي ترکیبوں کی دل آویزي اور بیان کي متانت " اختر " کی شاعری کے خصوصیات ہیں -

اختر نے " مصحفي " اور " انشا " سے لے کر " وزیر " اور " صبا " تک کا زمانہ دیکھا تھا - انھوں نے سنہ ۱۸۵۸ع میں اِنتقال کیا -

اِنتخاب

تھی کرم سے چشم بخشش قہر سے خوف عقاب
دل میں اپنے عمر بھر حشر امید و بیم تھا

اگرچہ روز جاں کاہ اجل بھی تیرہ ہے لیکن
ترقی پر ہے کچھ بخت سیہ شب ہاے ہجراں کا

شب جو اپنا نالہ دل بسکہ سیر آہنگ تھا
زندگی کا عرصہ یاروں پر نہایت تنگ تھا
زندگی میں دیکھتے کیا خاک ہم اس کو یہاں
عمر بھر آئینہ دل پر ہوس کا زنگ تھا

کوثر سے بھی نہ اس کے بجھی سوزالعطش
مشتاق ہے گلو ترے خنجر کی آب کا
رو تھرا درمیاں ہے کروں کیا؟ خموش ہوں
ورنہ میں ایک بند نہ رکھتا نقاب کا

لطف بےحد سے ترے سب دشمن جاں ہوگئے
ابر رحمت ہائے میرے حق میں طوفاں ہو گیا

دل مجھ کو ھائے بے کس و بے چارہ کر گیا
اپنی تلاش میں مجھے آوارہ کر گیا
برسوں میں آیا تھا جو وہ دم بھر کے واسطے
آنکھوں کو وقف حیرت نظارہ کر گیا

پاے بندہ زینت دنیا دل روشن نہیں
رنگ گل مانع ھوا شبنم کی کب پرواز کا

طمع سے آبرو برباد یوں ھوتی ھے دنیا میں
جلا دیتا ھے جیسے آب گوھر شعلۂ آتش

آئینۂ اندیشہ نمائے دل " اختر "
ھے پیچ و خم حلقہ گیسو سے ترے داغ

کس چشم کی گردش کا تھا مارا ھوا " اختر "
خاک اس کی بگولے سے جو ھے ھم سفر اب تک

کھینچے لئے جاتا ھے مجھے ساتھ جو اپنے
شاید کشش یار ھے اب راہ بر دل

کشور عشق میں بیکار ھے اعجاز مسیح
لوگ یاں مرگ سے امید شفا رکھتے ھیں

جان دے بیٹھیں تو دیکھے نہ کبھی آنکھ اٹھا
ایسے بے دید سے ہم چشم وفا رکھتے ہیں

خرام یار سے آسودگان خاک اٹھ بیٹھے
یہ چلنا کیا ہے ؟ آشوب قیامت اس کو کہتے ہیں

قتل عاشق سے ہے تیغ یار منھ موڑے ہوئے
کون گردن سے اُتارے آہ بار عاشقاں

خون ناحق کا دکھا دیتے تجھے محشر میں رنگ
پر کریں کیا تیرا فریادی ، کوئی بسمل نہیں
تاب کیا فریاد کی اس کو جفائے یار سے
اس قدر ہے مضمحل سینے میں گویا دل نہیں

آتش گل سے تو بلبل جل گئی گلشن میں آہ
رہ گیا اس سے نشان آشیان سوختہ
عمر جو گذری سو گذری فکر باقی کیجئے
ہے یہ آتش ، یادگار کاروان سوختہ

دوری سے تری ، ہر صحرائے رشک گلستاں
آنکھوں میں مری باد صبا شعلہ فشاں ہے

کیا تاسف سے تڑپتے ہیں اسیران قفس
کچھ جو اڑتی سی سنی ہے کہ بہار آئی ہے

لبوں تک آہ کا آنا ہے دشوار یہ زوروں پر ہے اپنی ناتوانی
کیا ہے امتحاں ہم نے جہاں میں کہ ہے بے قدر عہد زندگانی

الفت اس کی ہر جگھ میرے لئے تعمیر ہے
جاؤں صحرا کو تو واں بھی خانۂ زنجیر ہے
جو مقدر ہے وہي ہوتا ہے ظاہر ' سعي سے
صورت تدبیر یاں در پردۂ تقدیر ہے

ہے رگ جاں تک جو اپنی موج زن' خون جنوں
یہ بہار نشتر مژگاں کا کس کے جوش ہے

عجب ڈھب کي یہ تعمیر خراب آباد ہستي ہے
کہ پستي یاں بلندي ہے' بلندی یاں کی پستی ہے
تردد کیوں تمھیں اے ساکنان ملک ہستي ہے
عدم کي راہ سیدھي ہے بلندی ہے' نہ پستي ہے
وصال اس کا عوض مرنے کے گر ٹھہرے' غنیمت ہے
متاع وصل جاناں' جان دینے پر بھي سستي ہے
حصول جاہ کي تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں
ہماری سعی باطل دیکھ کر تقدیر ہنستی ہے

سمجھ ہر ایک کو ہشیار ہم آئے تھے یاں "اختر"
بہ چشم غور جو دیکھا تو متوالوں کی بستی ہے

دوستی کا حال کیا پوچھے ہے اے ناکردہ کار
دیکھ میرا سینہ مالا مال داغ دوستی سے ہے

اُدھر قاصد گیا ہے ، اور اِدھر جاتا ہے جی اپنا
جواب نامہ تک کس کو امید زندگانی ہے
نہ پوچھو بے قراری کا مری، راتوں کو اب عالم
دل مضطر ہے، میں ہوں، اس گلی کی پاسبانی ہے

گو زر نہ ہو ، پر مایۂ ہمت کی بہ دولت
گنجینہ ارباب کرم خانۂ دل ہے

شہیدی

کرامت علي نام ' شہیدی تخلص وطن بریلی تھا مگر لکھنؤ میں پرورش پائي - پہلے مصحفي سے اصلاح لي جب ان کا انتقال ہو گیا تو شاہ نصیر سے مشورہ کرنے لگے -

آدمی بذلہ سنج ' اور یارباش اور آزاد تھے ' آزادي وارستگي تک پہونچ گئی تھی -

شہیدی ' سرکار انگریزی کے محکمۂ کمسریت میں ملازم تھے ' اس خدمت سے کنارہ کش ہونے کے بعد پھر کہیں ملازمت نہیں کي ' وہ ایک بذلہ سنج - یار باش - آزاد منش اور وارستہ مزاج آدمي تھے - دھلی ' اجمیر ' پنجاب ' بھوپال ' گجرات میں ان کے احباب بہت تھے ' وہ اکثر ان شہروں کا دورہ کیا کرتے تھے اور اپنے دوستوں کے یہاں مہمان رہتے تھے -

" شہیدي " کا دل سراپا درد و عشق تھا - ان کي طبیعت کا میلان عشق مجازي سے زیادہ عشق حقیقي کی طرف تھا - وہ سچے عاشق رسول تھے ' اس لئے نعت میں جو کچھ کہتے تھے دل کي زبان سے کہتے تھے اور نئي نئی باتیں پیدا کرتے تھے ' ان کي غزل میں سوز و

گداز کي کمي نهيں هے - زبان صاف و شسته هے اور طبيعت دريا کی روانی رکهتی هے - سنگلاخ زمينوں کو پامال کرکے چهوڑتے هيں اور مشکل طرحوں ميں سه غزله اور چو غزله لکهه کر اپنی قادرالکلامي کا ثبوت ديتے هيں -

شهيدي نے ۴ صفر سنه ۱۲۵۹ھ کو مدينه کے راستے ميں انتقال کيا -

انتخاب

تصویر ایک ائینہ انواع مختلف

کس وجہ میں نہ محو رہوں ہر شکیل کا

جھوٹھے پڑیں گے نامۂ اعمال روز حشر

جب عفو عام کام کرے گا وکیل کا

طلوع روشنی جیسے نشان ہو شہ کی آمد کا

ظہور حق کی حجت ہے جہاں میں نور احمد کا

شب و روز اس کے صاحبزادوں کا گہوارہ جنباں تھا

عجب ڈھب یاد تھا روح الامیں کو بھی خوشامد کا

شب معراج چڑھ کر عرش پر دم میں اُتر آیا

بیان اس قلزم معنی کی ہو کیا جزر اور مد کا

اُدھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل

خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

توارد کے یہ معنی، جب لکھا شعر اس کی مدحت میں

مرے مضموں سے مضموں لڑ گیا ہے نظم قرآں کا

شوق وصال، سینے میں آزار بن گیا
میں خواہش طبیب میں بیمار بن گیا
تیرے خیال نے مرے دل کو کیا فگار
طالع کے انقلاب سے گل، خار بن گیا

ہر گل تف جگر سے مرے، مضمحل ہوا
لے جا کے خلد میں مجھے رضواں خجل ہوا

مجھے عذاب جہنم کہ بت پرست ہوں میں
وہ بت، بہشت میں دعوی جسے خدائی کا

بتوں کا سجدہ مری! سر نوشت میں کب تھا
کہ عزم ، کعبہ کے در پر ہو جبہہ سائی کا

دیکھ کر مجھ کو پھڑک جائے نہ صیاد کا دم
چہچہے کرتا ہوا خود میں تہ دام آیا
اب نہ سن! گر میں کروں تیرے تغافل کا گلہ
بات کیا صبح کا بھولا ہوا گر شام آیا

قیس! ہوتی کف لیلی ہی میں ناقے کی مہار
گر پری چہرہ مرا رونق محمل ہوتا
سچ ہے ناصح کہ ضرر دل کا ہے خوں رونے میں
خوں نہ روتا مرے سینے میں اگر دل ہوتا

پڑي صورت سے تجھے عشق نہیں ہے ورنہ
در و دیـوار سے آئینـہ مقـابـل ہـوتا

تصور عاشق بے تاب نے دل میں جہاں باندھا
نقاب اس شرمگیں نے اپنے چہرے پر وہاں باندھا

یہ عاصي رہے نار میں یا الہی
بہشت بریں میں وہ کافر نہ ہوگا

اب "شہیدي" سے تو ہے ضبط جنوں بس دشوار
دامـن یـار ہـي چھوٹتا تو گریباں کس کا

سن کے میري مرگ کا آوازہ ' وحشت نے کہا
اُٹھ گیا دنیـا سے وارث خـانۂ زنجیـر کا
دیکھ لے جو چاہے میرے صفحۂ دل میں تجھے
فـرط حیرت سے ہوں آئینہ تري تصویر کا
کر کے میں قطع تعلق سب میں دیوانہ بنا
وہ بـڑا عاقل ہے جو بستہ ہوا زنجیر کا

لاؤں گا زباں پـر تري بیداد نہ ہرگز
بے رحم' تجھے خلق میں مشہور کروں کیا

ہو جاے گا چپ، سن کے مرا حرف تمنا
نادان ہے اُسے اور بھی مغرور کروں

عاشقوں میں قابل کشتن نہ تھا میرے سوا
میں ہوا قتل اور کمر سے یار کی خنجر کھلا

کرتے ہو نیم نگہہ پر، مرے دل کا سودا
نہ خریدو یہ ابھی اور بھی ارزاں ہوگا

مرے پہلو سے جاتے ہو یہ کہہ کر دم میں آتا ہوں
تمہارا وعدہ سچ پر یاں بھروسا کس کو ہے دم کا

صنم پھر خدا رکھے دے اپنا ہاتھ سینے پر
ہمارا زخم دل محتاج ہے ان روزوں مرہم کا

شکر ہے خانۂ زنداں کی شکایت نہ رہی
جاکے صحرا میں بھی دیوانہ ترا تنگ رہا
حیف صیاد نے گن گن کے گرفتار کئے
نہ گلستاں میں کوئی مرغ خوش آہنگ رہا
عار تھا ہر کس و ناکس سے مقابل ہونا
شکر صد شکر مرے آئینے پر زنگ رہا

اغیار کا منہہ تھا مجھے محفل سے اتھاتے
سچ یوں ھے تری رنجش بے جا نے اتھایا
بیمار محبت کو اب اللہ شفا دے
سنتے ھیں کہ ھاتھہ اُس سے مسیحا نے اتھایا

ھجر میں جینے سے مرنا وصل میں مجھہ کو قبول
یہ سخن پروانہ کہہ کر شمع سوزاں پر گرا

دن رھائی کے قریب آئے "شہیدی" شاید
خود بہ خود آج مرا طوق گلو توت پڑا

خود بہ خود آتا ھے گریہ ہر گھڑی عاشقی نے طفل خو ھم کو کیا
اُس کی بے رحمی کا شکوہ ھے عبث کب کسی نے رو برو ھم کو کیا
اے "شہیدی" شوق وصل یار نے جسم و جاں سب آرزو ھم کو کیا

بھروسا کس کو تھا فرقت کی شب میں زندگانی کا
ملایا تجھ سے پھر، ممنوں ھوں اپنی سخت جانی کا
ذرا کاندھا تو دے لو تم بھی تا عالم میں شہرہ ھو
ھماری جاں فشانی کا، تمھاری قدر دانی کا

آشیاں سے صحن گلشن تک بچھے ھیں لاکھہ دام
کاش ھو موج ھوا زنجیر پائے عندلیب

آئے تھے لے لے کے کوزے محتسب
بن گئے مستوں کے گھوڑے محتسب
گر ہمارے میکدے میں ہو گذار
خم کے بدلے توبہ توڑے محتسب

چشم ساقی کے ہوئی دور میں یہ عام شراب
قاضی شہر کو ملنے لگی بے دام شراب

وعدہ رویت کا ہے موقوف ترا فردا پر
آہ کچھ چارا نہیں حسرت دیدار سے آج

ہوے عشاق نوازی کے وہ دل سے مصروف
ہائے مقبول ہوئی مری دعا میرے بعد

سیکھ لے ہم سے کوئی ضبط جنوں کے انداز
برسوں پابند رہے پر نہ ہلائی زنجیر

تونے اے دل! سینۂ پر داغ سے جنبش نہ کی
یار کی محفل میں گل پہونچا گلستاں چھوڑ کر

اس ایک پھول نے روشن کیا ہی گلخن کو
جہان تیرہ کو ہے عشق کے شرار سے فیض

مدت سے رزو ہے ترے پیرھن کی بو
اے کاش ایک صبح کرے رہ صبا غلط

چمن میں سبزۂ بیگانہ میں تھا
مرے اتھتے ہوئی وہ انجمن صاف
کدورت دل کی آتي ھے زباں پر
کہے انساں نہ رنجش میں سخن صاف

مجھ کو تو ھے پسند تجھ کو رقیب
میرے اور تیرے انتخاب میں فرق
سینہ پر سل دھری گئی پس مرگ
نہ ہوا دل کے اضطراب میں فرق
کم ھے میری وفا سے تیری جفا
روز محشر نہ ھو حساب میں فرق

ھمارے عشق کو تو اے جنوں نہ رسوا کر
کہ پیرھن کے سبب سینے کے ھیں پنہاں چاک

ھم نے دیکھا ھے تماشا آمد سیلاب کا
کب کسي کے روکے سے رکتا ھے جب آتا ھے دل
بے قراري دل کي میں کیوں کر جتاؤں یار کو
سینے پر جب ھاتھ رکھتا ھے تھہر جاتا ھے دل

خواہاں کام جاں ہیں، تن آسانیوں میں ہم
تا زندگی رہیں گے پشیمانیوں میں ہم
اس خود نما کا آئینہ خانہ تھا دو جہاں
مرنے کے بعد بھی رہے حیرانیوں میں ہم
دیکھا کبھی نہ خار کی دامن کشی کا لطف
صحرا کی سیر کو گئے عریانیوں میں ہم
آب بقا خضر کو مبارک رہے ہمیں
کافی ہے جام زہر کہ ہیں فانیوں میں ہم
ناخواندگی سے کہتے ہیں نامہ کے مہرے حرف
یارب نہ کیوں لکھے گئے پیشانیوں میں ہم

فردوس کی گل گشت کو بھی چلتے ہیں رضواں
دوزخ میں ذرا سینک لیں یہ دامن ترہم
یارب ہو برا تفرقہ انداز فلک کا
مشتاق ادھر یار ہے بے تاب ادھر ہم

طالع خفتہ مرے کہتے ہیں شور حشر سے
چونک اٹھیں عالم کے مردے پر نہ ہوں بیدار ہم
انتہائے عشق میں ہونا ہے کافر ایک دن
تار تار جیب سے بٹوا رکھیں زنار ہم
گھر ہمارے آج وہ خورشید پیکر آئے گا
دیکھتے ہیں شام میں کچھ صبح کے آثار ہم

مے فروش اپنا سبو اب ہم سے اٹھواتا نہیں
ایک دن غفلت میں کہہ بیٹھے تھے ہیں ہشیار ہم

رو رہے ہیں یہ جو منہہ ڈھانکے سرھانے لاش کے
زندگی میں تھے انھیں کے طالب دیدار ہم

ہم نے آنکھیں موند لیں دنیا کا پردہ کھل گیا
بیٹھے ارباب بصورت جام جم دیکھا کریں

طرفہ صحبت ہے ' ہماری شکل سے بیزار تم
اپنی یہ خواہش تمھیں ہم دم بہ دم دیکھا کریں

شیخ خلوت میں مریدوں سے کرے جو تلقین
رند چرچا سر بازار کیا کرتے ہیں

ایک ہے حسرت و امید مرے مذہب میں
جب سے طالب ہوں ترا ' کچھ مجھے مطلوب نہیں

انداز ترک عشق عبث رو بروے یار
ناصح! رفو کتاں کو نہ کر ماھتاب میں

آیا تھا عیادت کے لئے یار کئی دن
میں کیوں نہ رہا اور بھی بیمار کئی دن

کیا ملاحت رخ جاناں میں ہے اللہ اللہ
آگیا جس کے تصور سے مزا آنکھوں میں

سات پردوں میں اگر رھنے سے ہے شوق تجھے
یہ بھی اک منظر پاکیزہ ہے آ آنکھوں میں

جا ہمرہ رقیب نہ سیر چمن کو تو
ظالم نہ تازہ کر مرے داغ کہن کو تو

مجنوں کسي کي چشم کا شاید بندھا ہے دھیان
پہروں سے تک رہا ہے کھڑا کیوں ہرن کو تو

حسرت کشوں کا اور ھي درجہ ہے عشق میں
پرویز آپ سا نہ سمجھ کوہ کن کو تو

جانب مسجد نہیں جاتا ہوں میں بہر نماز
صندل بت خانہ جب تک زیب پشاني نہ ہو

سرو سے قد پہ اٹھا ھاتھ جو انگڑاگي کو
مستزاد اُس نے کیا مصرعۂ رعنائي کو

فراق یار میں چنداں نہیں ہوں میں مجبور
ہر آن مرگ مري میرے اختیار میں ہے

پلٹ گیا وہ پري نیم راہ سے سو بار
عجب اثر دل وحشی کے اضطرار میں ہے

صبر کا ناصح نہیں یارا مجھے　　چارہ گری نے تری مارا مجھے

دل کے جانے کا "شہیدی" حادثہ ایسا نہیں
کچھہ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

نہ رکھہ آنکھوں پہ میری آستین لطف اے ہمدم
کہ اشک سرخ کے ہمرہ دل کا غم نکلتا ہے
"شہیدی" سے نہیں واقف مگر اتنا تو واقف ہیں
کہ راتوں کو کوئی کرتا ہوا ماتم نکلتا ہے
جی چاہے گا جسکو اُسے چاہا نہ کریں گے
ہم عشق و ہوس کو کبھی یکجا نہ کریں گے

مرے گھر آکے یوں دامن کشاں وہ گل گذر جاتا
نہ میرا ہاتھہ نکلا ضعف کے باعث گریباں سے

یار نے گوش "شہیدی" میں کہا وقت وداع
رو لے دو آنسو فراق جسم و جاں کا وقت ہے

اے دل! نکال اپنے سب ارماں شب وصال
ہنگام صبح تک مجھے مہلت اجل سے ہے

هم دل افسردوں کي تکليف " شهيدي " هے عبث
اور کر ديں گے دم سرد سے محفل ٹهنڈي

آکر غم صنم نے يہاں تک کيا هجوم
پائي نہ ميں نے کعبے ميں فرصت نماز کی

کيا هي يہ پيرهن کا بوجهہ ' مجهہ کو هے لاکهہ من کا بوجهہ
جاں کو گراں هے تن کا بوجهہ ' جسم کو روح بار هے

ياد بندے کي اُسے هے يا نهيں کس کو خبر
ياد اُس کي تو خدا کا شکر هردم هے مجهے

قتل کرتا هے مجهے وہ اپنا عاشق جان کر
هاتهہ سے اسکے گلے پر ميرے ' خنجر کيا چلے

پهينک دي هاتهہ سے احوال قيامت کي کتاب
سن کے واعظ نے بيان شب هجراں هم سے

اس پند سے دل ' ناصح ديں دار نہ توڑے
بت توڑ نے ميں کعبے کي ديوار نہ توڑے

اور غافل ہوئے سن سن کے ہمارا احوال

ان کو نیند آگئی عشاق کے افسانوں سے

تیرے خرقے نے چھپایا ہے "شہیدی" تجھ کو

یار بے عیب کو پردہ نہیں عریانوں سے

شکر دیدار صنم کی آرزو دونوں کو ہے

یاں زباں کو آنکھیں، آنکھوں کو زباں درکار ہے

مل چکا صندل جبیں پر درد سر جاتا رہا

اس مسیحا دم کی خاک آستاں درکار ہے

مشام بلبل میں رشک گل کی ہنوز بو بھی نہیں گئی ہے

ابھی وہ نام خدا ہے غنچہ، نسیم چھو بھی نہیں گئی

"شہیدی" اتنی گماں پرستی کہ نشہ میں بھول بیٹھے ہستی

ہوئی ہے اس مے سے تم کو مستی جو تا گلو بھی نہیں گئی ہے

صوم و صلوۃ سے مجھے دن رات کام ہے

تیرے فراق میں مئے و نغمہ حرام ہے

بس تجھی پر ہے نگاہ اپنی پری خانے میں

اس قدر ہوش ابھی ہیں ترے دیوانے میں

رومال معطر ہے محبت کی جو بو سے

یہ ہمنے بسایا ہے "شہیدی" کے لہو سے

(نامہ)

سر دفتر اشتیاق کیشاں | شہرۂ خاطر پریشاں
تازیست نہ ہو تمھیں کوئی غم | غم کھانے کو ایک ہم ہیں کیا کم
اپنی ہے یہی دعا خدا سے | تم خوش رہو ہم مرے بلا سے
انجم سے جو شب شمار غم ہے | دن کو مجھے کاروبار غم ہے
کس سے کہیں آہ حال اپنا | فرقت میں ہوا وصال اپنا
سوز تپ غم سے ہوں بہ جاں میں | جلنے میں علم ہوں شمع ساں میں

قطعہ

اک روز وقت پا کے جو کی میں نے اُس سے عرض
آزردہ خاطروں کے ستانے سے فائدہ
بولے کہ واقعی بڑے بیدادگر ہیں ہم
ہم سے کسی کو دل کے لگانے سے فائدہ

امیر

محمد یار خاں نام ' رام پور کے رهنے والے خاندانی نواب اور صاحب جاہ تھے - آبائی جائداد کی آمدنی علاوہ پچاس ہزار روپیہ سالانہ نواب شجاع الدولہ کی وراثت سے ان کو ملتا تھا " امیر " ذهین ' ذی مروت ' سخی اور عالی حوصلہ امیر تھے ' فن موسیقی میں کمال رکھتے تھے اردو شاعری کی طرف توجہ کی تھوڑے ہی دنوں میں اچھا کہنے لگے ' "قائم" اور "مصحفی" دونوں سے تلمذ تھا' "مصحفی" سے آخر تک فیض حاصل کرتے رہے - شعرا کا ہجوم رهتا تھا - سنہ ۱۷۷۴ع میں وفات پائی -

" امیر " کے کلام پر " مصحفی " کا رنگ خاص ہے ' غزل میں واردات اور اخلاقیات دونوں اچھے اسلوب سے نظم کرتے ہیں -

---

مسرور

شیخ میر بخش نام ' شیخ " مصحفي '' کے شاگرد کاکوری ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے ' دھلي کی سیاحت بھي کی تھي - بلند مضامین پیدا کرنے کی کوشش کرتے ھیں ' ایسا معلوم ھوتا ھے کہ ان کي خواھش کے مطابق الفاظ نہیں ملتے تغزل کا رنگ اچھا ھے ' مضمون آفرینی میں " مصحفي '' کا انداز نمایاں ھے حتی‌الوسع کوئی لفظ بیکار نہیں لاتے ' زبان بھی شستہ ھے ترکیب صاف اور بندش چست ھوتي ھے ' بے ساختگی سے معلوم ھوتا ھے کہ دل چوٹ کھایا ھوا ھے -

---

انتخاب

گھونگھٹ کا شرم پر ہے حجاب اور دوسرا
پردے میں رخ ہے، رخ پہ نقاب اور دوسرا

تاثیر کی نہ آہ دل نارسا نے کیا
آنا تھا جلد دیر لگائی قضا نے کیا
دست جنوں کے ہاتھ سے "مسرور" دیکھنا
پھیلائے پاؤں اس مرے چاک قبا نے کیا

بزم خوباں سے جو میں رات بہ‌صد یاس اٹھا
درد بے ساختہ اک دل کے میرے پاس اٹھا

اس حسن کی داد اس دل دل گیر سے لوں گا
آنکھوں کا مزا میں تری تصویر سے لوں گا

بت خانہ کو اس بت کے جھکی ساری خدائی
اس سال بھلا طوف حرم کون کرے گا

بیٹھے تھے کس خوشي سے سنانے کو حال دل
وہ بھی بیان رات کو سارا نہ ہوسکا

قافلے والوں کي الله کرے خیر کہیں
گم ہے کچھ آج کے دن بانگ درا کیا باعث

پہلو سے لے گئے دل دل گیر کھینچ کر
اچھا سلوک تم نے کیا تیر کھینچ کر

تو مجھ سے دشمنی بھی فلک اس قدر نہ کر
کس نے کہا ہے ہجر کي شب کو سحر نہ کر
مرنے کو زندگي تو سمجھ درد عشق میں
" مسرور " اپني جان کا ہرگز خطر نہ کر

اے دل تو مے عشق کو ہشیاري سے پینا
گر پڑتے ہیں اس بزم میں مے خوار سنبھل کر

فرصت نہیں ہے درد جگر کو تو کیا کریں
مقدور بھي تو اس کي دوا کر چکے ہیں ہم

چمن میں زمزمہ سنجي کروں میں کیسے صبا
قفس میں قید مرے ہم صفیر کتنے ہیں

لگائیں کیوں نہ ہم آنکھوں سے ان کے ہاتھوں کو
جو چلتے دم ترا دامن سنبھال دیتے ہیں

بے اثر نالوں سے کچھ اب تو نکلتا نہیں کام
ہم انہیں گرد وہ بے اثری کرتے ہیں

دن وصل کے رنج شب غم بھول گئے ہیں
یہ خوش ہیں کہ اپنے تئیں ہم بھول گئے ہیں
جس دن سے گئے اپني خبر تک نہیں بھیجی
شاید ہمیں یاران عدم بھول گئے ہیں
یا راحت و رنج اب ہے مساوات ہمیں کو
یا آپ ہی کچھ طرز ستم بھول گئے ہیں
کچھ ہوش ٹھکانے ہوں تو لیں نام کسي کا
ہم دے کے کہیں دل کي رقم بھول گئے ہیں

وہ کبھي بھولے سے ہم کو یاد بھی کرتے نہیں
جن کي خاطر ہوش کیا ہم جي گنوائے بیٹھے ہیں

اے جوش اشک وقفہ کوئی دم ضرور ہے
کب تک لئے ان آنکھوں پہ ہم آستیں رہیں

باهیں گلے میں ڈور کے کس طرح ڈال دوں
گر حکم هو تو آپ کا دامن سنبھال دوں

طلوع هو کہیں صبح مراد جلد که هم
جگر کو تھامے شب انتظار بیٹھے هیں

هر تان په دل کھینچے نه کس طرح وہ "مسرور"
الله نے بخشی هے یه تاثیر گلے میں

بے چین دل کرے هے مرے تن کو ' کیا کروں
اے دوستو ! بغل کے میں دشمن کو کیا کروں

سر کو پٹک پٹک شب هجراں کہوں هوں میں
خنجر په رکھ دوں جاکے میں گردن کو کیا کروں

مل رهیں گے زیست گر باقی هے پھر اے همدمو
اب تو جاتے هیں' جدهر میرا خدا لے جائے هے

اے دست جنوں اس کا لگادے تو ٹھکانا
دم تنگ مرا میرے گریباں کے تلے ہے

پڑھتا ہے کھڑا فاتحہ وہ فتنۂ دوراں
محشر کہیں برپا مرے مدفن سے نہ ہوے

سانولي دیکھ کے صورت کسي متوالے کی
گو مسلمان ہوں بول اٹھتا ہوں جے کالی کي

ٹکڑے ٹکڑے کئے دامن کے تو اے دست جنوں
رحم کر اب تو کہ نوبت بہ گریباں آئي

تدبیر بس اب اس کي ذرا ہم سے نہ ہوگی
اے درد جگر تیري دوا ہم سے نہ ہوگی

وہ اپنی جاں فشانیاں ساري نہ بھولئے
سب بھولئے پہ یاد ہماري نہ بھولئے

یہ کہ کے شمع پہ پروانے رات کہتے تھے
سمجھ لے دل میں کہ ہے گرم انجمن ہم سے

کس کام کي هے بے مئے و معشوق زندگي
افسوس دن شباب کے یوں رائگاں چلے

کہہ دو ! مجنوں سے کہ پھرتا ہے تو کہا دل تھامے
ناقہ اٹھتا ہے ذرا لیلے کا محمل تھامے

عیشی

طالب علي خاں نام ، لکھنؤ کے رهنے والے " مصحفي " کے شاگرد
تھے فارسي میں " قتیل " سے اصلاح لیتے تھے - فارسي اور اُردو دونوں
زبانوں میں صاحب دیوان تھے مگر دونوں دیوان نایاب هیں - بعض
اور کتابیں بھي ان کی تصنیف سے تھیں مگر اب نہیں ملتیں- "عیشی"
کے کلام میں آورد کا رنگ غالب ھے مگر بیاں میں وہ زور اور بندش میں
وہ چستي ھے کہ معمولي خیالوں میں رفعت اور بے مزہ باتوں میں لذت
پیدا هو جاتی ھے - فارسی ترکیبیں ان کے کلام میں بہت ملتی هیں -
کہیں کہیں " مصحفی " کا رنگ جھلک جاتا ھے -

انتخاب

ہے قصور اے ہم نشیں سرتا سر اپنی دید کا
ورنہ ہر ذرے میں تاباں نور ہے خورشید کا
گر حصول مدعا ہو ' ور نہ ہو ہم شاد ہیں
وقف برق یاس ہے خرمن یہاں امید کا
باغ فانی کے گلوں پر ہے یہہ رنگ دل‌پذیر
ہوگا کیا عالم بہار گلشن جاوید کا
دل میں آتا ہے نظر وہ جس نے دل پیدا کیا
جلوہ پیرا ہے جمال اس جام میں جمشید کا

سب کو رقیب کہئیے کس کس سے رشک کیجے
خورشید دار اس کا جلوہ کہاں نہ ٹھہرا

دل گرفتہ ہوں کروں گا ہوکے میں آزاد کیا
مجھہ کو یکساں ہے چمن کیا خانۂ صیاد کیا
ہچکیاں آتی ہیں ہم کو شیشۂ مے کی طرح
مے کشوں کو آج ساقی نے کیا ہے یاد کیا

رنگ تاثیر بھی نالوں کو وھی دیتا کاش
جس نے سینے میں کیا یہ دل نالاں پیدا
داغ تنھائی سے جلنے کو ھوئے ہم ''عیشی''
صورت شمع سر گور غریباں پیدا

کون پا بند جنوں فصل بہاراں میں نہ تھا
اس برس ننگ جوانی تہا جو زنداں میں نہ تھا
چشم پوشی ھے عبث مجھ سے کہ مانند سر شک
دیکھتا مجھ تو کہ اک جنبش مژگاں میں نہ تھا
''عیشی'' اس مے کدے میں کب ھمیں لائی تقدیر
درد بھی جب کہ خم بادہ پرستاں میں نہ تھا

لذتیں چشم تماشا کو ملیں یاں کیا کیا
یاد آوے گا کوئی دل میں گلستاں کیا کیا
اول شام خبر موت نے لی ورنہ ھمیں
رنج کیا جانے دکھاتی شب ھجراں کیا کیا
آمد عشق ھی میں صبر نے رخصت مانگی
اس سے رکھتا تھا توقع دل ناداں کیا کیا

دشمن و دوست سے اُلفت ھے ز بس کام اپنا
محتسب تھامے جو ساقی سے گرے جام اپنا

تنہا میں اس جہان کی منزل میں رہ گیا
اور داغ ہم رہان سفر' دل میں رہ گیا
"عیشی" مشابہت رخ جاناں سی تھی اُسے
پر داغ عارض مہ کامل میں رہ گیا

گلچیں کا دل جلا نہ کبھی اس کے حال پر
تاثیر آہ بلبل نالاں سے دور تھا
دھویا نہ اس کے دامن دل سے غبار کیں
جوش سرشک دیدۂ گریاں سے دور تھا

مزرع امید کی خشکي تھی ہمت کو قبول
آسماں سے پر نہ میں باران رحمت مانگتا
گر دل دیوانہ کي مقبول کرتا حق دعا
میں لٹانے کے لئے گلزار جنت مانگتا

ناکامي قسمت ہمیں تب بزم میں لائي
خالی سر خم کرچکے جب بادہ کشان بلند
یاں صورت نے دم ھے تن زار میں "عیشی"
زنہار نہ ہوں گے لب فریاد و فغاں بلند

وفاداري مری کب اس جفا کاری کے قابل تھی
ستمگر تونے محبوبوں کا کھویا اعتبار آخر

یہ قسمت دیکھئے صیاد جب آزاد کرنے کو
لگا پر کھولنے میرے ' ہوئی فصل بہار آخر
اسیر دام ہستی کو نہیں طول امل لازم
کہ ہو جاتی ہے پل میں یہ حیات مستعار آخر

نے کبھی روئے نہ پٹکا سر کو گاہے سنگ پر
مفت اپنا خوں ہوا جرم شکست رنگ پر
کیسے مشتاق نوا ہیں گوش ہائے اہل بزم
کیا مصیبت پڑ گئی مرغان خوش آہنگ پر

ہیں زلف تابدار کے ' زندانیوں میں ہم
رہتے ہیں اُلجھے سخت پریشانیوں میں ہم
خون اس کے ہاتھ میں دم تکبیر بھر گیا
محشر تلک رہیں گے پشیمانیوں میں ہم

تبسم سے نہیں لب آشنا اپنے کبھو برسوں
ہنسے زخم نہاں گاہے ' سو روئے ہیں لہو برسوں
نہ اپنے نے ہمیں پوچھا نہ بیگانے نے وحشت میں
بہ رنگ گل رہا چاک گریباں بے رفو برسوں

یہی وحشت ہو تو اک دن لگاکر آگ گلشن میں
پڑے ہوں گے لپیٹے منھ کسی صحرا کے دامن میں

کرے کیا امتیاز کفر و دیں چشم حقیقت بیں
وهی تسبیح کا رشته هے زنار برهمن میں

سخن اس کے عجائب لطف لکنت میں دکھاتے هیں
نزاکت سے زباں پر حرف کیا کیا لڑکھڑاتے هیں

فریاد کس کے هاتھ سے کیجئے که جاده وار
راه وفا میں هم هوئے پامال کارواں

اپنا کیا ذکر نیست و بود کریں بے نمودی کی کیا نمود کریں

گریه نے فرصت نه دی یار کے دیدار کی
ڈوب گئے لے کے هم دل کی امنگ آب میں

زیست کی امید کیا رکھوں که سینے میں ترے
ایک بھی پیکاں بے لذت جگر کھنچتا نهیں
سر گرانی اتنی بیمار محبت سے نه کر
ایک دو دن سے اب اس کو بیشتر کھنچتا نهیں

رونقیں آباد یاں، کیا کیا چمن کی یاد هیں
بوے گل کی طرح هم گلشن کے خانه زاد هیں

بھکا کدھر کدھر پھرا ' میں کہاں کہاں
افسوس مجھ کو چھوڑ گیا کارواں کہاں
تا چند سر کو پھوڑئے دیوار باغ سے
رونق چمن کی لے گئی باد خزاں کہاں
مانند سایہ نا فلک اپنا عروج ہے
اُفتادگی سے پھونچے ہم آخر کہاں کہاں
نالہ سو بے اثر ہے دعا ہے سو نا قبول
کیا جانے آگیا تھا وہ نا مہرباں کہاں
لانا ادھر نہ بوئے گل اے موج باد صبح
میں کم دماغ اور یہ بار گراں کہاں
بے رحم باغبان ہے اور بے وفا بہار
باندھا تھا ہم نے آ کے عبث آشیاں کہاں

جنوں نے پائے وحشت آشنا باہر نکالے ہیں
مرے دامن سے ٹانکو عرصۂ محشر کے دامن کو
گریباں گیر گردوں ہے غبار راہ محرومی
کسی کی خاک سے جھٹکا کسی ظالم نے دامن کو

نہ دیکھا ناز نیمان چمن کا سانحہ " عیشی "
جہاں سے اٹھ گیا میں چھوڑ کر آباد گلشن کو

گل گراں گوش و چمن صورت حیرانی ہے
کس گلستاں میں ہمیں حکم غزل خوانی ہے

کف افسوس بہم ملتے ہیں مژگاں یعنی
آخر اس دید کا انجام پشیمانی ہے
قطع کر رشتۂ احباب تعلق "عیشی"
ترک جمعیت دل بے سر و سامانی ہے

پر خطر راہ ہے اور رخت سفر بھاری ہے
خضر توفیق ازل وقت مدد گاری ہے
بختیاری ہے جسے ہو مرض عشق نصیب
لاکھ دردوں کی دوا ایک یہ بیماری ہے
نالۂ مرغ چمن سن کے، میں خوں روتا ہوں
بسکہ دل شیفتہ لذت غم خواری ہے
گو ہر اشک ہوں بکتا ہوں کہاں میں "عیشی"
نا مرادی سے مجھے چشم خریداری ہے

نہ پہنچا ساتھ یاران سفر کے ناتوانی سے
میں سر پٹکا کیا اک عمر سنگ سخت جانی سے
مرید مرشد ہمت ہوں میں میری طریقت میں
کفن بھی ساتھ لاتا ننگ ہے دنیائے فانی سے
شراب عشق کا ساغر دیا ہے مجھ کو ساقی نے
نہ اٹھوں گا میں محشر کو بھی اپنی سر گرانی سے

ہمیں وہ راہ بتلائی ہے خضر عشق نے "عیشی"
نشان رفتگاں پیدا ہے جس میں بے نشانی سے

یہ تصور نے ترے جلوہ گری دکھلائی
کہ مرے اشک میں دیتی ہے پری دکھلائی

صلح کس سے تھی کہ دل وابستہ تھا آرام سے
کس سے اب بگڑی کہ ہر دم عافیت سے جنگ ہے

سر مژگاں پہ لگے لخت جگر دیکھ چکے
یہ بھی ہم نخل محبت کے ثمر دیکھ چکے
دیکھو "عیشی" کہیں بدنام نہ ہو بیٹھ کے یاں
بزم خوباں سے اٹھو ایک نظر دیکھ چکے

بے اثر نکلیں جو کیں ناصح نے تدبیریں کئی
رات توڑیں تیرے دیوانے نے زنجیریں کئی

وہاں صیاد ظالم سان پر خنجر چڑھاتا ہے
اسیر دام یاں پا بند اُمید رہائی ہے
بہ رنگ سبزۂ بیگانہ ہم گلشن میں رہتے ہیں
نہ الفت باغباں سے ہے نہ گل سے آشنائی ہے

اٹھایا اپنا سر بیمار نے کیوں اپنی بالیں سے
مگر شاید کسی کے پاؤں کی آواز آئی ہے

جب سے وہ رشکِ گلستاں پئے گلگشت آیا
ہر دم اک تازہ خلل رونقِ گلزار میں ہے

عشق کے رنج یہی ہیں تو ہم
ایک دن جی سے گذر جاویں گے
کم ہوئی بانگِ جرس بھی یارب
ہم سے وا ماندہ کدھر جاویں گے
تنگ سے ہاتھ اٹھا کر آخر
نام ہم عشق میں کر جاویں گے
لوگ کیا سن کے کہیں گے دمِ نزع
آپ بالیں سے اگر جاویں گے
تا چمن دوش صبا پر صیاد
میرے اکھڑے ہوئے پر جاویں گے

چشم کس ترک کی شمشیر لئے پھرتی ہے
کہ قضا حسرت تکبیر لئے پھرتی ہے
کوئی اس فصل میں دیوانہ ہوا ہے شاید
کہ ہوا ہاتھ میں زنجیر لئے پھرتی ہے

بوئے گل ہوں میری عریانی کے درپے کیوں ہے چرخ
آپ کب رہنا مجھے منظور پیراہن میں ہے
ایک مجسم ناتوانی ہے یہاں سرتا قدم
لوگ کہتے ہیں ' تن رنجور پیراہن میں ہے

تجھ کو اے رنج گراں‌جانی ! خدا غارت کرے
عاقبت ہم بار دل ہائے عزیزاں ہو گئے
استخواں ہی کچھ فقط یاں خنجر پہلو نہیں
خوں کے قطرے بھی رگوں میں میری پیکاں ہوگئے

کبھی صیاد چھیڑے ' ہاتھ گاہے باغباں ڈالے
چمن میں کیا سمجھ کر کوئی طرح آشیاں ڈالے
بنا کر مجھ کو سر سے تا قدم ایک ضعف کا پتلا
قضا نے دوش پر کیا کیا مرے بار گراں ڈالے
وفاداری وہ دکھلاؤں کہ خود کھینچے پشیمانی
خدا سے چاہتا ہوں تو بنائے امتحاں ڈالے
ہجوم ناتوانی کم نہیں تسخیر " عیشی " کو
کوئی کیوں پاؤں میں ایسے کے زنجیر گراں ڈالے

کاش اے رخنۂ دیوار چمن تیری طرح
دور سے ہم بھی تماشائے گلستاں کرتے
دی اجل نے نہ اماں ورنہ دکھاتے وہ وفا
کہ تجھے تیری جفاؤں سے پشیماں کرتے

ہر گام، پائے سعی میں سو خار توڑئے
سر رشتہ جستجو کا نہ زنہار توڑئے

ہر جام، رشک ساغر جمشید ہے ہمیں
آباد ساقیا! تری بزم طرب رہے

جلا دے طور او سوز نہانی
اوٹھائے کون ناز لن ترانی
کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی
شراب صاف کا دے جام ساقی
مکدر ہے ز لال زندگانی
نہ پھری زمیں ستا اے مصلحت عشق
اوٹھاتی تھی ترے صدمے جوانی
کیا خاک در مے خانہ مجھ کو
جز اک اللہ دور آسمانی
شب غم میں مواجل جل کے "عیشی"
سنا ہے شمع محفل کی زبانی

ہستی کا جو اپنی مجھے مختار بناتے
سو بار مٹاتا میں جو سو بار بناتے

غافل

منور خاں نام، فقیر محمد خاں گویا کے دوست، لکھنؤ کے رہنے والے - مصحفی کے شاگرد تھے - "غافل" ایک خوش گو شاعر ہیں ان کا کلام حشو و زوائد سے پاک ہے - اِن کی زبان میں شیرینی اور طرز ادا میں دل‌نشینی ہے، ان کی شاعری درد سے خالی نہیں ہے مگر انبساطی کیفیت نمایاں ہے - ان کی بعض غزلیں عوام تک میں مشہور ہیں -

---

انتخاب

آکے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی مری جا، میرے بعد

دوستی کا بھی تجھے پاس نہ آیا، ہے ہے
تونے دشمن سے کیا مرا گلا، میرے بعد

گرم بازاری الفت ہے مجھی سے ورنہ
کوئی لینے کا نہیں نام وفا، میرے بعد

منھ پہ لے دامن گل روئیں گے مرغان چمن
باغ میں خاک اڑائے گی صبا میرے بعد

تیز رکھنا سر ہر خار کو اے دشت جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

تجھ کو اے بلبل مبارک ہو یہ سامان بہار
دم کے دم مثل صبا ہیں ہم تو مہمان بہار
آب و رنگ گل ہمارے گریۂ خونیں سے ہے
دیدۂ پر خوں ہے اپنا ، مہر سامان بہار

آتش جو ہمارے تن پر داغ کی بھڑ کی
دامن سے بجھائی تو گریباں میں لگی آگ

جلوہ برق کم نما ہیں ہم
ہے جو ہستی بھی تو کیا ہیں ہم
وصل میں بھی نہیں مجال سخن
اس رسائی پہ نارسا ہیں ہم
چتونوں میں وہ شوخ کہتا ہے
قہر ہیں، فتنہ ہیں ، بلا ہیں ہم
خوف محشر ہے کیا ہمیں "غافل"
پیرو آل مصطفیٰ ہیں ہم

صدمۂ ہجر مری جان، اٹھانے کی نہیں
تو نہ آئے گا تو کیا موت بھی آنے کی نہیں
اپنے مجنوں کی ذرا دیکھ تو بے پروائی
پیرہن چاک ہے اور فکر سلانے کی نہیں

مبتلا رنج مکافات میں فرزانے ہیں
پرسش حشر سے فارغ ہیں' جو دیوانے ہیں

شب فراق میں بہلائیں کس سے دل اپنا
نہ ہم دموں میں کوئي ہے نہ ہم نشینوں میں
جہاں جہاں عرق افشاں وہ ماہ رو گذرا
چمک رہے ہیں ستارے سے اُن زمینوں میں

اللہ رے شرم حسن کہ مجنوں کو دیکھ کر
چھپ چھپ گیا ہے ناقہ لیلی غبار میں

تر اشک خوں سے گوشۂ داماں ہے ان دنوں
کیا آب و رنگ پر یہ گلستاں ہے ان دنوں
باہر ہیں اپنے جامے سے دیوانگان عشق
از بسکہ جوش فصل بہاراں ہے ان دنوں
بیدار بخت ہمسا زمانے میں کون ہے
بالین خواب ز انوے جاناں ھی ان دنوں

نگاہ یار ہم سے آج بے تقصیر پھرتی ہے
کسی کي کچھ نہیں چلتی هي جب تقدیر پھر تي ہے
تري تلوار کا منھ ہم سے پھر جائے تو پھر جائے
ہماري آنکھ کب قاتل نہ شمشیر پھرتی ہے

کبھی تو کھینچ لائے گی اُسے گور غریباں تک
کہ مدت سے ہماری خاک دامن گیر پھرتی ہے
مقام عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے
زلیخا ہر گلی کوچے میں بے توقیر پھرتی ہے

چمن کوچۂ جاناں سے یہ کیا آتی ہے
ناز کرتی ہوئی جو باد صبا آتی ہے
صبح کس طرح سے ہوگی شب دیجور فراق
نہ تو نیند آتی ہے مجھ کو نہ قضا آتی ہے

دورنگی ذرا باغ دنیا کی دیکھو
جو روتی ہے شبنم تو ہنستی کلی ہے
کہیں آنسوؤں سے نہ دھو ڈالیں آنکھیں
ابھی خاک اُس در کی منھ سے ملی ہے

مے خوردہ جو وہ نرگس شہلا نظر آئے
تو صبح گلستاں کا تماشا نظر آئے
اُٹھ جائے جو غفلت کا در چشم سے پردا
اس آئینۂ دل ہی میں کیا کیا نظر آئے

مانع سیر عدم تار نفس ہیں اپنے
کٹتی زنجیر تو ہم قصد بیاباں کرتے

ہم نے جو دل میں ٹھانی تھی وہ بات کر گئے

تمام فراق سلتے ہیں جس سے گذر گئے

کب اُن سبک رووں کا نشان قدم ملے

جو اس چمن سے مثل نسیم سحر گئے

''فاقل'' یہ مہرباں نہ ہوا وہ شباب میں

کہنے کو بات رہ گئی اور دن گذر گئے

مخمور

محمد جعفر نام، لکھنؤ کے رہنے والے، مصحفی کے شاگرد تھے ۔
ان کے کلام کی سب سے نمایاں خوبی ان کی زبان کی صفائی اور روانی ہے ۔
ان کے یہاں ایسے الفاظ بہت کم ملتے ہیں جو بعد کو متروک ہوگئے ۔

انتخاب

یہ بے قراری ہوئی شب کہ کوئے جاناں میں
ہزار بار گیا اور ہزار بار آیا

وہ لب میگوں جو یاد آئے مجھے "مخمور" رات
میں لب ساغر سے لب اپنا ملا کر رہ گیا

آیا در چند مجھ کو نظر حسن روئے یار
عینک کا کام روزن دیوار نے کیا

سوجھتا ہی نہیں کچھ تیرے تصور سے مجھے
ایک سا حال ہے بے ہوشی و ہشیاری کا

کیا لخت جگر پارۂ آتش ہے خدایا
آنکھوں سے نکلتی ہے جو مژگاں میں لگی آگ

ترے چمن کی روش باغباں نہیں معلوم
اسیر تازہ ہوں طرز فغاں نہیں معلوم
کیا ہے شرم محبت نے ایسا پوشیدہ
کہ مجھ کو بھی مرا راز نہاں نہیں معلوم

سحر شمع شبستاں ہوں میں
شام پروانۂ سوزاں ہوں میں
دیکھ اے گل مرے داغوں کی بہار
اک تماشائے گلستاں ہوں میں

یاروں سے میں گو جدا رہا ہوں   پر دل سے تو آشنا رہا ہوں
گلشن اک مدرسہ ہے میرا   بلبل کو سبق پڑھا رہا ہوں

فکر یاروں کو مرے جیب سلانے کی نہیں
اور یہ کیا ہے جو تاثیر زمانے کی نہیں

خدا کے فضل و کرم پر نگاہ کرتے ہیں
گناہ گار ہیں، لاکھوں گناہ کرتے ہیں

چشمک تھی غضب، سحر نگہہ، قہر اشارا
کافر تری ہر ایک ادا لے گئی جی کو

آمد آمد ہے بہاراں کی جنوں کا جوش ہے
پھاندئے دیوار گلشن توڑئے زنجیر کو

مال دنیا چھوڑ جائیں گے جہاں میں بادشاہ
قبر میں بھی فقر کی دولت گدا کے ساتھ ہے

انگور کے سایہ تلے میں مست رہا بیٹھ
شاید کوئی دانہ مری تقدیر سے ٹپکے

جان جاتی ہے شب ہجر، نہ یار آتا ہے
نہ تو موت آتی ہے، نہ دل کو قرار آتا ہے
کیا چلی جاتی ہے ناقے کو بڑھائے لیلے!
پیچھے پیچھے ترے مجنوں کا غبار آتا ہے

اِس ہستی موہوم پہ کیا ناز کریں ہم
ہے ایک کف خاک سے بنیاد ہماری

غم ہو تو امید رکھ خوشی کی
رونا بھی دلیل ہے ہنسی کی
ہر ایک نفس کی آمد و شد
دیتی ہے خبر روا روی کی

چاہئے اتنا ہو استغنا کدا کے واسطے
ہاتھ بھی اپنے نہ پھیلائے دعا کے واسطے

قید خانہ ہوگا مے خانہ فراق یار میں
موج مے میرے لئے زنجیر پا ہو جائے گی

طیاری ہو مینا و مئے و جام کی "مخمور"
ایام قریب آئے ہیں توبہ شکنی کے

تنہا

شیخ محمد عیسی نام ، دہلی کے رہنے والے تھے ، مگر دہلی کی سکونت چھوڑ کر لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا – ان کا خاندان شرافت اور نجابت میں مشہور تھا –

" تنہا " ، " مصحفی " کے نہایت عزیز و رشید شاگرد تھے – وہ بذلہ سنج ، خلیق اور سلیم الطبع شخص تھے –

غزل میں گداز ہے لیکن زبان " مصحفی " سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے وہی تک وہی دوانا " میر تقی " اور مرزا سودا کی زبان ہے تاہم سادگی میں بہت کچھ کہہ جاتے ہیں –

سنہ ۱۲۲۲ھ میں ڈاکوؤں نے مار ڈالا – غزلوں کے علاوہ مثنوی مخمس اور رباعیاں بھی لکھی ہیں ، لیکن وہ قابل ذکر نہیں –

غزلوں کی تعداد بھی ۵۸ سے زیادہ نہیں –

انتخاب

گو قافلے سے یارو " تنہا " رہا ہے پیچھے

دن تو ابھی بہت ہے، کیا ڈر ہے جا ملے گا؟

ہووے گا کوئی لطف و عنایت کا دوانا

" تنہا " ہے فقط آپ کی صورت کا دوانا

لے ہاتھ میں تک دامن کو اٹھا، ہے یہ بھی کوئی چلنے کی ادا

خاک اس کی تو یوں برباد نہ دے، جو راہ میں تیری خاک ہوا

بازار دہر میں ہوں میں وہ جنس نا قبول

جس کو کبھی نہ لیوے خریدار ہاتھ میں

افسوس کی جگہ ہے یہ " تنہا " کہ چھٹ گیا

ہاتھ اس کا آ کے میرے کئی بار ہاتھ میں

ان دنوں چاک ہے پیراہن گل اے " تنہا "

ہم کوئی اپنے گریبان کو سلا سکتے ہیں

خانہ آباد، چھوڑ تیری گلی   ہم کس اجڑے ہوئے نگر جاویں

چشم تر گور غریباں پہ نہ کی
ابر رحمت ایسے کیا کھکے ہیں

ساقی نے دیا تھا جو، معلوم نہیں مجھ کو
جام مے گل‌گوں تھا، یا دام گرفتاری

میں جو روتا تھا تو ملا کر مجھے وہ یوں بولا
کھیے کیا کرتے ؟ جو تم کو نہ ملاتا کوئی

گرچہ اک عالم پہ ہے بیداد، تیرے ہاتھ سے
وہ نہ کر جو میں کروں فریاد تیرے ہاتھ سے

پھر ہمیں سوئے چمن شوق اسیری لے گیا
جب ہوئے صیاد ! ہم آزاد تیرے ہاتھ سے

ہے جی میں اس کے کاکل پر خم کو دیکھئے
اس آرزو کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

۸۳۱

لے کے ہر دم آہ دل سے لب تلک آنے لگی

نا توانی بھی ہمیں زور اپنا دکھلانے لگی

اب پشیماں ہوں کہ یہ کیا بات مجھ سے ہوگئی

رو بہ رو غیروں کے کیوں میں نے قسم کھائی تری

جوشش

شیخ محمد روشن نام، جسونت راے ناگر کی اولاد میں تھے - علم عروض میں کافی دخل تھا کہتے ہیں کہ خواجہ "میر درد" کے پیرو تھے، لیکن ان کا کلام "درد" کی خصوصیات سے خالی ہے بہرحال اپنے رنگ میں اچھا کہتے ہیں ان کے کلام میں خاص طرح کی چاشنی ضرور ہے -

انتخاب

جی سیر میں گلزار کی، تن دام قفس میں
یہ صید گرفتار اِدھر کا نہ اُدھر کا

سر اُس کی تیغ سے جب تک جدا نہ ہووے گا
کسی طرح سے حق اُس کا ادا نہ ہووے گا
دل و جگر ہی پہ آفت نہیں فقط "جوشش"
جو ہے یہی ترا رونا تو کیا نہ ہووے گا

" جوشش " مت رو دل و جگر کو
کس کا کس کا تو غم کرے گا

اُس کی آنکھوں کو دیکھیں اے " جوشش "
منھ تو دیکھو شراب خواروں کا

نہ پھولتے ہیں شگوفے نہ غنچے کھلتے ہیں
چمن میں شور پڑا کس کے مسکرانے کا
جیسا کہ دل پہ زخم ہے اُس کے خدنگ کا
گلشن میں ایک گل نہیں اِس آب و رنگ کا

قیس پھرتا جو رہا دشت میں، دیوانہ تھا
اُس کو لیلےٰ ہی کے دروازے پہ مرجانا تھا

تھی بزم میں سب پر نگہہ لطف و کرم تھی
اِک میری طرف تونے ستم گر نہ دیکھا
جز چشم بتاں میکدۂ دھر میں " جوشش "
ہم نے تو کسی مست کو ھشیار نہ دیکھا

نگاہ لطف سے دیکھا یہی غنیمت ہے
سلام اُس نے ہمارا لیا لیا نہ لیا

نہ شکل شیشہ آتی ہے نظر نے جام کی صورت
رہی زیر فلک پھر کون سی آرام کی صورت

دیکھئے ہم میں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے
خون کی پیاسی ہیں وہ اور تشنۂ دیدار ہیں ہم

بیکسی سے یہی گلہ ہے مجھے
تھام لیتی ہے دست قاتل کو

نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی مرا دشمن ہے
ایک یہ دل ہے غرض دوست ہے یا دشمن ہے

ممکن نہیں کہ دیکھئے روئے شگفتگی
جب تک بہ رنگ غنچہ گریباں نہ پھاڑئے

صورت پرست ہوں میں مانند آئینے کے
جو کچھ ہے میرے دل میں سو میرے رو بہ رو ہے

کشور عشق میں رسوا سر بازار ہوئے
اُس کے ساتھ آپ بکے جس کے خریدار ہوئے

دن میں سو سو بار تیرے کوچے میں آنا مجھے
اس میں سودائی کہے کوئی کہ دیوانا مجھے

ریحاں

دیا کرشن نام، شاہ آباد کے رہنے والے تھے، مگر ایک مدت تک لکھنؤ میں قیام رہا –

عام طور پر مصحفی کے شاگرد مشہور ہیں، مولف خمخانۂ جاوید نے "موجی" شاگرد "مصحفي" کا شاگرد لکھا ھے –

واجد علي شاہ کے زمانے میں راجہ الفت رائے کے بخشي تھے نازک مزاج، اور وضعدار تھے، علمی استعداد معقول تھي غزل میں اخلاقي مضامین کا عنصر غالب ھے، روانی اور صفائي بھی ھے، لفظي پابندیوں سے دامن بچاتے ھیں –

سنہ ۱۸۸۵ع میں وفات پائی –

اِنتخاب

تہمت ہے تیغ تیز پہ، خنجر پہ اِتہام

قاتل! میں کشتہ ہوں تری ترچھی نگاہ کا

بے خیالِ بندگی، بابِ ہدایت کھل گیا

رنج میں میں نے رجوعِ قلب جب دم بھر کیا

عقدہ کھلتا ہی نہیں تقدیر کا

گھس گیا ناخن مری تدبیر کا

نوکِ مژگاں کی خطا اس میں نہیں

خود بنا عاشق نشانہ تیر

جب دیا حور نے مجھ رند کو جامِ کوثر

رشکِ زاہد کو ہوا میری گنہ گاری کا

اے سرو کر نہ یار کے قامت کا سامنا

قامت کا سامنا، ہے قیامت کا سامنا

نہ کچھ جینے کی راحت ہے، نہ کچھ مرنے کا ہے کھٹکا
علاقہ اُٹھ گیا دونوں سے جب سے دل کہیں اٹکا

آنکھوں میں سمایا جو ترے گھر کا تصور
کعبہ نظر آیا نہ کلیسا نظر آیا

فرہاد تیری ہمت عالی کو آفریں
جس کوہ کے عاشقی کا تماشا دکھا دیا

جاے جو چاہے سوے دیر و حرم
ہم تو بیٹھے ہیں در دلدار پر

دیکھیں تو وہ موزوں ہے کہ بوٹا سا یہ قامت
ہو جاؤ کھڑے سرو گلستاں کے برابر

دشمن کسی کا ہو کے کوئی کیا بنائے گا
انساں کا اختیار نہیں اپنی جان پر

کیا کہوں بھول گیا ورنہ خدا سے کہتا
مجھ کو دیوانہ نہ کر اس کو پریزاد نہ کر

رند و زاہد کي لڑائی کو نہ جانے کم کوئي
خون کي ندي بہے گی خلد میں کوثر کے پاس

اور جینے کي آرزو کیا ہو ؟ کیا بنایا اگر جئے اب تک

مرے بس میں کبھی اے دل ربا اپنا نہ آیا دل
وہ کیسے ہیں جو کرلیتے ہیں قابو میں پرایا دل

سچ ہے کہ نر دبان حقیقت، مجاز ہے
ملتا نہیں خدا جو نہ ہو راہ پر صنم

زندگی کس طرح اے "ریحان" کٹے
عاشقی سے جی کو بہلاتے ہیں ہم

آنکھوں پر اختیار ہے، اچھا نہ روؤں گا
کچھ آپ میرے دل کو بھی سمجھاتے جاتے ہیں ؟

تیرے لب کو نبات کہتے ہیں ہم بھي کیا میٹھی بات کہتے ہیں

یہ بھی اسی کی اک ادا بے رحم شان ہے
بندہ خدا کا ہو کے میں سجدہ نہ کیوں

سوال کرتے نہیں ' گو زبان رکھتے ہیں
کدائے عشق بھي کیا آن بان رکھتے ہیں

سنا ہم نے کانوں سے عنقا کا نام
وفا دار ' آنکھوں سے دیکھا نہیں

کیا مرض ہے درد دل' جس کی دوا ہوتي نہیں
جب تلک مرتا نہیں کوئي شفا ہوتی نہیں

صحبت کا لطف اےدل آپس میں تب عیاں ہو
معشوق قدرداں ہو ' عاشق مزاج داں ہو

کہئے کس طرح سے بہلے گی طبیعت میري
آپ بھی جاتے ہو ' دل کو بھي لئے جاتے ہو

جال میں تو پھانسنے آیا ہے مجھ دل گیر کو
کیا سنوں ؟ ناصح ! تري الجھي ہوئي تقریر کو

مجنوں کے آب رشک سے تر ہے تمام دشت
پھیلے نہ پاؤں ناقے کا' اے ساربان دیکھ !

صحت نامه جواهر سخن جلد دوم

صفحه سطر	غلط	صحیح
ا-۱۱	شعر	شعرا
و-۸	شعروں	شاعروں
م-۱۰	شفارش	سفارش
ن-۹	افتار	رفتار
س-۱۳	حسن	چسن
ق-۷	لالهه	لاکهه
ر-۱۴	ابیات غزل میں تاثیر	ابیات و غزل میں حسن تاثیر
ر-۱۷	هے	وهي
ش-۵	دقت	واسوخت
۱۰-۷	تهي قسمت	محبت
۱۳-۲۶	مذکور	مرکوز
۳-۳۰	خوشبو	خوشبو کا
۱۰-۳۵	یه	په
۱۸-۳۵	کی	کے
۱-۳۶	تب	جب
۱۳-۴۰	نچوڑا	نه چهوڑا
۱۵-۴۲	حق	عشق
۱ ۴۴	برتن	برق
۱۲-۵۰	چشم	خشم
۷-۵۸	کہا	گہا
۷-۵۸	بدراه	دلخواه
۱۴-۶۷	هے هے	کے هے
۱۶-۷۰	جهکا دوں کا	جهکاؤں کا
۲-۷۳	تلک	تک
۱۵-۸۲	جفا	خفا
۱۱-۸۵	چا	چار
۳-۹۰	هے معلوم نہیں	سب کچهه هے معلوم هیں
۱۳-۹۵	س	اس
۱۱-۱۰۵	هوا	موا
۳-۱۰۸	سفیر	سفر
۹-۱۳۲	باغ صحرا	باغ و صحرا
۱۰-۱۳۲	صحرا	سودا
۴-۱۳۳	یه ناز	نماز
۱۸ ۱۳۷	بهی	تو
۸-۱۷۰	چشم	خشم
۱۰-۱۷۴	دل یا	دل هے یا
۱۱-۱۷۴	پهچان	پهچاں
۱۳-۱۷۵	کرنے سے	کرلے تو
۳ ۱۸۱	قطعه	×
۱۱-۱۸۹	خاک	چاک
۸-۱۹۰	غیرت	عبرت
۱۲-۱۹۰	کرلي	کرے
۱۷-۱۹۰	کی	کے
۱-۱۹۳	قطعه	×
۵-۱۹۳	لئے	هے
۶-۱۹۳	از جاوے	اڑا جاوے
۷-۱۹۳	یا کوئی	یا کوئی بلادي هے
۱۷-۲۰۴	کهل چلے	کهل چلے هیں
۸-۲۰۵	یاں سے هم	هم یاں سے
۱۵-۲۱۸	کیا	کہا
۴-۲۲۴	هوں	هو
۳-۲۲۵	سب	کس
۱-۲۲۶	دغ	داغ
۱۰-۲۲۹	یار	یارا
۲-۲۳۶	الس	ایسی
۱۸-۲۳۷	آگئی	آگهی
۳-۲۴۳	قدر منزلت	قدرو منزلت،
۱۳-۲۴۳	هستي	عرصۂ هستی
۱۹-۲۴۳	کہیں اور خوب کہیں	کہا اور خوب کہا
۸-۲۴۴	انواع سنجي	انواع سخن سنجی
۶-۲۴۵	۱۸۹۵	۱۱۹۵

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۲-۲۴۶	حرف	صرف
۱۵-۲۴۷	شکستہ پائی	شکستہ بالی
۳-۹۲۴	چهاني	چهاتی
۴-۲۴۹	بانی	بالی
۹ ۲۵۴	اشک	رشک
۱۱-۲۶۰	کو	کا
۱۳-۲۶۵	نہیں	نہیں هے
۱۲-۲۶۷	یہ	×
۴ ۲۷۴	ذرا	ذره
۱۴-۲۸۱	کہاں کہ	کہاں هے کہ
۹-۳۰۴	دور رها	دورا ها
۱۰-۳۱۲	آئے	آئی
۳ ۳۲۵	کمہت خانے	کمہت خامہ
۱۳-۳۲۵	گل گوں	گلگوں
۲۳-۳۳۰	حسبت	جست
۲۳-۳۳۰	کلیم	حکیم
۱۸-۳ ۲	عقل	اقل
۲۲ ۳۳۲	تحلل	یتحلل
۸ ۳۳۳	قووت	قوت
۱۷ ۳۳۳	نیسا	نیسار
۱۷-۳۴۲	راهي	رهي
۲۵ ۳۴۹	وصف	دست
۲۰ ۳۵۳	مکر	فکر
۳-۳۵۵	امام عسکري	امام حسن عسکری
۸-۳۵۵	پوهیں	پڑھے
۱۶-۳۵۵	۳۶	۳۹
۷-۳۵۶	خوشي	خوشی سے
۸-۳۵۶	معاصرین	معاصرین
۱۳-۳۵۷	دیکھیے	دیکھیے کہ
۲۰-۳۵۷	مجازی	مجازی کا
۲۲-۳۵۷	مجار	مجاز
۱۰-۳۵۸	شہریں	شریلی
۱۳-۳۶۹	سایہ‌ار	سایہ دار
۱۰-۳۹۵	ثرب	شرب
۷-۳۹۶	گفتگو کو	گفتگو کر
۵-۳۹۹	ضمیر	خمیر
۱۰-۳۹۹	کا	کے
۸-۴۰۰	اگر	اگر ہوتے
۸-۴۰۰	نہ تھا	نہ ہوتا
۱۹-۴۱۳	لائیں هم	لائے ہیں هم
۴-۴۱۴	کہا	کب سے
۱۶-۴۱۵	یا کریں	یا نہ کریں
۱ ۴۲۴	جاں بار	جاں باز
۹-۴۳۵	پردهے	پردے
۲۴ ۴۳۷	موسریوں	مولسریوں
۱ ۴۳۸	موسریوں	مولسریوں
۶ ۴۳۹	وات	رات
۵-۴۴۱	نظریں	نذریں
۱۸-۴۴۲	اک اک کی	رک رک کے
۲۱-۴۴۳	اشک	رشک
۴-۴۴۴	مکیں	ملیں
۱۴ ۴۴۶	سب دل	سب کے دل
۵ ۴۵۴	فطرت تھا	فطرت میں تھا
۱۳ ۴۵۴	مہر	مہر سوز
۱۷-۴۵۴	صور	صورت
۸-۴۶۲	جھکتا	جھٹکتا
۱۳-۴۶۷	نصاے	نصائح
۱-۴۶۸	ناقدي	ناقدري
۱۲ ۴۶۹	تیرے	تیري
۲۰-۴۱۲	ہندوستان	ہندستان
۶ ۴۸۴	آتی	آتے
۶-۴۸۶	گل	گھائل
۷ ۴۸۶	دیکھو	دیکھیو
۸-۴۸۶	بوسے	بوسي
۱۶-۴۸۸	راہ لی	راہ لے
۸-۴۸۹	تران	ترے

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۵-۴۹۰	درد	دور
۵-۵۰۳	بوی	بھی
۱۵-۵۰۴	یر	پر
۱۸-۵۰۴	تم دیکھہ کے	دیکھہ لیجیو
۸-۵۱۰	انظار	انتظار
۱۲-۵۱۰	کیا کھول	کیا کہوں
۳-۵۱۳	جہٹے	جہٹکے
۱۶-۵۱۳	درد بام	دروبام
۶-۵۱۸	درد دیوار	درو دیوار
۱۱-۵۱۸	ھي	ھے
۱۵-۵۲۵	سب	شب
۱۴-۵۳۹	کچھہ بات	کچھہ تو مجھہ سے بات
۸-۵۴۲	یکتا ھے	یکتاے
۱۷-۵۴۸	کس ھے	کس کو ھے
۱-۵۴۹	پرتا	پرتا ھے
۷-۵۵۲	تہاھنوز	تاھنوز
۱۲-۵۵۹	پھر کے	پھر سے
۱۳-۵۶۱	ھو چکی	ھو چکے
۴-۵۶۲	سحر تو ھو	سحر تو ھے
۷-۵۶۲	اُٹھتے ھی	اُٹھتے ھیں
۸-۵۶۲	تیرے پاس	تیري پاس
۵-۵۶۲	حباب	حجاب
۶-۵۶۲	سچ	سج
۲-۵۶۷	سے	ھے
۱۰-۵۶۸	بادب ھو کے	مؤدب ھو
۲۲-۵۶۹	تھی	تھے
۱۲-۵۶۹	طرق	فرق
۱۴-۵۶۹	عشرت نعم	عشرت و نعم
۱۷-۵۶۹	یا	یا
۱۳-۵۷۰	وادے الامر ملکم	واولی الامر ملکم آ
۲۴-۵۷۱	نرگس جادو	نرگس جادو
۲۳-۵۷۱	لت	رت
۳-۵۷۲	ھیں امرا	ھیں سب مرا

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۴-۵۷۲	فوجوں کی	فوجوں کے
۴-۵۹۲	غت غت	غت کے غت
۱۶-۵۷۲	سی	سے
۱۶-۵۷۲	کیت	بیت
۱۷-۵۷۳	یہ قدرت	ید قدرت
۱۰-۵۷۴	اسرفیل	اسرافیل
۲-۵۷۵	ڈھلي قیام	دھلی کے قیام
۲-۵۷۷	سمری	سحری
۴-۵۷۷	سحري	سقری
۱۸-۵۷۹	ارظار	انتظار
۵۸۰ ۶-۴-۳ / ۱۰-۸	تھرے گا	تھہرے گا
۱۱-۵۸۴	کسي	کس
۱۵-۵۸۴	تب	تپ
۱۳-۶۰۸	تصدبع	تصدیع
۵-۶۱۱	کي	کے
۹-۶۱۲	چھت	پھت
۱-۶۲۹	ازو	آرزو
۵-۶۳۰	مدے	ترے
۱۴-۶۳۲	پھر ھیں	پھرتے ھیں
۸-۶۴۰	عالم ھیں	عالم میں
۱۶-۶۴۰	اپنے کلاہ	اپنی کلاہ
۱۰-۶۴۳	وھي رھے	رھے وھي
۱-۶۴۹	رشک	اشک
۱-۶۵۰	ناز پسیں	باز پسیں
۱۱-۶۶۰	انشا کے	انشائے
۸-۶۷۲	پھونی	پہنچی
۹-۶۷۴	کم طرف	کم ظرف
۱۴-۶۸۰	مرے	مری
۱۱-۶۸۱	سے	سي
۱۸-۷۰۶	اُس چشم	اِس چشم
۷-۷۰۸	سي	ھے
۴-۷۲۷	بیٹھا مجھہ کو	سن کے بیٹھا
۸-۷۲۷	مرا پیماں	مرے پیماں میں

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۴-۷۲۷	بیٹھے ہو	بیٹھے ہے تو
۱۷-۷۲۷	یہ	سب
۲-۷۲۸	تھم	تم
۱-۷۳۱	فضلو	فضل علی
۱۲-۷۳۱	اُن کی	اپنی
۷-۷۳۲	صہر	جہر
۸-۷۳۴	ان دنوں	اِک زنداں
۱۴-۷۹۱	مل جا کہیں	مل جائے کہیں
۱۰-۷۹۲	ذوق	شوق
۱۲-۷۹۲	وائے	درسے
۴-۷۹۳	نظم آتے ہیں	نظم کرتے ہیں
۲-۷۸۳	آئینہ	آئینے
۱۲ ۷۸۸	دے	رہے
۱-۷۸۹	رزو	آرزو
۵-۷۹۴	پرھن	پیرھن
۳-۷۹۷	آمدنی علاوہ	آمدنی کے علاوہ
۴-۷۹۷	وراثت	سرکار
۱-۸۰۰	مہر بخش	پہر بخش
۱۳-۸۰۲	بھی	بھر
۵-۸۰۵	متوالے	متوالی
۲-۸۲۴	جعفہ	جعفر
۷-۸۳۱	اور	میں
۴-۸۳۱	روبہ و	روبرو